سفرنامہ روم و مصر و شام

س مین علاوہ اُن جزئی واقعات کے جو سلسلہ بیان مین آگئے ہین قسطنطنیہ
بروت۔ بیت المقدس۔ قاہرہ وغیرہ کے متعلق واقعات ذیل یعنی شہر کی عام
جمالی حالت۔ قابل دید مقامات۔ مشہور عمارات۔ سررشتہ تعلیم۔ دار العلوم اور
لارس۔ بورڈنگ اور طلباء کی تربیت تعلیم نسوان مصنفین اور تصنیفات
تبخانے۔ اخبارات اور رسالے۔ مشہور پاشاؤن اور ارباب کمال کی ملاقاتین
ورعربون کے اخلاق و عادات کو تفصیل کیساتھ لکھا ہی آخر مین اُن الفاظ مولدہ کی
مختصر سی فرہنگ ہی جو آجکل مصر و شام مین مستعمل ہو گئے ہین اور جنکے نہ جاننے
کی وجہ سے لوگ عربی اخبارات سے فائدہ نہین اُٹھا سکتے

مرتبہ
شبلی نعمانی

حسب اجازت مصنف۔ باہتمام سید ظہور الحسن۔ قومی پریس۔ دہلی
مطبع تحفہ جنت دہلی مین چھپا

۵ جلد
بار چہارم

فہرست مضامین

سفرنامۂ روم

و

مصر و شام

جس میں علاوہ اُن جزئی دلچسپ واقعات کے جو سلسلۂ بیان میں آ گئے ہیں
قسطنطنیہ۔ بیروت۔ بیت المقدس۔ قاہرہ۔ وغیرہ کے متعلق واقعات ذیل یعنی۔
شہر کی عام اجمالی حالت۔ قابل دید مقامات۔ مشہور عمارات۔ سررشتہ تعلیم دار العلوم
اور مدارس بورڈنگ اور طلبا کی ترتیب، تعلیم نسواں مصنفین اور تصنیفات۔ کتبخانے
اخبارات۔ اور رسالے۔ مشہور پاشاؤں اور ارباب کمال کی ملاقات۔ ترکوں اور عربوں
کے اخلاق و عادات۔ کو تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ آخر میں اُن الفاظ مولدہ کی مختصر
سی فرہنگ ہے جو آجکل مصر و شام میں مستعمل ہو گئے ہیں۔ اور جن کے نہ جاننے کی
وجہ سے لوگ عربی اخبارات سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔

مرتبہ

شبلی نعمانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً

در موسم گل گر۔ بگلستان نرسیدیم
از دست ندادیم تماشائے خزان را

رمضان المبارک ۱۳۰۹ھ میں۔ میں نے قسطنطنیہ وغیرہ کا جو سفر کیا وہ محض ایک طالب العلمانہ سفر تھا۔ اور چونکہ نہ یہ کوئی غیر معمولی امر تھا۔ نہ واقعات سفر میں چندان ندرت تھی۔ سفرنامہ لکھنے کا مطلق ارادہ نہ تھا۔ لیکن وہاں سے واپس آکر جن بزرگوں اور دوستوں سے ملنے کا اتفاق ہوا سب سفرنامہ کے تقاضی تھے۔ میں نے خیال کیا کہ چونکہ ایک مدت سے ہماری جماعت میں سیر و سیاحت کا طریقہ بند ہے۔ اور اس وجہ سے اسلامی ممالک کے صحیح حالات سے بالکل اطلاع نہیں حاصل ہوتی تو لوگوں کا یہ تقاضا کچھ بیجا نہیں۔ مجھکو خود اپنی حالت یاد آئی کہ سفر سے پہلے۔ قسطنطنیہ وغیرہ کا کوئی سیاح ملجاتا تو میں گھنٹوں وہاں کے حالات پوچھا کرتا۔

یہ اسباب تھے جنہوں نے مجھکو ان اوراق پریشان کی ترتیب پر آمادہ کیا ورنہ ایسے عاجلانہ اور معمولی سفر کے حالات قلمبند کرنے اور انکو سفرنامہ یا کتاب الرحلۃ کا لقب دینا تنگ ظرفی سے خالی نہ تھا۔ سفرنامہ میں جس قسم کی اطلاعیں لازمی اور ضروری ہیں۔ یعنی ملک کی حالت۔ انتظام کا طریقہ۔ عدالت کے اصول تجارت کی کیفیت۔ عمارتوں کے نقشے۔ ان میں سے ایک چیز بھی اس سفرنامہ میں نہیں البتہ معاشرت اور علمی حالت کے متعلق معتدبہ واقعات ہیں۔ اگرچہ وہ بھی اس تفصیل کیساتھ نہیں ہیں جس قدر ہونے چاہئیں۔ غرض جو شخص سفرنامہ کو سفرنامہ کی حیثیت سے دیکھنا چاہتا ہے وہ اس کتاب سے پورا لطف نہیں اٹھا سکتا۔ البتہ جن لوگوں کو اسلامی ممالک کے معمولی واقعات میں بھی مزہ آتا ہے ان کی دعوت میں ماحضر پیش کیا جا سکتا ہے کہ مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ۔

میں نے اگرچہ اس کتاب میں ترکوں کی تمدنی یا ملکی حالت سے کچھ بحث نہیں کی ہے اور نہ اس قسم [illegible] میرے منصب و حالت کے لحاظ سے مناسب تھی۔ تاہم اس کتاب کو پڑھکر ناظرین کے دل میں

ترکوں کی تہذیب و شائستگی کا جو درجہ قائم ہوگا وہ اُس سے مختلف ہوگا جو یورپ کے عام لٹریچر سے ظاہر ہوتا ہے۔ یورپ نے کسی زمانہ میں مسلمانوں کے خلاف جو خیالات قائم کر لئے تھے ایک مدت تک وہ علانیہ اس طریقہ سے ظاہر کئے جاتے تھے کہ مذہبی تعصب کا رنگ صاف نظر آتا تھا اور اُس وقت قبول عام کا یہی بڑا عمدہ ذریعہ تھا۔ لیکن جب یورپ میں مذہب کا زور گھٹ گیا اور مذہبی ترانے بالکل بے اثر ہو گئے تو اس پالیسی نے دوسرا پہلو بدلا۔ اب یہ طریقہ چنداں مفید نہیں سمجھا جاتا کہ مسلمانوں کی نسبت صاف صاف متعصبانہ الفاظ لکھے جائیں۔ بلکہ بجائے اسکے یہ دانشمندانہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ اسلامی حکومتوں اسلامی قوموں۔ اسلامی معاشرت کے عیوب۔ تاریخی پیرایہ میں ظاہر کئے جاتے ہیں اور عام تصنیفات قصوں۔ ناولوں۔ ضرب المثلوں کے ذریعہ سے وہ لٹریچر میں اس طرح جذب ہو جاتے ہیں کہ تحلیل کیمیاوی سے بھی جدا نہیں ہو سکتے۔ اگرچہ یہ طریقہ کل اسلامی قوموں سے برتا جاتا ہے لیکن اسوقت یہ عمل خاص ترکوں سے بحث ہے یورپین لٹریچر پڑھکر ترکونکی نسبت۔ تحقیر کے خیالات نہ پیدا ہوں بعینہ ایسا ہی جیسا خواب آور دوا کھاکر نیند کا نہ آنا۔ یورپ میں مصنفین کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اور اس وجہ سے ان میں متعصب نیک دل ظاہر بین دقیق النظر ہر درجہ اور ہر طبقے کے لوگ ہیں۔ لیکن ترکوں کے ذکر میں وہ اختلاف مدارج بالکل زائل ہو جاتا ہے اور ہر ساز سے وہی ایک نکلتی ہے۔

مثلاً آجکل کے سچے سے سچے یورپین مصنف کی راست بیانی یہ ہے کہ وہ ترکی حکومت کے ذکر میں قرضہ کی گرانباری صنائع و فنون کا بقدر کافی موجود نہ ہونا۔ اضلاع میں تعلیم کی عدم وسعت۔ آلات و اسلحہ میں یورپ کی احتیاج۔ ان تمام امور کو بالکل راست راست لکھتا ہے۔ لیکن جو اصلاحیں حال میں ہوئی ہیں اُنکے ذکر سے اسطرح دامن بچاتا ہے کہ گویا اصلاح کا سرے سے وجود ہی نہیں۔ خزانہ کا انتظام تمام اضلاع میں زراعتی بنکوں کا قائم ہونا۔ اور مدارس رشدیہ کی تعداد کا ۹۶ سے ۴۰۰ تک ترقی کر جانا بڑے بڑے کا بجون کا جاری ہونا۔ ریلوے کی وسعت ادائے قرضہ کے انتظامات۔ فوجی قوت کی ترقی ان واقعات کو بھولکر نہیں لکھتا۔ کسی قوم یا کسی شخص کے قابل مدح یا ذم ثابت کرنیکا یہ نہایت آسان طریقہ ہے کہ اُسکے حالات اور واقعات کی یک رخی تصویر کھینچی جائے اور انصاف یہ ہے کہ یورپ نے اس فریب آمیز طریقے کو دنیا کی تمام قوموں سے زیادہ برتا ہے

(۱) سلطان حال کے عہد میں جو علمی اور عملی ترقیاں ہوئی ہیں اُسکی تفصیل میں ایک مستقل کتاب لکھی گئی ہے جو قسطنطنیہ میں شائع ہوئی ہے اور خاص بحری ترقیوں کے ذکر میں راسم بک آفندی کا رسالہ حال میں شائع ہوا ہے جس کا نام دور ترقی ہے۔

بے شبہہ یورپ میں ایسے فیاض دل بھی ہیں جنکو تعصب سے کچھ واسطہ نہیں۔ لیکن بچپن سے جس قسم کے خیالات میں اُنھوں نے پرورش پائی ہے۔ اُنکے گرد و پیش معلومات کا جو سرمایہ ہے۔ جو آوازین ہر طرف سے اُنکے کانوں میں آئی ہیں۔ اُن چیزوں کے مقابلے میں اُنکی بے تعصبی بھی کچھ کام نہیں دیتی۔ ایک صاحب جو نہایت بے تعصب اور عام شخص ہیں اور مجکو اُنکی خدمت میں نیاز حاصل ہے۔ قسطنطنیہ و مصر وغیرہ کا سفر کرکے واپس آئے تو میں نے اُنسے بر سبیل تذکرہ پوچھا کہ آپنے قاہرہ میں جامع ازہر کی سیر بھی کی؟ بولے مجکو اُسکی سیر کا بہت شوق تھا۔ لیکن میرے رہنما نے کہا کہ عیسائیوں کو وہاں جانیکی اجازت نہیں ہے اگرچہ واقعہ محض غلط ہے۔ میں خود جامع ازہر میں ایک مہینے سے زیادہ مقیم رہا اور میرے عیسائی احباب بے تکلف مسجد ہی میں مجھ سے ملنے آتے تھے۔ لیکن چونکہ یوروپ میں مسلمانوں کا تعصب اور تنگ خیالی علوم متعارفہ کے قریب قریب ہے اُن صاحب کو اپنے رہنما کی بات کے یقین کرنے میں کیونکر تامل ہو سکتا تھا؟۔

طرہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے عام شاہ راہ سے الگ ہو کر کچھ کہا۔ یا لکھا تو یورپ کے نقار خانے میں اُسکی آواز طوطی کی آواز سمجھی جاتی ہے۔ ایک انگلش شہزادی نے پندرہ سولہ برس قسطنطنیہ میں رہکر دوازدہ سالہ حکومت عبد الحمید ثانی کے نام سے جو کتاب لکھی ہے۔ اگرچہ اُسکے اعتبار کے لئے مصنفہ کی علمی لیاقت پندرہ سولہ برس کا تجربہ۔ دریافت حالات کے صحیح وسائل یہ تمام قرائن موجود تھے۔ لیکن چونکہ ترکوں کی عیب گوئی میں یورپ کی ہمزبان نہ تھی۔ اُسکو استناد اور اعتماد کا درجہ نہ حاصل ہو سکا ہم نے تعلیم یافتہ اشخاص کو اُسکی نسبت یہ کہتے سنا ہے کہ عجب نہیں یہ کتاب فرضی مصنفہ کے نام سے خود ترکوں نے لکھی ہو یا اُس انگلش شہزادی کو سلطانی انعامات نے ایسی کتاب لکھنے پر مجبور کیا ہو۔ لیکن یہ کتاب اگر ترکون کے معائب میں ہوتی تو اُن اشخاص کے نزدیک اُس کا ہر حرف قطعی و یقینی ہوتا۔ پروفیسر ویمبری نے اپنے محققانہ تجربے سے ترکون کی تہذیب و شایستگی پر جو مضامین لکھے وہ بھی اسی وجہ سے بے اثر رہے کہ پروفیسر مذکور نے ترکون کی موجودہ علمی ترقی کا اعتراف کیا تھا۔

ترکون کی نسبت اگرچہ یورپ کے عام لٹریچر کی یہ حالت ہے لیکن ہمکو موقع کے لحاظ سے ترکی کے سفرنامون کا خاص طور پر ذکر کرنا چاہیئے۔ کیونکہ یورپ کی تاریخی تصنیفات کا سرمایہ بھی بہت کچھ انہیں سفرنامون سے لیا گیا ہے۔ سفرنامہ اگرچہ تاریخی سلسلہ کا ایک دلچسپ حصہ ہے لیکن جس قدر دلچسپ ہے

اُسی قدر غلطیوں کے احتمالات سے مملو ہے۔

ایک بڑی غلطی جو عموماً سفرنامہ لکھنے والوں کو واقع ہوتی ہی جزئیات سے کلیات کا قائم کرنا ہے سفر مین انسان کو جن اشخاص سے سابقہ پڑتا ہی وہ اُنکے اخلاق عادات خیالات سے تمام قوم کی نسبت عام رائے قائم کرلیتا ہی۔ حالانکہ ممکن ہی کہ وہ امور انہیں چند اشخاص کے ساتھ مخصوص ہون۔ اسی طرح ہر واقعہ سے وہ ایک عام نتیجہ نکالنا چاہتا ہی۔ اور واقعہ کے خاص اسباب کی جستجو میں نہ وہ اپنا وقت صرف کرنا چاہتا ہے نہ اُسکو اس قدر فرصت ملتی ہی۔

غلطی کا ایک بڑا سبب یہ ہی کہ جو شخص کسی ملک کا سفر کرتا ہے اُسکی نسبت پہلے سے اُسکے خیالات دوستانہ یا مخالفانہ ہوتے ہیں۔ وہان پہنچکر اول اول جو کچھ وہ دیکھتا اور سنتا ہی وہ محض سرسری ہوتا ہی۔ اور چونکہ ایسی اجمالی واقفیت۔ استنباط نتائج کے لئے کافی نہیں ہوتی۔ اور وہ نتیجہ کے قائم کرنے میں دیر تک انتظار نہیں کرسکتا۔ اسلئے وہ ہر واقعہ کے ساتھ قیاسات کو دخل دیتا جاتا ہے ان قیاسات کے وقت وہ حسن ظن یا سوء ظن جو پہلے سے اُسکے دل میں موجود تھا چپکے چپکے اپنا کام کرتا ہی اور اُسکو خبر تک نہیں ہوتی۔ اس قسم کی غلطی کا احتمال اگرچہ دنیا کی تمام قومون سے تعلق ہے لیکن یورپ والون کو اسمین خاص ترجیح حاصل ہی جسکی وجہ یہ ہی کہ استنباط نتائج میں یورپ والون کو جو بے صبری ہی اور کسی قوم کو نہیں ہی۔ اسی کا اثر ہے کہ یورپ کا ایک عام سیاح یا پولیٹیشن اتفاق سے ہندوستان میں آنکلتا ہی تو صرف ہفتہ دو ہفتہ کے تجربے کی بناپر یورپ کے اخباروں اور میگزینوں میں اس دعوے کے ساتھ بڑے بڑے آرٹکل شائع کرتا ہی کہ گویا ہندوستان کی معاشرت و تمدن کے تمام راز اُسپر کھل گئے ہیں۔

ایک اور بڑا سبب یہ ہی کہ سیاح کو چونکہ حالات کے دریافت کا نہایت شوق ہوتا ہی اس لئے وہ ہر شخص سے جو اُسکو ملجاتا ہی کچھ نہ کچھ معلومات کا سرمایہ حاصل کرنا چاہتا ہی۔ اس تعمیم میں وہ ان تحقیقات کی کہ وہ شخص ثقہ ہے یا غیر ثقہ۔ روشن ضمیر ہے یا متعصب دقیق النظر ہی یا ظاہر بین۔ کچھ پرواہ نہیں کرتا اور کرنا بھی چاہے تو کامیابی نہیں ہوسکتی۔ یورپ والے اس باب میں اور بھی بے احتیاط ہیں اکثر یورپین سیّاح جو قسطنطنیہ کا سفر کرتے ہیں معمولاً پیرا و غلطہ کے ہوٹلوں میں اُنکو ٹھہرنے کا اتفاق ہوتا ہی وہ جہاں کہیں جانا چاہتے ہیں۔ ایک گائڈ (رہنما) انکے ساتھ ہوتا ہی جو نہ صرف انکو عمارات اور مقامات

کی سیر کراتا ہے بلکہ اُنکے تمام سوالات کا جو موقع بموقع وہ پوچھتے جاتے ہیں جواب دیتا جاتا ہی یہ گائڈ عموماً عیسائی ہوتے ہیں - اور روپیہ دو روپیہ روزانہ اُنکی اُجرت ہوتی ہی - ان گائڈوں کی معلومات جس قسم کی ہوسکتی ہے ہر شخص خود اسکا اندازہ کرسکتا ہے -

فاطمہ خانم[1] نے اپنی کتاب کے دیباچہ میں لکھا ہی کہ یورپ کی معزز خاتونیں جن سے مجکو ملنے کا اتفاق ہوا جب ترکی خاتونوں کے متعلق واقعات کے طور پر کچھ بیان کرتی تھیں تو مجکو گمان ہوتا تھا کہ یہ کسی اور قوم کا تذکرہ ہی یا ناول کے قصے ہیں،، فاطمہ خانم نے اسپر رائے دی ہی کہ وہاں بیچاروں کا کچھ قصور نہیں - گائڈ جو کچھ سیاحوں سے کہدیتے ہیں اُنکو یقین کرنا پڑتا ہی،، ہمارے دوست جو جامع ازہر کی سیر سے محروم رہ گئے تھے اُنکو بھی گائڈ ہی نے دھوکا دیا تھا -

غرض یورپ کی تحریروں اور سفرناموں سے میرے سفرنامہ کا مختلف ہونا لازمی بات تھی اگرچہ اس اختلاف کے اسباب کے بیان کرنیمیں اس قدر اطناب - کہ بجائے خود ایک مستقل مضمون بنجائے موزوں نہ تھا - ترکی کے سفر سے جو اثر میرے دل پر ہوا اُسکا یہاں ظاہر کرنا چنداں ضرور نہیں - اس سفرنامہ کے پڑھنے سے خود اسکا پتہ لگ سکتا ہی - البتہ اس قدر کہنا ضرور ہی کہ سلطنت کی حیثیت سے اگر قطع نظر کیجائے تو مسلمانوں کی حالت وہاں بھی کچھ زیادہ مسرت اور اطمینان کے قابل نہیں ہی بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ بہت سی باتوں میں ہندوستان کے مسلمانوں کے قریب قریب ہی - صنعت سے اُنکو کچھ واسطہ نہیں تجارت میں انکا بہت کم حصہ ہی معمولی دکاندار تک یہودی یا عیسائی ہیں - پرانی تعلیم نہایت ابتر ہی اور ہوتی جاتی ہے نئی تعلیم کے متعلق جو شکایت یہاں ہی وہاں بھی ہی پرانی تہذیب اور نئی تہذیب میں ابھی تک منافات ہی اور دونوں سے ملکر کوئی مرکب مزاج پیدا نہیں ہوا ہی پرانے خیال والے ابھی تک زمانہ کی رفتار سے بیخبر ہیں نئے مذاق کے لوگ جسقدر کہتے ہیں کرتے نہیں ہمت - غیرت - جوش - عزم - استقلال کی بجائے کل قوم پر (من حیث الاغلب) افسردگی سی چھائی ہوئی ہی جو شخص جس حال میں ہے اُسی پر قانع ہی - موجودہ حالت تو یہ ہی لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا

---

[1] یہ ایک نہایت معزز اور تعلیم یافتہ خاتون ہیں - عربی و فارسی و ترکی کے علاوہ (جو اسکی مادری زبان ہی) فرنچ زبان بہت عمدہ جانتی ہے یورپ کو ترکی خاتون کی نسبت جس قسم کی غلط معلومات حاصل ہیں اُنکی اصلاح کیلئے اُسنے ناول کے طور پر ایک کتاب لکھی ہی جسکا نام نساء المسلمین ہی یہ کتاب عربی میں ترجمہ ہوگئی ہی - اور امریکہ کی نمائش میں پیش ہوکر وہاں کے اہتمام سے انگریزی میں بھی اسکا ترجمہ ہوگیا ہی - اردو میں بھی اسکا ترجمہ ہوگیا - اور محمڈن پریس علی گڈہ میں چھپا ہے - تمت بالخیر

سفر کا ارادہ اور آغاز

جس زمانہ میں مجکو ہیروز آف اسلام کا خیال پیدا ہوا اُسی وقت یہ خیال بھی آیا کہ ہمارے ملک میں جسقدر تاریخی سرمایہ موجود ہی وہ اِس مقصد کے لئے کسی طرح کافی نہیں ہو سکتا یہی خیال تھا جس نے اول اول اِس سفر کی تحریک دل میں پیدا کی کیونکہ یہ یقین تھا کہ مصر و روم میں اسلامی تصنیفات کا جو بقیہ رہ گیا ہی اُنسے ایک ایسا سلسلۂ تالیف ضرور تیار ہو سکتا ہی۔

اگرچہ یہ عزم مستقل ہو چکا تھا لیکن چند در چند اسباب سے دیر ہوتی گئی۔ یہانتک کہ بظاہر اسباب ناامیدی سی پیدا ہو گئی۔ اور وہ عزم ایک ضعیف سا خیال رہ گیا۔ گذشتہ سال عجیب اتفاقی طور پر اِس ارادہ کو تحریک اور تحریک کیساتھ تکمیل ہوئی یعنی پچھلے سال میں اکثر بیمار رہا یہانتک کہ علاج سے تنگ آکر تبدیل آب ہوا کا ارادہ کیا۔ چنانچہ مکان وغیرہ کے بندوبست کیلئے الموڑہ اور کشمیر کے دوستوں کو خط لکھے۔ اسی اثنا میں معلوم ہوا کہ مسٹر آرنلڈ۔ جو مدرسۃ العلوم کے پروفیسر فلاسفی اور میرے اوستاد ہیں (میں نے اُنسے فرنچ زبان سیکھی ہی) آج ہی کل ولایت جانیوالے ہیں۔ دفعۃً خیال آیا کہ مصر و روم کا سفر آب و ہوا کی تبدیل۔ مسٹر آرنلڈ کا ساتھ۔ اتفاق سے یہ سامان جمع ہو گئے ہیں۔ اِس موقع کو ہرگز ہاتھ سے نہیں دینا چاہیئے چنانچہ اُسی وقت صاحب موصوف کے پاس گیا کہ میں بھی آپکے ساتھ چلتا ہوں انھوں نے نہایت خوشی ظاہر کی اور فرمایا کہ جہانتک ممکن ہی سفر کے ضروری کاموں میں تمکو کافی مدد دونگا۔

اُسوقت جہاز کی روانگی میں صرف تین چار روز باقی تھے۔ احباب و اعزہ نے سنا تو سخت متعجب ہوئے اور اکثروں نے سمجھایا کہ اِس جلدی اور بے سرو سامانی کے ساتھ اتنا بڑا لمبا سفر کونسی دانشمندی کی بات ہی۔ میں نے کہا ؏ ہرچہ بادا باد من کشتی درآب انداختم۔

کالج میں گرمیوں کی تعطیل معمولاً تین مہینے کی ہوا کرتی ہی۔ مدت ملازمت کے لحاظ سے مجکو تین مہینے کی پر یولیج رخصت کا حق تھا اِس طرح دونوں کو ملا کر چھ مہینے کی رخصت ملگئی۔ اور ۱۲ اپریل ۱۸۹۲ء کو میں علی گڈہ سے چل کھڑا ہوا۔ مسٹر آرنلڈ۔ اپنے ایک دوست سے ملنے کیلئے ایک دو دن پہلے جھانسی روانہ ہو گئے تھے۔ جھانسی کے اسٹیشن سے انکا ساتھ ہوا اور تمام راہ بڑی لطف و مسرت سے کٹی۔ مسٹر آرنلڈ نے حاجی رحمت اللہ ابن داؤد کو جو بمبئی کے ایک معزز اور روشن ضمیر تاجر ہیں خط

ذریعہ سے اپنے آنیکی اطلاع دیدی تھی جسمیں میری معیت کا بھی ذکر تھا۔ چونکہ اتفاقاً ہمارے پہلے انتظام میں کسی قدر تبدیلی ہوگئی۔ ہم لوگ تاریخ معینہ کے دو دن بعد بمبئی پہونچے۔ مسٹر آرنلڈ میرا اور اپنا اسباب لیکر وسٹن ہوٹل کو گئے۔ میں بازار میں پھر رہا تھا کہ ایک لڑکے سے ملاقات ہوئی۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ تم حاجی رحمت اللہ کو جانتے ہو۔ بولا کہ آپ مولوی شبلی تو نہیں ہیں میں اُسکے اس تفرس پر جو کشف سے کم نہ تھا حیرت زدہ ہوگیا۔ اُس نے کہا کہ ہم دو دن سے آپکے لئے حیران ہوتے ہیں چلئے حاجی صاحب آپکا انتظار کر رہے ہیں۔ حاجی صاحب نے مسٹر آرنلڈ کو بھی ہوٹل سے بلالیا اور ہم دونوں اُنکے باغ میں ٹھیرے +

جس روز ہم بمبئی پہونچے اوسکے دوسرے دن ہمارا جہاز روانہ ہونے کو تھا۔ اسلئے ہم نے اپنا تمام وقت سفر کے ضروری کاموں میں صرف کیا اور بمبئی میں جو اسلامی مدرسے اور انجمنیں ہیں اُنکی سیر نکر سکے کک کمپنی کی معرفت جہاز کا ٹکٹ لیا جس جہاز پر ہم جانیوالے تھے اُسکا کرایہ بمبئی سے پورٹ سعید تک سکنڈ کلاس کا ۲۱ تھا۔ میں نے یہ سخت غلطی کی کہ ریٹرن ٹکٹ نہیں لیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ واپسی کیوقت پورٹ سعید سے بمبئی تک ۱۸ پونڈ یعنی ساڑھے ۲۷۰ دینے پڑے۔ پہلی مئی کو صبح ۹ بجے ہم جہاز پر سوار ہوئے۔ قریباً بارہ بجے جہاز نے لنگر اوٹھایا اور ہم نے بسم اللہ مجریہا و مرسیہا پڑھکر ہندوستان کو خدا حافظ کہا۔ سیکنڈ کلاس میں صرف پانچ مسافر تھے اور یہ عجیب اتفاق کہ سب کے سب مختلف قوم اور مختلف نسل سے تھے۔ یعنی ایک مسلمان۔ ایک انگریز۔ ایک پارسی۔ ایک اسپینیر ایک سیامی۔

جہاز کی حرکت اول اول تو چنداں ناگوار نہیں معلوم ہوئی۔ لیکن شام کے قریب طبیعت متغیر ہونی شروع ہوئی رات کا کھانا کھاکر سو رہے۔ صبح کو آنکھ کھلی تو عجیب کیفیت تھی۔ دوراں سر اور متلی کی ایسی سخت تکلیف تھی جو کسی طرح بیان میں نہیں آسکتی۔ دو دن تک غشی کی سی حالت رہی۔ جہاز کا ملازم کبھی کبھی چار بسکٹ۔ نارنگیاں لاتا تھا کہ کچھ کھالو۔ لیکن ان چیزوں کے دیکھنے سے ابکائی آتی تھی مسٹر ارنلڈ چائے پی لیا کرتے تھے۔ اگرچہ ہضم نہیں ہوتی تھی۔ لیکن قے کرنے سے طبیعت ہلکی ہوجاتی تھی۔ ان کے اصرار سے میں نے بھی دو ایک بار چائے پیکر قے کی اور فائدہ محسوس ہوا۔ تیسرے دن ہم سب اُٹھہ بیٹھے ہم سنا کرتے تھے کہ سمندر کی ہوا تندرستی کے لئے نہایت مفید ہے۔ درحقیقت جہاز کا سفر سو علاجوں کا ایک علاج ہے۔ میں جہاز پر سوار ہونے کے وقت تک ضعیف اور مضمحل تھا۔ لیکن روز بروز چاق و

دلچسپ ہوتا گیا۔ طبیعت کو ہر وقت نشاط رہتا تھا۔ اور بھوک خوب لگتی تھی ہم لوگونکو پانچ دفعہ کھانا ملتا تھا۔ یعنی صبح کو آٹھہ بجے چائے۔ دودھ۔ بسکٹ۔ گیارہ بجے معمولی کھانا۔ جس میں متعدد قسم کے سالن ہوتے تھے۔ ایک بجے ٹفن۔ پانچ بجے ڈنر۔ جس میں معمولی گوشت کے علاوہ۔ مرغ۔ بط۔ کبوتر۔ ہر قسم کی پڈنگ۔ تر اور خشک میوے ہوتے تھے۔ کبھی کبھی برف کی قفلیاں بھی ہوتی تھیں رات کو ۹ بجے چائے اور مکھن۔ ہر وقت کا کھانا پیٹ بھر کر کھاتے تھے اور سب ہضم ہو جاتا تھا۔

میں تمام دن دریا کے سیر و تماشے میں مشغول رہتا تھا۔ مسٹر آرنلڈ نے عربی پڑھنی شروع کر دی تھی ہمارے ساتھ جو اسپین کا عیسائی تھا۔ مسٹر آرنلڈ کے عربی پڑھنے سے بہت جلتا تھا۔ اکثر انکے پاس آتا اور تحقیر کے عربی حرفوں کو نہایت برے لہجہ سے ادا کرتا اور کہتا کہ یہ زبان اونٹوں کی زبان ہے اگرچہ مجکو اُسکی ان حرکتوں سے رنج ہوتا تھا لیکن جو قوم ایک مدت تک ذلت کیساتھہ عرب کے زیر دست رہ چکی تھی عرب اور عربی زبان کے ساتھہ اُسکا یہ سلوک بیجا نہ تھا۔

پرند جانور ذبح کیے جاتے تھے

چونکہ عام طور پر یہ مشہور ہے کہ جہاز پر پرند جانور ذبح نہیں کیے جاتے اور مولوی سمیع اللہ خانصاحب نے اپنے سفرنامہ میں تجربہ سے اسکی تصدیق بھی کی ہے۔ میں نے دو تین روز تک پرند کے گوشت کھانے سے پرہیز کیا۔ مسٹر آرنلڈ نے مجھسے اسکا سبب دریافت کیا۔ میں نے کہا کہ ہمارے مذہب میں منخنقہ حرام ہے۔ بولے کہ اس جہاز پر پرند جانور ذبح کیے جاتے ہیں۔ گردن مروڑ کر مارے نہیں جاتے۔ چونکہ شرعاً انکی تنہا شہادت کافی نہ تھی میں خود گیا اور اسکی تصدیق کی ذبح کرنے والا عیسائی تھا۔ وہ ذبح کرنے کے وقت کچھ پڑھتا نہ تھا۔ صرف اگردن پر چھری پھیر دیتا تھا۔ اگرچہ حنفیوں کے ہاں یہ ذبیحہ حلال نہیں لیکن اس مسئلہ میں چند دنوں کیلئے میں شافعی بن گیا تھا جنکے ہاں ہر طرح کا ذبیحہ جائز ہے۔

جہاز پر مسٹر آرنلڈ وہ آرنلڈ نہیں رہے تھے جو علی گڈہ میں تھے۔ نہ وہ متانت تھی نہ وہ کم آمیزی اکثر ہنسی مذاق کیا کرتے۔ بچوں سے کھیلتے اور جہاز کی چھت پر اچھلتے کودتے چلتے۔ میں نے حالات سفر کے متعلق ایک قصیدہ لکھنا شروع کر دیا تھا اور درحقیقت سمندر کی فضا کچھ ایسی دلچسپ اور نشاط انگیز ہے کہ موزوں طبع آدمی جہاز کے سفر میں خواہ مخواہ گنگنا اُٹھتا ہے۔

۷۔ مئی ۱۸۹۲ء کو جہاز عدن پہنچا اور کنارے سے کسی قدر فاصلہ پر لنگر انداز ہوا عدن میں بڑی دلچسپی یہ ہے کہ سمالی قوم کے بہت سے لڑکے ڈونگیوں پر سوار جہاز کے قریب آتے ہیں اور جہاز والوں

سے انعام لینے کے لئے عجیب عجیب مبتذل حرکتیں کرتے ہیں۔ کچھ ناچتے ہیں گاتے ہیں کچھ السیمین ملکر چند بے معنی الفاظ کہتے ہیں اور بغلیں بجاتے ہیں بڑا کمال یہ ہی کہ لوگ دوانی چوانی پیسے جو کچھ اُن کو انعام دینا چاہتے ہیں سمندر میں پھینکدیتے ہیں۔ اور وہ غوطے مارکر نکال لاتے ہیں اکثر انگریز اس تماشے میں مشغول تھے اور آرنلڈ کو بھی اس میں مزہ آتا تھا۔ لیکن میری کچھ اور حالت تھی۔ چونکہ غلطی سے میرا یہ خیال تھا کہ یہان عموماً عرب آباد ہیں اس لئے یہ طبعی بات تھی کہ میں اُنکو عزت اور محبت کی نگاہ سے دیکھتا لیکن وہ انعام لینے کے لئے ایسی مبتذل۔ ناموزون اور حقیر حرکات کرتے تھے کہ کسی طرح طبیعت کو گوارا نہیں ہوسکتا تھا۔ عبرت ہوتی تھی کہ عرب کی یہ حالت ہی کہ غیرونکے سامنے اس قسم کی حرکات سے اُنکو شرم نہیں آتی۔ ان خیالات سے بے اختیار میرا دل بھر آتا تھا یہانتک کہ آنکھون سے آنسو جاری ہوگئے اور بے اختیار زبان سے نکلا کہ قدریا عمر آرنلڈ پاس تھے۔ میری تغیر حالت پر اُنکو خیال ہوا۔ میں نے دلکی کیفیت اور اسکا سبب بیان کیا۔ ایک بار آنکھ اُٹھاکر میری طرف دیکھا اور چپ ہو رہے شہر میں جاکر جب میں نے تحقیق کی اور تمام باتوں سے ثابت ہوگیا کہ سمالی قوم عرب نہیں ہی تو مجکو کسی قدر تسکین ہوئی۔ یہی غصہ اور رنج تھا جسکی وجہ سے میں نے قصیدۂ سفریہ میں اس کمبخت قوم کی سخت ہجو کی ہے اور درحقیقت وہ اسکے مستحق ہیں۔

سمالی قوم کے مبتذل حرکات

چونکہ وقت کم تھا اسلیئے میں شہر کے اندرونی حصے کو نہ دیکھ سکا۔ ہندوستان کو خط روانہ کئے ایک خط کے سرنامہ پر یہ اشعار لکھے جو اُسی وقت موزون ہوئے تھے ؎

چون کمر بستم بعزم این سفر از روی عزم — دشمن و ہم دوست را در پیچ و تاب انداختم
ہر کسی را بس شگفت آمد کہ حال چیست این — تا چرا خود را بدین سان در عذاب انداختم
ہر یکے پندم ہمی داد و ہمے گفتے کہ من — زین سخن از عارض معنی نقاب انداختم
چون بجاجت را ز حد بردند گفتم بس کنید — ہر چہ با داباد من کشتی در آب انداختم

عدن کی زبان

عدن کی زبان عموماً عربی ہی۔ اور پارسی۔ ہندو۔ بنگالی۔ جو تجارت یا نوکری کے ذریعہ سے یہاں رہتے ہیں بے تکلف عربی بولتے ہیں۔ چونکہ میں نے کبھی کسی ہندو کی زبان سے اس مقدس زبان کے الفاظ نہیں سُنے تھے۔ بنیون اور بقالون کو این تروح ما تبغی بولتے دیکھکر عجب مزہ آتا تھا یہاں کی زبان گو عربی ہی لیکن نہایت بیہودہ اور غیر فصیح ہی۔ اگرچہ آجکل تمام اُن ملکون مین

جہاں عربی بولی جاتی ہے قدیم عربی نہیں۔ لیکن عدن کی زبان سب سے نرالی ہے دو چار معمولی الفاظ کے
سوا میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔ غالباً یہاں کی زبان ایک مدت سے اجنبیوں کے اختلاط سے خراب
ہوتے ہوتے اس حالت کو پہونچی ہے علامہ مقدسی جو عرب کا ایک نامور سیاح گزرا ہے۔ اور جس نے
چوتھی صدی کے آغاز میں دنیا کا سفر کیا تھا اپنے جغرافیہ میں لکھتا ہے کہ ”عدن میں جو قومیں بستی ہیں
اُن میں زیادہ اہل فارس ہیں“ علامہ موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہاں عموماً جیم کے بجائے
کاف بولتے ہیں۔ اور حلبیہ کے بجائے رحلبینہ۔ وعلی ہذا۔ جب علامہ موصوف کے عہد میں یہ حال
تھا تو مرہٹوں اور گجراتیوں کے اختلاط کے بعد یہاں کی زبان کی نسبت کیا شکایت ہو سکتی ہے۔

عجیب و غریب بندر

عدن میں ایک جرمنی ہمارے جہاز پر سوار ہوا جو جرمن کے مشہور عجائب خانہ کا ملازم ہے اور
مدت تک ان اطراف میں رہکر یورپ کو واپس جا رہا ہے۔ سیاحی و تجارت کی بدولت وہ متعدد
زبانوں میں بے تکلف بات چیت کر سکتا ہے۔ جب وہ جہاز کے افسروں سے اٹالین میں آرنلڈ
سے انگریزی میں۔ مجھ سے عربی میں گفتگو کرتا تھا تو مجکو سخت تعجب اور رشک ہوتا تھا کھانے کی
میز پر جب ہم سب جمع ہوتے تھے تو یہی ایک شخص تھا جو سب کا ترجمان بنتا تھا۔ اُسنے عرب
افریقہ کے جنگلوں سے بہت سے عجیب و غریب جانور بہم پہونچائے ہیں ایک بڑی پنجری میں افریقہ
کے بندر تھے۔ جن کی ہیئت معمولی بندروں سے کچھ الگ تھی ان میں زیادہ تر تعجب انگیز بات
یہ تھی کہ جب وہ کسی کو اپنی طرف آتا دیکھکر غل مچاتے تھے تو انکی آواز سے بعض حروف مفہوم ہوتے
تھے۔ میں نے اولاً خیال کیا کہ ہم لوگ جسطرح مثلاً بلی کی آواز کو میاؤں سے تعبیر کرتے ہیں یہ بھی اسی
قسم کے فرضی الفاظ ہیں۔ لیکن چند بار میں نے غور سے سُنا تو صاف صاف ال اہ ربا کی آواز محسوس
ہوتی تھی۔ یہانتک کہ اگر کوئی شخص پردے سے سنتا تو ہرگز خیال نہ کر سکتا کہ بندر کی آواز ہے میں نے
مسٹر آرنلڈ سے اس کا ذکر کیا تو اُنھوں نے بھی تصدیق کی غالباً اسی قسم کی مثالوں سے یورپ میں
بعض لوگوں کو خیال پیدا ہوا ہے کہ بندر بھی بول سکتے ہیں۔ چنانچہ مشہور ہے کہ ایک صاحب نے مدت کی
تجربے اور تحقیق کے بعد اس زبان کے چند حروف دریافت کئے ہیں۔

ایک ناگوار واقعہ

عدن سے چونکہ دلچسپی کے نئے سامان پیدا ہو گئے تھے اس لئے ہم بڑے لطف سے سفر کر رہے
تھے۔ لیکن دوسرے ہی دن ایک پرخطر واقعہ پیش آیا۔ جس نے تھوڑی دیر تک مجکو سخت

پریشان رکھا۔ ۱۰ مئی کی صبح کو میں سوتے سے اٹھا تو ایک ہم سفر نے کہا کہ جہاز کا انجن ٹوٹ گیا
میں نے دیکھا تو واقعی کپتان اور جہاز کے ملازم گھبرائے پھرتے تھے اور اسکی درستی کی تدبیرین کر رہے
تھے انجن بالکل بیکار ہو گیا تھا۔ اور جہاز نہایت آہستہ آہستہ ہوا کے سہارے چل رہا تھا میں سخت گھبرایا
اور نہایت ناگوار خیالات دل میں آنے لگے اس اضطراب میں اور کیا کر سکتا تھا دوڑا ہوا مسٹر آرنلڈ
کے پاس گیا۔ وہ اسوقت نہایت اطمینان کیساتھ کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے میں نے ان سے
کہا کہ آپ کو کچھ خبر بھی ہی۔ بولے ہاں انجن ٹوٹ گیا ہے۔ میں نے کہا کہ آپ کو کچھ اضطراب نہیں؟
بھلا یہ کتاب دیکھنے کا کیا موقع ہی؟ فرمایا کہ جہاز کو اگر برباد ہی ہونا ہی تو یہ تھوڑا سا وقت اور بھی قدر
کے قابل ہی اور ایسے قابل قدر وقت کو رائگان کرنا بالکل بے عقلی ہی انکے استقلال اور جرارت سے
مجکو بھی اطمینان ہوا۔ آٹھ گھنٹے کے بعد انجن درست ہوا اور بدستور چلنے لگا۔

مسٹر آرنلڈ کا استقلال

۱۲ مئی کو جہاز سوئز پہونچا اور تین چار گھنٹے کے لئے ٹھہرا۔ مصری عرب۔ پنیر۔ کھجور۔ روٹیاں
بیچنے کے لئے لائے ان میں سے ایک نے مجکو ہندوستانی خیال کرکے اردو میں باتین کرنی شروع
کین مجکو تعجب ہوا اور جب دریافت سے معلوم ہوا کہ اسنے کبھی ہندوستان کی صورت نہیں دیکھی تو اردو
کی عالمگیری پر مجکو اور بھی تعجب ہوا۔ ۱۴ مئی کو ہم پورٹ سعید پہونچے اور نہایت افسوس کیساتھ مجکو
مسٹر آرنلڈ سے جدا ہونا پڑا۔ بمبئی سے میں نے برنڈزی تک کا ٹکٹ لیا تھا۔ پورٹ سعید پہونچکر یہ
خیال ہوا کہ برنڈزی تک تو آرنلڈ کا ساتھ ہی لیکن وہان سے قسطنطنیہ تک ایک ہفتہ کا سفر ہے
اتنی مدت تک محض اجنبیوں سے سابقہ اور زبان اور ملک کی اجنبیت کی وجہ سے ہر کام میں دقت
ہوگی اس خیال کی بنا پر مین نے پہلی اسکیم بالکل بدل دی اور ارادہ کر لیا کہ شام کے راستے سے قسطنطنیہ
جاؤن گا۔

جہاز نے جس وقت لنگر کیا۔ کک کمپنی کا ایک ملازم اپنے مسافرون کی خبر گیری کے لئے جہاز پر آیا
جہاز کنارے سے ذرا فاصلہ پر کھڑا ہوتا ہی۔ اس لئے مسافروں کے اتارنے کے لئے کک کمپنی کی طرف سے
ایک چھوٹی سی کشتی ہمیشہ تیار رہتی ہے۔ ان بندرگاہوں میں جہاز سے اترنے کے وقت ناتجربہ کار
آدمی کو سخت مصیبت پیش آتی ہی۔ جہاز کے لنگر کرنے کے ساتھ قلی اور ملاح ہر طرف سے ٹوٹ پڑتے
ہیں اور مسافرون کو سخت پریشان کرتے ہیں۔ انکے ہجوم۔ شور و غل اور اسباب کی چھینا جھپٹی میں مسافر

بالکل بدحواس ہوجاتا ہی۔ بہزار دقت کنارے پر پہونچا تو گھنٹوں کرایہ کی بحث اور تکرار رہتی ہی ان بلاؤں سے محفوظ رہنے کا عمدہ طریقہ یہ ہی کہ کُک کمپنی کے ملازموں کے سوا۔ اور کسی سے کچہ واسطہ نہ رکھے۔

ہم کنارے پر پہونچے تو شیویل نے جو پہلے سے ہمارے انتظار میں کھڑا تھا بڑھکر ہم سے شیک ہنڈ کی یہ شخص قوم کا یہودی ہی اور کُک کمپنی کی طرف سے مسافروں کی خبر گیری اور ہر قسم کی مدد دینے کے لئے متعین ہی۔ وہ متعدد زبانیں جانتا ہی اور بالخصوص عربی۔ انگریزی۔ فرنچ نہایت بے تکلفی سے بول سکتا ہی۔ لطف یہ ہی کہ اردو میں بھی نہایت آسانی سے بات چیت کر سکتا ہی جس کی وجہ یہ ہی کہ ایک مدت تک ہندوستان میں رہ چکا ہی۔ ہم اُسکے ساتھ اُسکے دفتر میں گئے۔ دفتر کا مکان لب دریا ہی اور میز کرسی سے اچھی طرح آراستہ ہی۔ میز پر ہمیشہ بہت سے اخبارات موجود رہتے ہیں جن میں زیادہ تر جہازوں کے متعلق خبریں اور اشتہارات ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے ہم نے اُس ہی ٹکٹ بدلوانے کی بابت گفتگو کی یعنی یہ کہ اگر ہم یہان اُتر جائیں اور قسطنطنیہ کا نیا ٹکٹ لیں تو جو زاید کرایہ ہم برنڈزی تک کا دے چکے ہیں وہ مجرا مل سکتا ہی یا نہیں؟ چونکہ وہ خود اسکا جواب نہیں دے سکتا تھا کمپنی کے بڑے دفتر میں گیا اور وہان سے واپس آکر کہا کہ تم اُسی ٹکٹ سے قسطنطنیہ تک جا سکتے ہو۔ صرف دو پونڈ یعنی ۳۲ روپیے اور دینے ہونگے۔ میں بہت خوش ہوا اور اس کارگذاری کے صلے میں آٹھ روپیے اُسکے نذر کئے۔ یہ بھی حُسن اتفاق تھا کہ قسطنطنیہ جانے والا جہاز اُسوقت تیار تھا ورنہ پندرہ دن تک پورٹ سعید میں ٹھہرنا پڑتا۔

پورٹ سعید ایک چھوٹا سا خوبصورت بندرگاہ ہی۔ آبادی کے دو حصّے ہیں۔ جو حصّہ دریا سے متصل ہے اُس میں عموماً یورپین سوداگر رہتے ہیں۔ اور بہت بڑے بڑے ہوٹل۔ قہوہ خانے اور تھیئٹر وغیرہ ہیں ایک قہوہ خانہ عین دریا کے کنارے پر ہے اور بہت ہی پر فضا ہے۔ نہایت ترتیب کے ساتھ سنگ مرمر کے تختے کی چھوٹی چھوٹی میزیں اور اُنکے گرد کرسیان لگی ہوئی ہیں۔ قہوہ۔ چاے توس۔ مکھن ہر وقت تیار رہتا ہی۔ اس حصّے میں کثرت سے دکانیں ہیں اور نہایت شاندار اور آراستہ ہیں دوسرے حصہ میں زیادہ تر یہان کے اصلی باشندے سکونت رکھتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ تمام چیزیں نہایت پست حالت میں ہیں۔ ہوٹل کے بجائے باورچیوں کی کثیف دکانیں ہیں۔

اول اول جب میں اس شہر کی سیر کو نکلا تو ہر چیز کو بڑے شوق اور استغراب کی نگاہ سے دیکھتا تھا

کیونکہ یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے سلطنت اسلام کی آبادی دیکھی (حرمین شریفین کی زیارت سے گو اس سے پہلے مشرف ہوچکا تھا لیکن وہ خدا کا ملک ہی اور میں دنیوی سلطنت اور حکومت کا ذکر کر رہا ہوں) جب کوئی بلند اور شاندار عمارت دیکھتا تو اس خیال سے خوش ہوتا کہ الحمدللہ ان ملکوں میں مسلمان خوشحال اور دولتمند ہیں لیکن دریافت کرنیکے بعد معلوم ہوتا کہ کسی یورپین سوداگر کا مکان ہی ساری شہر میں ایک بھی عمدہ دکان یا بلند عمارت کسی مسلمان کی نہ تھی۔ افسوس ع بہر زمین کہ رسیدیم آسمان پیداست۔ البتہ یورپین آبادی کے خاتمے پر ایک شاہی مسجد ہی اور وہ بہت پر رفعت اور شاندار ہی

تھوڑی دیر بازار میں پھر پھراکر قسطنطنیہ جانے والے جہاز پر سوار ہوا۔ شیمویل اور مسٹر آرنلڈ ساتھ تھے۔ چونکہ یہ بیت المقدس کے حج کا زمانہ تھا۔ اسلئے فرسٹ اور سکنڈ دونوں درجے عیسائی حاجیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ مسٹر آرنلڈ نے کہا مجکو ڈر ہے کہ تمکو تکلیف نہ پہونچے یہ لوگ مذہب کے سخت پابند ہیں اور اس لئے ضرور ہی کہ ان میں تعصب ہو۔ تم غیر مذہب ہو غیر قوم ہو تمہاری معیت انکو کیونکر گوارا ہوگی۔ لیکن مجکو تجربے کے بعد معلوم ہوا کہ مسٹر آرنلڈ کا خیال صحیح نہ تھا وہ لوگ پابند مذہب تھے لیکن فرنچ اور اٹالین تھے انگریز نہ تھے اس لئے کم آمیزی اور فاتح ومفتوح کا امتیاز جو فاتح قوم کی مخصوص صفتیں ہیں انمیں بالکل نہ تھیں۔ مسٹر آرنلڈ تھوڑی دیر کے بعد رخصت ہوئے۔ میں نے انکو خدا حافظ کہا۔ اور ساتھ ہی یہ فکر پیدا ہوئی کہ دیکھئے تنہائی میں اب کیونکر گزرتی ہی

۱۵ مئی کو جہاز یافہ پہونچا ہمارے اکثر یورپین ہمسفر یہاں اُتر گئے۔ بیت المقدس یہاں سے صرف رات بھر کا راستہ ہی۔ چونکہ وقت کم تھا اس لئے میں یہاں اُتر نہ سکا۔

۱۶ مئی کو بیروت پہونچے۔ یہاں جہاز عموماً دوپہر سے کم نہیں ٹھہرتا۔ چونکہ یہ ایک تاریخی مقام اور نہایت قدیم شہر ہے اسلئے میں اُسکے دیکھنے کا بہت شائق تھا کنارے پر پہونچکر بڑی دقت پیش آئی کہ وہاں تذکرہ یعنی پروانہ راہداری کے بغیر کسی کو اترنے نہیں دیتے تھے۔ میں ہندوستان سے اس عجلت میں چلا تھا کہ پاسپورٹ لینے کا موقع نہیں ملسکا تھا۔ پہلے تو میں بہت گھبرایا کہ افسوس یہ سیر مفت میں رہی جاتی ہی۔ لیکن پھر خیال آیا۔ اور میں نے اُن لوگوں سے کہا کہ میں یہاں ٹھہرنا نہیں چاہتا۔ صرف سیر کرنی مقصود ہی ان لوگوں میں سے ایک نے خدا جانے کیونکر پہچانا کہ میں ہندوستان کا رہنے والا ہوں غریب الوطن سمجھکر مہربانی کی اور ایک آدمی ساتھ کردیا کہ یہ تمکو شہر کی سیر کرادیگا

چونکہ پہلے سے ارادہ تھا کہ قسطنطنیہ سے واپس آتے ہوئے یہان دو ایک روز قیام کرونگا۔ اس لئے اس دفعہ صرف سرسری طور پر بازار وغیرہ کی سیر کی۔ کتابون کی دکانین دیکھین۔ گذرگاہ عام پر ایک قہوہ خانہ تھا۔ تھوڑی دیر تک وہان ٹھہرا۔ اور راہ چلنتون کا تماشا دیکھتا رہا۔ جب کوئی شخص شان و شوکت کے ساتھ گاڑی یا گھوڑے پر سوار سامنے سے گزرتا تو مین اپنے رہنما سے پوچھتا کہ کون ہی اور اکثر وہ یہ جواب دیتا کہ "عیسائی" ✦

یہان سب سے زیادہ مجکو یہ بات پسند آئی کہ تمام دکاندار اور پیشے والے حتی کہ قلی اور مزدور بھی نہایت وضع اور پاکیزہ لباس تھے۔ تین چار گھنٹے ادہر اُدھر پھر کر واپس آیا۔ ایک اٹھنی رہنما صاحب کی نذر کی اور اُنسے رخصت ہوکر جہاز پر پہونچا ✦

پورٹ سعید سے سفر کی حالت میں جو تجدد ہوا وہ یہ تھا کہ بمبئی سے پورٹ سعید تک جہاز پر کوئی مسلمان نہ تھا۔ یہان پہنچکر دو ایک مسلمان نظر آئے۔ اور بیروت میں تو سارا جہاز شامی عربون سے بھر گیا۔ بدقسمتی سے فرسٹ اور سکنڈ کلاس کو تو یہ عزت نصیب نہیں ہوئی لیکن تیسرے درجے میں ہر طرف مسلمان ہی مسلمان تھے۔ میں شروع سفر سے مسلمانون کی صورت کو ترس گیا تھا یہ مجمع دیکھکر حد سے زیادہ خوشی ہوئی۔ فرسٹ کلاس کی چھت نہایت صاف اور پُرفضا جگہ تھی اور میں اکثر وہیں بیٹھکر دریا کی سیر کیا کرتا تھا لیکن جب یہ صحبت نصیب ہوئی تو میں نے بھولکر بھی اُدھر قدم نہیں رکھا۔

اول اول مجکو اُن لوگون سے میل جول پیدا کرنے میں سخت دقت پیش آئی۔ یہ لوگ چھت پر جا بجا پھیلے ہوئے تھے۔ اور دو دو چار چار آدمیون کی الگ الگ جماعتین تھین۔ میں بڑے شوق سے اُنکے پاس گیا لیکن وہ مطلقاً متوجہ نہ ہوئے جس شخص کے پاس کھڑا ہوا اُس نے ایک بار آنکھ اُٹھاکر میری طرف دیکھا اور گردن نیچی کر لی۔ مجکو اس بداخلاقی پر سخت تعجب ہوا۔ دل میں کہتا تھا کہ عربون کی مہمان نوازی کی یہ کچھ تعریفین سنی تھیں!! اُنکو تو بات چیت میں بھی مضائقہ ہی۔ ان میں مدرسہ حربیہ کے چند طلبا تھے جو رخصت لیکر وطن میں آئے تھے۔ اور اب قسطنطنیہ جا رہے تھے وہ کبھی دل بہلانیکے لئے عربی دیوان پڑھا کرتے تھے۔ میں نے خیال کیا کہ ہمفنی کے ذریعے سے تعارف پیدا کرون چنانچہ اُنکے پاس گیا اور دخل در معقولات کے طور پر اپنی مولویت اور علمیت جتانی شروع کی وہ اسپر بھی متوجہ نہوئے میں اپنا سا منہ لیکر چلا آیا۔ لیکن مجکو یقین تھا کہ اس واقعہ کا ضرور کوئی خاص سبب ہی اتفاقاً ایک موقع پر ایک

شخص نے میرا مذہب پوچھا میں نے کہا "اسلام" بولا لا واللہ اہذا طربوش المسلم یعنی ہرگز نہیں کہیں مسلمان بھی ایسی ٹوپی اوڑھتے ہیں" بدقسمتی سے میرے سر پر ایرانی ٹوپی تھی اور اس وجہ سے تمام عرب مجکو مجوسی سمجھتے تھے۔ یہ معما جب حل ہوا تو میں نے اُن لوگوں کے دل سے اس بدگمانی کو رفع کردیا اور پھر وہ ایسے شیر وشکر ہوگئے کہ ایک دم کو مجھسے جدا ہونا نہیں چاہتے تھے۔ مدرسہ حربیہ کے طلبا سے زیادہ صحبت رہتی تھی۔ قسطنطنیہ کے متعلق میں نے بہت سی ضروری باتیں اُنسے دریافت کیں اور درحقیقت ان معلومات سے مجکو بہت فائدہ ہوا۔

اس بات کا اثر کہ اب ہم اسلامی دنیا میں ہیں جہاز پر بھی محسوس ہوتا تھا۔ بمبئی سے سویز تک تھرڈ کلاس کے مسافروں کیساتھ قلیوں کی طرح برتاؤ کیا جاتا تھا۔ لیکن ان ممالک میں یہ حالت بالکل بدل گئی۔ جہاز کے افسر اور ملازم جو عموماً یورپین ہیں ان مسافروں کو دلمیں جو کچھ سمجھتے ہوں لیکن ظاہر میں انسے کوئی برا برتاؤ نہیں کر سکتے تھے۔ متعدد موقعے پیش آئے جنمیں میں نے دیکھا کہ زیادتی مسلمانوں ہی کی طرف سے ہوتی تھی لیکن افسران جہاز کو اغماض کرنا پڑتا تھا۔

سایپرس

۲۔ ابہی کو جہاز سایپرس[1] پہونچا یہ ایک مختصر سا جزیرہ ہے جو بحر روم میں واقع ہے اور جسکو عربی میں قبرس کہتے ہیں یہ جزیرہ اسلام کی قدیم فتوحات کی یادگار ہے حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ۲۷ھ میں امیر معاویہ نے اسپر حملہ کیا۔ شہر والوں نے اسپر صلح کی کہ جس طرح ہم سلطنت روم کو خراج دیتے ہیں تمکو بھی سات ہزار دو سو دینار سالانہ دیا کرینگے۔ اور تم میں اور رومیوں میں کبھی جنگ ہوگی تو ہمکو کسی سے واسطہ نہوگا امیر معاویہؓ نے یہ شرط قبول کرلی۔ لیکن ۳۲ھ میں اُن لوگوں نے خلاف عہد مسلمانوں کے مقابلے میں رومیوں کو مدد دی امیر موصوف نے پانسو کشتیوں کے بیڑے کے ساتھ دوبارہ چڑھائی کی اور نہایت آسانی سے فتح کرلیا۔ تاہم تعداد خراج اور صلح کی شرطیں وہی رہنے دیں۔ انکے حکم سے بارہ ہزار عرب وہاں جاکر آباد ہوئے اور مکانات اور مسجدیں تعمیر کیں۔ ایک مدت کے بعد یہ جزیرہ مسلمانوں کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ اور کئی بار فتح ہو ہو کر پھر نکل گیا۔ سب سے اخیر ترکوں نے ۱۵۷۰ء میں عیسائیوں سے واپس لیا اور اب تک اُنہی کے قبضہ میں تھا۔ روم و روس کی اخیر جنگ میں انگریزوں نے اس شرط پر لیا کہ

[1] جغرافیہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ زمانہ قدیم میں اس جزیرہ میں نو صوبے بارہ شہر آٹھ سو پانچ گاؤں اور دس لاکھ باشندے تھے ترکوں نے ۱۵۷۰ء میں اسپر قبضہ کیا۔ اب باشندے ستر ہزار ہیں لارنکہ کی شراب نہایت مشہور ہے اور حریر بھی عمدہ ہوتا ہے ۱۲

سالانہ خراج جو سلطان کو ملتا تھا اب بھی ملتا رہے گا چنانچہ اب وہاں انگریزی حکومت اور انگریزی انتظام ہے۔

اس جزیرہ میں لزمکہ اور لماسون دو بڑے بڑے شہر ہیں اور دونوں جگہ تھوڑی دیر کیلئے جہاز لنگر کرتا ہے۔ میں نے لماسون کی سیر کی۔ چونکہ یہاں انگریزی حکومت ہے اس لئے راہداری کے پروانہ کی پرسش وجونہ تھی۔ میں شہر میں داخل ہوا تو میرے سر پر ایرانی ٹوپی اور بدن میں شیروانی اچکن تھی۔ غالباً وہاں کے لوگوں نے یہ وضع کبھی دیکھی نہ تھی۔ میں جدھر سے گذرتا لوگ تعجب سے دیکھتے اور کہیں کھڑا ہوتا تو تماشائیوں کی بھیڑ لگ جاتی۔ سب سے پہلے میں جامع مسجد میں گیا مسجد کے متصل ایک مکتب ہے۔ وہاں ایک مولوی صاحب جو نہایت باوقار اور خوش لباس تھے ابتدائی صفوں کو درس دے رہی تھے۔ میں نے سلام علیک کی وہ کھڑے ہوگئے اور نہایت مہربانی سے سلام کا جواب دیکر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ لڑکے تپائیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں بھی انکے برابر بیٹھ گیا مولوی صاحب کے اشارہ سے ایک لڑکے نے قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں۔ میرے دل پر عجیب اثر ہوا خیال آتا تھا کہاں وہ حجاز کا ریگستان! کہاں بحر روم کے دور و دراز جزیرے! اس مقدس کلام (قرآن) میں کیا تاثیر تھی کہ مشرق سے مغرب تک برقی قوت بن کر دوڑ گئی۔ اور آجتک باقی ہے وہ معصوم لڑکا خوش لحن بھی تھا اور اصول قرارت کے مطابق پڑھتا تھا۔ اتفاق سے آیتیں بھی موثر تھیں۔ ان باتوں نے مجکو بالکل مدہوش کردیا اور دیر تک ایک عجیب حالت طاری رہی۔

اگرچہ پندرہ سولہ برس سے انگریز یہاں حکومت کررہے ہیں لیکن حکمت عملی کے لحاظ سے طرز انتظام میں بہت سی قدیم باتیں قائم رکھی ہیں۔ محکمہ قضا بالکل الگ ہے اور شرعی مقدمات سے حکومت انگریزی کو کچھ واسطہ نہیں۔ اتفاق سے مجکو قاضی صاحب سے بھی نیاز حاصل ہوا بہت خلیق اور باوقار آدمی ہیں۔ تعلیم کا طریقہ بالکل ترکی انتظام کے مطابق ہے۔ تمام مکتبوں اور مدرسوں میں ترکی سررشتہ تعلیم کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں جس مکتب کا میں نے ابھی ذکر کیا انہیں قرآن مجید فقہ کا ابتدائی رسالہ۔ تاریخ۔ جغرافیہ درس میں داخل ہے اور تعلیم نہایت خوبی سے ہوتی ہے قسطنطنیہ سے واپسی کے وقت بھی میں اس مکتب میں گیا تھا۔ صبح کا وقت تھا اور مدرس صاحب اس وقت تک تشریف نہیں لاچکے تھے۔ دو تین لڑکے موجود تھے وہ نہایت ادب اور خوش اخلاقی سے پیش آئے ایک نے

مجھ سے پوچھا کہ آپکا وطن کہان ہے۔ مین نے کہا ہندوستان۔ بولا "ہندوستان ایک وسیع ملک ہے خاص شہر کا نام بتایئے" مین نے علی گڈھ کا نام لیا۔ کہنے لگا مین نقشہ مین دیکھتا ہون کہان واقع ہے ہندوستان کا نقشہ سامنے آویزان تھا۔ اُس نے ایک سرسری نگاہ ڈالی اور فوراً علی گڈھ پر انگلی رکھکر کہا "دیان یہ ہے" اسکی عمر نو دس برس سے زیادہ نہ تھی اس لیے مجکو اسکی اس تیزی اور یادداشت پر تعجب ہوا۔ مین نے پوچھا تمہارا بادشاہ کون ہے وہ "آفندم" آفندی ترکی زبان مین جناب مخدوم کے ہم معنی ہین۔ اور جب میم متکلم کے ساتھ استعمال کیا جائے تو عموماً اس سے سلطان مراد ہوتے ہین مین نے کہا "یہان تو انگریزی حکومت ہے" بولا کہ وہ یان مستاجری کے طور پر لیا ہے۔ اور سالانہ خراج ادا کرتے ہین" انگریزون کی حکمت عملی نہایت دانشمندانہ ہے کہ کسی ملک پر قبضہ کرتے ہین تو اس تدریج و آہستگی سے کہ ملک والون کو انقلاب حکومت کی خبر بھی نہیں ہوتی۔

یہان کی زبان ترکی ہے۔ اور یہان سے قسطنطنیہ تک۔ ہر شہر اور قصبہ کی یہی زبان ہے اس سے ترکون کی حکومت کی سطوت کا اندازہ ہوتا ہے کہ اُنھون نے ممالک مفتوحہ کی زبان تک بدلدی ایشیائی کوچک اتنا بڑا وسیع ملک ہے اور کثرت سے عیسائی آبادی ہے جنکی زبان کسی زمانہ مین یونانی یا لاٹینز تھی۔ لیکن اب تمام ملک مین ترکی بولی جاتی ہے۔ سیپرس کے مولوی صاحب اور قاضی صاحب جنکا مین نے ذکر کیا۔ اگرچہ عربی بخوبی جانتے تھے۔ لیکن بول نہیں سکتے تھے۔ البتہ معمولی جملے سمجھہ لیتے تھے۔ اور اسی سہارے پر مین نے اُنسے بات چیت کی تھی۔

مجکو اس قدر قلیل زمانہ مین یہان کے مسلمانون کیحالت کا صحیح اندازہ تو کیا ہو سکتا تھا لیکن ظاہر طور سے قیاس ہوتا تھا کہ اچھی نہیں جس قدر بلند مکانات یا عمدہ دکانیں نظر آئیں دریافت سے معلوم ہوا کہ کل عیسائیون کی ہین۔

۱۸ مئی کو جہاز رودس پہونچا اور تین چار گھنٹے ٹھیرا۔ یہ چھوٹا سا جزیرہ ہے جسکی وسعت ہمارے قدیم مورخون نے ساٹھہ میل بیان کی ہے۔ اور جغرافیہ مترجمہ سوسائٹی علی گڈہ مین طول چالیس میل اور عرض پندرہ میل لکھا ہے یہ بھی قدیم فتوحات مین سے ہے امیر معاویہؓ کے عہد مین ۵۲ھ مین فتح ہوا اور اُسی وقت بہت سے مسلمان وہان جاکر آباد ہوئے۔ قدامت کے لحاظ سے مین اسکی سیر کا مشتاق تھا لیکن بدقسمتی سے رات کا وقت تھا اور جہاز والون مین سے اور کسی نے ہمراہ ساتھ نہ دیا زیادہ بدقسمتی

یہ کہ واپسی کے وقت بھی اتفاق سے یہی اسباب پیش آئے اور اُسکی سیر سے بالکل محروم رہ گیا۔

۲۰ مئی صبح کے وقت ازمیر پہونچے۔ چونکہ یہ ایک بہت بڑا بندرگاہ ہی۔ جہاز دو روز تک یہان مقیم رہا۔ مین اپنے شامی دوستون کے ساتھ جہاز سے اوترا۔ کنارہ پر وہی تذکرہ پروانہ راہداری کی باز پرس تھی۔ لیکن ساتھیون کی بدولت مجکو چندان زحمت نہین ہوئی۔ یہ شہر جسکو انگریزی میں سمرنا کہتے ہیں ایشیائے کوچک کا صدر مقام ہے۔ اور اس صوبے میں اس سے زیادہ وسیع اور آباد شہر نہیں ہی قدامت اور تاریخی واقعات کے لحاظ سے بھی ایک یادگار مقام ہی۔ ہومر جو یونان کا مشہور شاعر گزرا ہی۔ اور جسکی نسبت یورپ کا خیال ہی کہ دنیا کا سب سے بڑا شاعر تھا اُسکی قبر یہین ہی سات مقدس گرجے جنکا ذکر انجیل کے سفر رویا میں ہی اُن میں سے ایک اسی شہر میں تھا۔ زمانہ کے انقلابات نے اِسکو دس دفعہ تباہ و برباد کیا تاہم اُسکی موجودہ آبادی ایک لاکھ سے زائد ہی۔ اطراف کی زمین نہایت سیر حاصل ہی اور خود شہر تجارت کا بہت بڑا مرکز ہی۔ ہمیشہ بیسیون دخانی جہاز اور بادبانی بندرگاہ میں موجود رہتے ہیں۔ ریل بھی یہاں جاری ہے۔ اور دو وقت یہاں سے ٹرین روانہ ہوتی ہے۔

اسلامی آثارات بکثرت ہیں۔ لوگون نے مجھ سے بیان کیا کہ مسجدونکی تعداد تین سو سے کم نہیں جن مین بعض بڑی شان و شوکت کی ہیں۔

جہاز سے ہم اُترے تو نہایت بلند اور شاندار عمارتون کا سلسلہ نظر آیا جو دور تک بخط مستقیم دریا کے کنارے کنارے چلا گیا ہے۔ یہ عمارتین ہوٹل۔ قہوہ خانے۔ تھیٹر۔ ناچ گھر اور عیسائی تاجرون کی دکانیں ہیں اور نہایت خوش منظر اور پُر فضا ہیں رات کے وقت ہمیشہ یہ معلوم ہوتا ہی کہ کوئی میلہ یا شادی کی تقریب ہی۔ قہوہ خانون اور ناچ گھرون کے علاوہ سڑک پر کثرت سے مجمع رہتا ہی۔ اور جدہر جاؤ نغمہ و سرود کی آواز آتی ہی۔ اس سلسلہ عمارات کے عقب میں عیسائیون کا محلہ ہی اور اس قدر بلند اور عالیشان عمارتین ہیں کہ مین نے ابتک کہیں نہیں دیکھین اس محلہ کی تمام گلی کوچے نہایت صاف اور ہموار ہیں اس محلہ کی سیر سے فارغ ہو کر مین نے شہر کا رُخ کیا۔ شہر اگرچہ نہایت پر رونق ہی اور آدمیونکی کثرت سے ہر وقت ایک میلہ سا معلوم ہوتا ہی لیکن تمام سڑکین ناہموار و ناصاف ہیں اور گلی کوچون میں تو نجاست اور کیچڑ کی وجہ سے رستہ چلنا مشکل ہی حقیقت یہ ہی کہ ان تمام ممالک میں میونسپلٹی کا انتظام نہایت خراب ہی اور حکومت ترک کیلئے یہ ایک نہایت قابل لحاظ امر ہی۔ چلتے چلتے ہمارے شامی دوستونکو بھی

لگی اور ایک نان بائی کی دوکان پر جا بیٹھے۔ مجکو اگرچہ اشتہا نہ تھی لیکن اُنکے اصرار سے شریک ہو۔ نان بائی کے لفظ سے ہمارے ناظرین کو ہندوستان کے نان بائیون اور اُنکی ذلیل دکانون کا خیال آیا ہوگا لیکن یہ قیاس صحیح نہیں۔ یہان معمولی سے معمولی دکان کی آراستگی کی یہ صورت ہی کہ متعدد چھوٹی چھوٹی میزین اور اُنکے گرد کرسیاں لگی ہیں۔ میزون پر نہایت صاف چادر بچھی ہوئی ہی۔ دیوار کے ایک کونے مین ٹونٹی لگی ہی اور اُسکے نیچے طشت اور دائیں طرف صابون اور تولیہ رکھا ہی یہ نہایت معمولی دکانون کی کیفیت ہی اور بڑی بڑی دکانین جنکو ہوٹل کہا جا سکتا ہی نہایت پر تکلف اور پرشان ہیں لیکن اس قسم کے جس قدر ہوٹل ہیں عموماً عیسائیون کے ہیں۔

میں نے مدرسون کی سیر کرنی چاہی۔ لیکن چونکہ جمعہ کا دن تھا تمام مدرسے بند تھے۔ نماز جمعہ جامع حصار میں پڑھی۔ یہ مسجد پُر تکلف اور آراستہ ہی چھت پر طلائی نقش و نگار ہیں۔ بڑی خوبی یہ ہی کہ صحن کے دونون طرف دو بڑے بڑے ستونون پر گھنٹے لگے ہیں جنسے اوقات نماز معلوم ہو نیکے ساتھ مسجد کی زیبائش بھی ہی۔ ہمارے ہندوستان میں اسکی تقلید کیجاتی تو اچھا ہوتا خطبہ و نماز میں یہاں بعض جدتین ہیں۔ مگر نہ شریعت میں انکی کچھ اصل ہی نہ بجائے خود وہ موزون ہیں خطیب جب خطبہ پڑھتا ہی تو بیچ بیچین رکتا جاتا ہی اُسوقت چند اشخاص آواز ملا کر کچھ پڑھتے ہیں یہ چپ ہوتے ہیں تو خطیب پھر شروع کرتا ہی۔ اور اس طرح کئی بار اتفاق ہوتا ہی۔ نماز میں عموماً چھوٹی سورتین پڑھتے ہیں جو تین چار آیتون سے زیادہ نہیں ہوتین حالانکہ تمام دنیا میں جمعہ کی نماز میں بڑی سورتون کے پڑھنے کا دستور ہی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد میں کتب خانہ میں گیا یہ کوئی بڑا کتب خانہ نہیں ہی مسجد کے کونے میں ایک چھوٹا سا حجرہ ہی اور کتابونکی تین چار چھوٹی چھوٹی الماریاں ہیں۔ نماز کے بعد اکثر علما اور ارباب تصانیف یہان آ بیٹھتے ہیں جسوقت میں پہونچا اصحاب ذیل تشریف فرما تھے۔ مولانا مصطفےٰ آفندی امام جامع مسجد و مدرس مدرسہ۔ صبری آفندی مدرس مکتب اعدادی۔ مولانا سعید۔ شکری بک۔ حسنی آفندی سابق مہتمم تعلیمات سلام علیک اور مزاج پرسی کے بعد ایک صاحب نے فرمایا کہ ہم لوگ ابھی ایک مسئلہ کے متعلق گفتگو کر رہے تھے اگر آپ پسند کریں تو وہ مسئلہ پھر چھیڑا جائے۔ میں نے خوشی سے منظور کیا۔ متعہ کے متعلق بحث تھی اور وہی مشہور شبہ پیش تھا کہ خود حضرت عمرؓ کے قول سے ثابت ہوتا ہی کہ متعہ کا طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات تک جاری تھا۔ میں نے کسی قدر تفصیل سے گفتگو کی اور تمام حاضرین نے

اِس سے اتفاق کیا یہ لوگ عربی نہیں سمجھتے تھے۔ اِسلئے میں فارسی زبان میں گفتگو کرتا تھا۔ ان ملکوں میں بحث و مذاکرہ کا یہ طریقہ عموماً رائج ہے اور نہایت شائستہ طریقہ پر ہے۔ اجنبی شخص کو علماء کے گروہ سے ملنے اور اُنسے ربط و اختلاط پیدا کرنیکا اِس سے زیادہ آسان اور مفید کوئی ذریعہ نہیں بڑی خوبی یہ ہے کہ مناظرہ نفسانیت اور ترفع کے لحاظ سے نہیں ہوتا بلکہ اثنائے تقریر میں اگر اُنکو انداز سے معلوم ہوجاتا ہے کہ مخاطب اعتراض سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا تو قصداً دوسرا تذکرہ چھیڑ دیتے ہیں۔ اِس قسم کی علمی مجلسین اِس سفر میں میری کامیابی کا بڑا ذریعہ تھیں اور بعض جگہ تو انہیں کی بدولت مجکو ایسی شورشوں سے نجات ملی جنسے رہائی کی کوئی اور تدبیر نہ تھی۔

۱۲ مئی کو شام کے قریب جہاز نے لنگر اُٹھایا۔ یہان سے قسطنطنیہ تک کوئی بڑا اسٹیشن نہیں ہے بعض بعض مقامات پر جہاز تھوڑی دیر کے لئے ٹھیرا لیکن ہم اُتر نہ سکے یہ مقامات زیادہ تر جنگ کی ضرورتون کے لئے ہیں اور ہر جگہ کثرت سے جنگی آلات فراہم ہیں چناق قلعہ ایک مقام ہے جہاں نہایت مضبوط قلعہ ہے۔ لوگوں نے مجھسے بیان کیا کہ محمد فاتح نے جب قسطنطنیہ کے فتح کرنیکا عزم کیا تو اُسوقت توپ اور گولے کا عام رواج نہ تھا۔ محمد نے خود توپین ڈھالیں اور مٹی کا گولہ بنوایا جن میں سے چند یادگار کے طور پر اب بھی محفوظ ہیں۔ یہ گولے پختہ اور نہایت مضبوط ہیں اور بیان کیا جاتا ہے کہ لوہے کے گولوں سے کم نہیں۔ ازمیر سے قسطنطنیہ تک دریا کے دونون طرف ایسے محفوظ قلعے اور دمدمے تیار کئے گئے ہیں اور اِس کثرت سے سامان جنگ موجود ہے کہ قوی سے قوی سلطنت بھی اِس راستے سے دارالسلطنت پر حملہ کرنے کا قصد نہیں کر سکتی۔ یہ تمام قلعے اور دمدمے ہر فاتح کے عہد کے عہد کے ہیں۔ یہ نامور شہنشاہ جب قسطنطنیہ کی تسخیر کے ارادے سے بڑھا تو راہ میں جابجا جنگی چھاؤنیاں بنوائیں اور قلعے اور دمدمے تیار کرائے لیکن یہ تمام تفصیل لوگونکی زبانی روایتیں ہیں میں نے تاریخ سے اسکی تصدیق نہیں کی ہے چناق قلعہ سے آگے بڑھکر ہم نے ایک عجیب تماشا دیکھا۔ جہاز تیزی سے جا رہا تھا کہ دور سے پانی میں ایک فوارہ سا چھوٹتا نظر آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد معلوم ہوا کہ سامنے سے چار پانچ مچھلیاں جہاز کی طرف دوڑی آ رہی ہیں قریب آگئیں تو جہاز کے ساتھ ہولیں۔ انکا جسم پانی کی سطح سے صاف نظر آتا تھا۔ جہاز اگرچہ نہایت تیزی سے جا رہا تھا۔ لیکن وہ برابر ساتھ ساتھ آتی تھیں۔ کبھی کبھی جب سانس چڑھ جاتی تھی تو بڑے زور سے پھنکار مارتی تھیں اُسوقت پانی میں فوارہ سا چھوٹتا نظر آتا تھا۔ قریباً دو تین میل تک جہاز کے

ساتھ ساتھ دوڑیں - تمام لوگ حیرت سے تماشا دیکھتے تھے - بعضوں کو خیال ہوا کہ ان مچھلیوں نے
کبھی جہاز کی صورت نہیں دیکھی تھی - اسلئے اُسکو کوئی جانور سمجھیں اور مقابلے کے جوش میں چاہتی تھیں
کہ جہاز اُنسے بڑھنے نہ پائے - واپسی کے وقت بھی ایسا ہی اتفاق ہوا اور اُسوقت دریافت سے
معلوم ہوا کہ اس مقام پر ایک دفعہ اتفاق سے یہ مچھلیاں آگئی تھیں اور جہاز کے ملازموں نے اُنکے
لئے کھانے کی کوئی چیز دریا میں ڈال دی تھی - اُسی کی طمع پر جب کوئی جہاز ادہر سے گزرتا ہے تو اکثر یہ مچھلیاں
آجاتی ہیں اور دور تک جہاز کے ساتھ ساتھ دوڑتی ہیں -

۲۳ - مئی صبح کے وقت قسطنطنیہ پہونچے - جہاز نے لنگر کیا - یہ ایسا وقت تھا کہ مجکو منزل مقصود
پر پہونچنے کی نہایت خوشی ہونی چاہیے تھی - لیکن قلیوں اور ملاحوں کے ہنگامے اور شور و غل میں میرے
حواس جلتے رہے - ملاحوں نے تمام جہاز گھیر لیا - انکے شور و غل اور کشاکش سے ایک عجیب ہنگامہ
برپا تھا - میں نے پہلے سے کچھ طے نہیں کیا تھا - اور نہ کر سکتا تھا کہ جہاز سے اُتر کر کہاں جاؤں - ہوٹل
میرے مناسب حال نہ تھا (اسکی وجہ آگے چلکر معلوم ہوگی) اور سراؤں پر ناواقفیت کی وجہ سے اطمینان
نہیں ہو سکتا تھا - سخت مصیبت یہ ہوئی کہ شامی احباب جن سے ہر قسم کی مدد کی توقع ہو سکتی تھی
اُنکو کالج میں پہونچنے کی جلدی تھی - اس لئے وہ میرا انتظار نہ کر سکے - مجکو اکیلا پاکر ملاحوں اور قلیوں نے
اور بھی دق کرنا شروع کیا - میرا اضطراب اس خیال سے اور بڑھتا جاتا تھا کہ جہاز پر زبان کی اجنبیت کی
وجہ سے یہ دقت ہے تو شہر میں کیا حال ہوگا ؟ اس لیت و لعل میں زیادہ دیر ہوتی جاتی تھی - اکثر مسافر
جہاز سے اُتر گئے اور اُترتے جاتے تھے - آخر خانساماں کو اسباب سپرد کیا اور اُس سے کہا کہ میں شہر کی
سیر کر کے واپس آتا ہوں - مقصد یہ تھا کہ پہلے شہر میں جاکر قیام کا کچھ انتظام کر آؤں تب اسباب جہاز سے
اُتاروں - شام کے چند عربوں نے ایک کشتی کرایہ کی تھی - میں بھی اُنکے ساتھ ہو لیا - کنارے پر تذکرہ
کی پرسش ہوتی تھی - میں نے انگریزی چٹھیاں دکھائیں - لیکن وہ پاسپورٹ مانگتے تھے - غرض بہزار دقت
رہائی ہوئی - اب حیران تھا کہ کہاں جاؤں - ایک شامی عرب سے جن کا نام عبدالفتاح تھا - کشتی میں تعارف
ہو گیا تھا - میں نے اُنسے اپنی پریشانی بیان کی اور کہا کہ آپ مجکو کوئی معقول طریقہ بتائیں - اُنھوں نے
کہا کہ میری حالت بھی تمہارے قریب قریب ہے - اس لئے بہتر یہ ہے کہ ہم دونوں ساتھ رہیں
یہ طریقہ اگرچہ احتیاط کے خلاف تھا - لیکن ناواقفیت اور اجنبیت زبان کی وجہ سے مجبوراً

اختیار کرنا پڑا اور سچ پوچھیے تو یہی اتفاقی معیت میری تمام کامیابیوں کا دیباچہ تھی۔

یہاں مسافروں کے ٹھیرنے کے چند طریقہ ہیں۔ سب سے زیادہ اطمینان اور آرام تو ہوٹلوں میں ہی لیکن اول تو انکا کرایہ ایک پونڈ یعنی عہ روپے روزانہ سے کم نہیں۔ دوسرے اکثر بلکہ قریباً تمام عمدہ ہوٹل یورپین آبادی میں ہیں جو استنبول سے دور ہے۔ اور جامع مسجدین کتب خانے مدرسے مکاتب جس قدر ہیں سب استنبول میں ہیں۔

ہوٹل کے بعد خانات یعنی سرائیں ہیں۔ لیکن یہ سرائیں ہندوستان سے کچھ نسبت نہیں رکھتیں یہاں بڑی بڑی سراؤں میں جس قدر کمرے ہوتے ہیں۔ عموماً وسیع اور پرفضا ہوتے ہیں اور ان میں ہر وقت نواڑ کا پلنگ۔ توشک۔ چادر۔ لحاف۔ اور اور ضروری چیزیں مہیا رہتی ہیں ایک ایک کمرے میں کئی کئی پلنگ ہوتے ہیں۔ اور فی پلنگ آٹھ دس آنے کرایہ ہوتا ہے۔

تیسرا طریقہ کرایہ کے مکانات ہیں۔ یہ مکانات اکثر دومنزلے سہ منزلے ہوتے ہیں۔ ہر ہر جگہ میں متعدد کمرے اور ہر کمرے میں میز۔ کرسی۔ کوچ۔ لمپ۔ فرش۔ پلنگ۔ توشک۔ لحاف تکیہ مہیا رہتا ہے۔ کرایہ فی کمرہ دس روپیہ ماہوار سے بیس تیس تک ہوتا ہے ان مکانوں کے مالک یا اجارہ دار عموماً عیسائی ہیں۔ وہ خود بھی انہیں مکانون میں رہتے ہیں اور انکی وجہ سے مسافرونکو بہت کچھ آرام ملتا ہے اگرچہ جیسا میں نے ابھی بیان کیا۔ کرایہ کا مکان لینا زیادہ آرام کا طریقہ تھا لیکن میں اور میرے شامی دوست دونون اس طریقہ سے ناواقف تھے اس لیے ایک خوان یعنی سرا میں جاکر ٹھیرے اس انتظام کی طرف سے اطمینان ہوا تو جہاز پر جاکر اپنا اسباب اُٹھوا لایا۔ چھہ سات دن تک ہم اس خان میں رہے پھر باب عالی کے پاس ایک عمدہ مکان کرایہ پر لے لیا۔

خوش قسمتی سے شیخ عبد الفتاح جن کے ساتھ میں نے زبردستی دوستی پیدا کی تھی بڑے معزز خاندان کے آدمی نکلے۔ دمشق میں حضرت خالد نقشبندی ایک بزرگ گزرے ہیں جن کے ساتھ یہان کے لوگون کو اس قدر ارادت ہے کہ انکا نام نہیں لیتے بلکہ حضرت کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ بزرگ ہمارے ہندوستان کے تربیت یافتہ یعنی حضرت میرزا جان جانان دہلوی کے مرید تھے۔ شیخ عبد الفتاح انہیں کے بھتیجے ہیں۔ اور اس تعلق سے لوگ ان کی قدر و منزلت کرتے ہیں۔ چونکہ قسطنطنیہ میں شامیون کا ایک بڑا گروہ ہے دو ہی چار روز میں شیخ عبد الفتاح کی اکثر لوگوں سے شناسائی ہو گئی

اور اُنکے ذریعہ سے مجکو بھی اُن لوگون سے تعارف ہوتا گیا۔

ایک دن شیخ علی ظبیان جنکے والد ایک مشہور صوفی ہیں۔ شیخ عبد الفتاح سے ملنے آئے مین بھی اُسوقت موجود تھا اور اتفاق سے رسالہ اسکات المتعدی جو میری قدیم تصنیف ہے اور عربی زبان میں ہے۔ سامنے رکھا ہوا تھا اُنھون نے اُٹھا کر دیکھا اور کہا کہ آہا یہ رسالہ مدت ہوئی میں نے دمشق میں اپنے شیخ کے پاس دیکھا تھا اور اُنھون نے اسکے مصنف کی نسبت کہا تھا "شکر اللہ مساعیہ،، شیخ علی ظبیان کو جب معلوم ہوا کہ وہ رسالہ میری ہی تصنیف ہے تو اُٹھ کر بڑی گرمجوشی سے ملے اور نہایت لطف و مہربانی سے پیش آئے۔ مجکو اسبات سے کہ میری ناچیز تصنیف یہان تک پہونچی۔ اور لوگون نے اسکو نگاہ قبول سے دیکھا نہایت مسرت ہوئی اور سفر کی کس مپرسی میں اتنا ذریعہ تعارف بہت غنیمت معلوم ہوا۔ شیخ علی ظبیان نوجوان آدمی ہیں فقہ کی تحصیل شیخ عبد الرحمن سے کی ہے جو مصنف ردّ المختار (مشہور بہ شامی) کے نواسے اور شاگرد تھے اگرچہ انکو اکثر علوم متداولہ میں دخل ہے لیکن ادب مین زیادہ مہارت ہے ایک غیر منقوطہ قصیدہ سلطان کی مدح میں پیش کیا تھا جسپر انکو صلہ و انعام بھی عطا ہوا۔ مدت سے درویش پاشا کے مہمان ہیں اور پاشائے موصوف اُنکے ساتھ عزیزانہ برتاو رکھتے ہیں مجھ سے انکا تعلق روز بروز بڑھتا گیا۔ یہانتک کہ باوجود بُعد مسافت قریبًا ہر روز میرے مکان پر تشریف لاتے اور کبھی کبھی تمام دن میرے پاس رہتے۔ شیخ عبد الفتاح چند روز کے بعد دمشق کو واپس چلے گئے۔ اس وقت تنہائی مین شاید مجکو تکلیف پہونچتی۔ لیکن شیخ علی ظبیان کی غمگساریون نے تمام تردّدات دل سے دور کر دئے۔

مکان جو ہم نے کرایہ پر لیا تھا اگرچہ نہایت خوش فضا اور موزون تھا لیکن چونکہ مکان کا مالک (عارضی) نہایت بد معاملہ اور آوارہ مزاج تھا۔ چند روز کے بعد مین نے دوسرا مکان کرایہ پر لیا اور اخیر تک وہیں رہا۔ یہان مکان کی خوبی کے ساتھ بڑا آرام یہ تھا کہ مالک مکان ایک نیک مزاج عورت تھی اگرچہ اُسکا مذہب عیسائی تھا اور قوم کی اٹالین تھی تاہم بقدر ضرورت عربی بول لیتی تھی۔ اور مسلمانون سے ایک خاص انس رکھتی تھی۔

کھانے پینے کے انتظام کی ہمکو کچھہ ضرورت نہ تھی۔ ہوٹل اور دکانین کثرت سے ہیں اور نہایت مرتب اور پر تکلف ہیں۔ بازار مین کھانا یہان مطلق عیب نہیں مین نے اکثر معزز عہدہ دارون کو ہوٹلون

ہیں کھاتے دیکھا۔ یہ ہوٹل عموماً عیسائیوں کے ہیں۔ مسلمانون کی دکانیں بجز اسکے کہ میز کرسی وہاں بھی ہوتی
ہے۔ باقی اور باتوں میں ہندوستان کی دوکانون سے مشابہ ہیں۔

جہاز میں جو میں نے قصیدہ لکھنا شروع کیا تھا قسطنطنیہ پہنچکر تمام ہوا۔ اس میں سفر کے حالات
کا اجمالی خاکہ ہے۔ اور چونکہ ناظرین تمام حالات کی تفصیل سے واقف ہوکر قصیدہ کے قصہ طلب
حوالے بخوبی سمجھہ لیں گے اور انکو زیادہ لطف و مزہ آئیگا میں اس قصیدہ کو بتمامہ یہان نقل کرتا ہون

قصیدہ

بہر تکمیل فن و ہم پے تحصیل عبر
فارغ از حج و زیارت چو مرا کرد خدائے
گرچہ من گرم طلب بودم و بس مستعجل
دیر آن مایہ شد آخر کہ حسودان گفتند
روم گوئی دو سہ گامست کہ این خام طمع
رہ چنین دور و راز و سفر این مایہ خطیر ❊
من درین غصہ و غم خون جگر مے خوردم
اتفاقے عجبے گشت مرا عقدہ کشائے
یک دو مہ پیشتر ک زانکہ زنم کوس رحیل
چون ستوہ آمدم از تپ بدل آمد کہ مرا
عزم دیرینہ بیاد آمد و گفتم چہ خوش ست
آرنلڈ آنکہ رفیق ست و ہم استاد مرا
گفتم این صحبت و این واقعہ نادر افتد
چون ازین داعیہ مردم ہمہ آگاہ گشتند
ہمہ را مہر بجنبید و بدرو آمد دل ؟
دل بہجران منہ و رسم وفا را مگذار

روزگاریست کہ میداشتم آہنگ سفر
خواستم تا بسوئے روم شوم راہ سپر
لیک تاخیر ہمی رفت بفرمان قدر
کہ فلان جز ہوس خام ندارد در سر
بے تکلف بسفر چیست ببست ست کمر
چون میسّر شود آن را کہ زورست و نہ زر
ناگہان شاہد مقصود درآمد از در ؟
کہ از و وہم و گمان نیز نمے داشت خبر
بودم از زحمتِ تپ خستہ دل و تفتہ جگر
چارہ جز نقل مکان ہیچ نباشد ایدر ؟
کہ بیک حیلہ دو تا کار برآرد داور ❊
ہم درین عرصہ بانگلنڈ ہمی خواست سفر
پس بعزم سفر از جائے بجستم مضطر
ہم بیاران را و عزیزان وطن رفت خبر
جملہ گفتند کہ این زحمت بیصرفہ مبر
ورنہ خواہی کہ کشی پائے ازین راہ گذر

روزکے چند هیا سابے و پیش سازبده
باخود از نقد و هم از امتعه آن مایه بگیر
مصلحت نیست که این راه تو تنها سپری
گفتم این جمله که گفتید بود عین صلاح
مرد این مرحله گامے که فرا پیش نهاد
الغرض از رمضان بست و ششم بود که من
اوفتادم بره کوه و بیابان یک چند
زحمتے صعب کشیدیم بکشتی دو سه در
کس نیارست سرش باز گرفت از بالین
نبود مایهٔ آزار - به کشتی چیزے
نان خورش بود - زهر گونه مهیّا مارا
گرچه من زان مے پالوده نیالودم لب
هفتم ماه مئی چون برسیدیم عدن
من فرود آمدم و روئے بشهر آوردم
کوهساریست که هرچند بلندست فراخ
هر کجا میگذری ریگ روانست و خزف
گبر و ترسا که نزیل اند درین بقعه همه؟
مردم شهر که خود را به صمالی نامند
خوار و بدبخت و تبه کار و سیه چره و زشت
خویشتن را به عرب لبته و حاشا که عرب
چون زبان همه تازی بود و همچو عرب
عامیان ؟؟؟ غلط فهمند و گمان بانه برند
تخم دهم رلیشه ؟ ایمن نخل زخاک حبش است

سازو برگ سفر آن گونه که باشد درخور
که اگر دیر بمانی نبود هیچ خطر +
لاجرم خادمکے نیز بهمراه ببر +
لیک طالب نبود در گرو نفع و ضرر
باز پس مے نه کشد گر همه مرگ آرد بر +
گرم برخاستم از جائے و شدم راه سپر
پس بکشتی بنشستم من و یاران دگر +
بسکه از موج بهر لحظه شدی زیر و زبر
کس نه یارست جدا کرد تنش از بستر
غیر ازین محنت سه روزه گزر نیست مفر
از کباب بره مرغ و مے و نقل شکر
دیگران لیک علی الرغم زدندے ساغر
کشتی آسود و بینداخت زمانے لنگر
تا خبر جوییم ازین مملکت از بدو حضر
لیک از سبزه گل نیست درو هیچ اثر
هر طرف می نگری خاه سیاهست و حجر
بزبان عربی حرف زدندی یکسر
حیوان اند نه بل از حیوان هم بدتر
سفله و ممتهن و کج روش و بدگوهر؟
این چنین خوار و زبون شان به بیند دادر
نام شان لبته بود بالقب جد و پدر
که مگر در نسب و نسل ز معد اند و مضر
که درین جائے بهار آمد و افشاند ثمر

شامگه کشتی ما باز برفتار آمد +
به سویز آمد و استاد و چنان زود گذشت
این همان نهر عجیبیست که زنیسان کاری
بست فرسنگ درازست و به پهنا چندان
مردی از اهل فرنسا که لسپش نام است
آن خرد در چه در آغاز بدعوی برخاست
مردمان سخره گرفتندش و گفتند که این +
از مئی چاردهم بود که در پورٹ سعید
درمیان من و ارنلڈ بنقیاد فراق
پورٹ جائیست که تا چشم و نگه کار کند
صد و بینی که برافراشته اینجا رایت
شامگه کشتی ما باز روان گشت و گذشت
من بساحل شدم و مردی از ابنای حلب
خوب جائیست که ناخواسته در بازد دل
موضعی خرم و سیرے خوش و جای دلکش
گبر و مسلم همه خوش جامه و موزون اندام
جا جا شان بعرب ماند و در زی و لباس
چون برون رفتم ازین جائے و ازان چاره نبود
از مئی شانزدهم بود که گشتیم روان
این همان جائے قدیمیست که در عهد امیر
حالیا دولت انگلینڈ گرفتش از ترک
مسجد جامع و الیونگه قبرس دیدم
رڈوس د سمگز بره آمد نزن ان پس از سیر

تا بیک هفته گذر کرد بحر الاحمر
که ز کیفیت و حالش نشدم هیچ خبر
جز در افسانه پارین نه شنیدیم دگر
که دو دوابور توانند ازو کرد گذر +
زده این نقش و در اقصای جهان گشت شمر
که تو آن آمدن از عهده این کار بدر +
هرزهٔ هست که فرزانه ندارد باور
برسیدیم و نشستیم به دوابور دگر
زانکه راه من و او گشت جدا زین معبر
زورق و کشتی و دوابور بود بیشتر تا سر
صد به بینی که در انداخته آنجا لنگر
از ره یافه و لپس کرد به بیروت سفر
همرهم گشت و بهر ناحیه ام شد رهبر
هر که سوری بدلش دارد و دوری بجگر
راه هموار و زمین پاک و مکان خوش منظر
خاص و عامی همه گلگون تن زیبا پیکر
هیچ فرقے ز مسلمان بنود تا کافر
پیش میر فتم و بازم بقفا بود نظر +
پس به قبرس برسیدیم بهنگام سحر
سپهی رفت بتسخیرش و زد فال ظفر
لیک با صلح نه از یاوری تیغ و تبر
سیر این بقعه مرا بس عجب افزود عبر
کشتی استاد به از میر و شبی بر دلبر

من سوی شہر روان گشتم ویک یک دیدم ۔۔۔ مسجد و مکتب و بازار و رہ کوچہ و در

فرض ادینہ ادا کردم واز بعد نماز ۔۔۔ در کتب خانۂ سلطانیم افتاد گزر ✤

مجلسے از فقہا بود دران جا و بہم ۔۔۔ بحث از متعہ ہمیرفت وہم از قول عمرؓ

زان یکے رو بمن آورد کہ جونی چہ کسے ۔۔۔ تا چرا برزدۂ دامن محنت بکمر

گفتم از ہندم و از خوان ادب زلہ ربائے ۔۔۔ طرفے مے برم از ہر جہت و ہر کشور ✤

گفت حالا سخن از متعہ ہمیرفت و توہم ۔۔۔ گر توانی ۔ سخنے گوئے و شائے آور ✤

من بپاسخ در معنے زدم و مستمعان ۔۔۔ لب بتحسین بکشا دند پس از بحث و نظر

پس از میر روان گشتم و در عرض دو روز ۔۔۔ طے شد این راہ و بپایان برسید این دفتر

مختصر گفتہ ام این حرف و تو ہم میدانی ۔۔۔ کہ درین بادیہ بس تنگ بود راہ گزر

ہر کہ جویا بود از حال من و رحلہ من

بایدش گفت کہ این نظم بخواند یکسر

قسطنطینہ کی اجمالی تاریخ اور مختصر حالات

قبل اسکے کہ میں یہان کے تفصیلی حالات جدا جدا عنوان سے بیان کرون ضرور ہے کہ نہایت مختصر طور پر اسکی قدیم تاریخ اور اسکے ساتھ اسکی عام موجودہ حالت اجمالی کیساتھ بیان کرون - اس شہر کی ابتدائی تاریخ (یعنی جب وہ بزنطاین کے نام سے پکارا جاتا تھا) نہایت قدیم ہے لیکن جس زمانے سے اس کا نام قسطنطینہ ہی اسکو بھی کچھ کم عرصہ نہیں گزرا [illegible] ہوئے ہیں قسطنطین اعظم نے اسکی بنیاد ڈالی اور اس وقت سے محمد فاتح کے زمانے تک وہ قیصران روم کا پایۂ تخت رہا - انگریزی اور حال کے اسلامی جغرافیون میں اسکے حالات نہایت تفصیل سے ملتے ہیں - قدیم اسلامی جغرافیون میں بھی اسکا ذکر ہے - لیکن ابن بطوطہ کے سوا مجھکو کوئی اسلامی مصنف معلوم نہیں جسنے اس زمانے کے واقعات چشم دید لکھے ہوں ابن بطوطہ نے ۷۲۵ھ مین اس شہر کو دیکھا - اسوقت یہان عیسائی حکومت تھی وہ لکھتا ہے کہ وہ یہ نہایت عظیم الشان شہر ہے اور ایک نہر کے حائل ہونیکی وجہ سے دو حصوں میں منقسم ہو گیا ہے ایک حصہ جو نہر کے

شرقی کنارے پر ہی استنبول کہلاتا ہے۔ اور قیصر روم اور ارکان دولت و امرا۔ اسی حصہ میں رہتے ہیں دوسرا حصہ غلطہ کے نام سے موسوم ہے اُس میں عموماً یورپ کے بڑے بڑے تاجر رہتے ہیں جنکو قیصر بزور اپنی اطاعت میں رکھتا ہے،، ابن بطوطہ نے اِن سوداگرون کی وسعت تجارت کی تعریف اور اُنکے چھچلے پن کی ہجو کی ہے وہ لکھتا ہے کہ جب میں اِس شہر میں داخل ہوا تو چھوٹی چھوٹی کشتیون کے علاوہ قریباً سو بڑے بڑے جہاز موجود تھے۔ لیکن تمام بازار نہایت نجس اور کثیف ہی اور گرجے تک اِس سے مستثنے نہیں[۱]،،

مسلمانون نے قرن اول ہی میں اسکو تسخیر کی نگاہ سے دیکھا تھا چنانچہ سب سے اول جس نے اسکی شہر پناہ کے آہنی دروازے پر تلوار ماری وہ عبد اللہ بن المطلب۔ خلیفہ ولید بن عبد الملک کا سپہ سالار تھا اسکے بعد اور خلفا۔ و سلاطین نے بھی اسپر حملے کئے لیکن قیصران روم کا خاتمہ محمد فاتح کے ہاتھ سے ہونے والا تھا۔ جس نے ۸۵۷ھ میں اِس عظیم الشان دار السلطنت پر صلیب کے بجائے علم اسلام بلند کیا۔ اِس حیرت انگیز معرکہ کی یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ چونکہ عیسائیوں نے بندرگاہ کا راستہ دریا کی طرف سے روک رکھا تھا۔ ترکوں نے باسفورس اور گولڈن ہارن کے درمیان جو سنگلاخ زمین ہے اُسپر پانچ تک لکڑی کے تختے بچھادئے اور جہازون کو جن میں پہیئے لگائے تھے اُسپر چلاکر تمام فوجین گولڈن ہارن میں اتار دین۔ اُسوقت اِس نامور فاتح کی عمر کل ۲۳ برس کی تھی۔ اِس فتح کا مادہ تاریخ ‘‘بلدۃ طیبۃ،، ہے۔

موجودہ حالت یہ ہی کہ ابنائے باسفورس کی شاخ جو دور تک چلی گئی ہی یہ شہر اُس کے دونون کنارون پر آباد ہے اور اِس وجہ سے اسکے دو حصے بن گئے ہیں ایک حصہ استنبول کہلاتا ہی اور تمام بڑی بڑی مسجدین۔ کتب خانے۔ سلاطین کے مقبرے اسی حصہ میں ہیں مسلمانونکی آبادی بھی کثرت سے یہیں ہے۔ دوسرا حصہ پیرہ سے شروع ہوتا ہے اور اُسکے انتہائی جانب پر تشبکطاش وغیرہ واقع ہیں جہان سلطان کا ایوان شاہی اور قصر عدالت ہی پیرہ کے دوسری طرف غلطہ ہی اور چونکہ تمام بڑے بڑے یورپین سوداگر اور سفرائے سلطنت یہیں سکونت رکھتے ہیں اُسکو یورپین آبادی کہنا زیادہ مناسب ہے۔

---

[۱] ابن بطوطہ کے بیان کو ہمنے اِس لحاظ سے نقل کیا ہی کہ موجودہ حالت سے موازنہ کر سکیں۔

موقع اور منظر کی خوبی

کہتے ہیں کہ دنیا کا کوئی شہر قسطنطنیہ کی برابر خوش منظر نہیں ہے اور حقیقت یہ ہے کہ منظر کے لحاظ سے اس سے زیادہ خوشنما ہونا خیال میں بھی نہیں آتا۔ اسی لحاظ سے اسکی بندرگاہ کو انگریزی میں گولڈن ہارن یعنی شاخ زرین کہتے ہیں۔ کہیں کہیں عین دریا کے کنارے پر عمارتون کا سلسلہ دور تک چلا گیا ہے۔ عمارتون کے آگے جو زمین ہے وہ نہایت ہموار اور صاف ہے اس کی سطح سمندر کی سطح کے بالکل برابر ہے اور وہان عجیب خوشنما منظر پیدا ہو گیا ہے۔

وسعت اور تمدن

شہر کی وسعت اور تمدن کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ خاص استنبول میں ۵۰ جامع مسجدین - ۱۷۱ حمام - ۲۴۲ سرائیں - ۱۶۴ مدارس قدیم ۵۰۰ مدارس جدید ۱۲ کالج ۵۴ کتب خانے ۳۰۵ خانقاہیں - ۸۴ چھاپے خانے ہیں کاروبار اور کثرت آمد و رفت کی یہ کیفیت ہے کہ متعدد ٹرمیوے گاڑیان - بارہ دخانی جہاز - زمین کے اندر کی ریل - معمولی ریلین (جو ہر آدہ گھنٹے کے بعد چھوٹتی ہیں) ہر وقت چلتی رہتی ہیں اور باوجود اسکے سڑکون پر پیادہ پا چلنے والون کا اسقدر ہجوم رہتا ہے کہ ہر وقت میلہ سا معلوم ہوتا ہے - غلطہ اور استنبول کے درمیان جو پل ہے اُسپر سے گزرنے کا محصول فی شخص ایک پیسہ ہے اسکی روزانہ آمدنی پانچ چھہ ہزار روپے سے کم نہیں ہے

قہوہ خانے

قہوہ خانے نہایت کثرت سے ہیں - میرے تخمینہ میں چار پانچ ہزار سے کم نہ ہونگے بعض بعض نہایت عظیم الشان ہیں جنکی عمارتین شاہی محل معلوم ہوتی ہیں - قہوہ خانون میں ہمیشہ ہر قسم کے شربت اور چائے و قہوہ وغیرہ مہیا رہتا ہے - اکثر قہوہ خانے دریا کے ساحل پر اور بعض عین دریا میں ہیں جنکے لئے لکڑی کا پل بنا ہوا ہے - قہوہ خانوں میں روزانہ اخبارات بھی موجود رہتے ہیں - لوگ قہوہ پیتے جاتے ہیں اور اخبارات دیکھتے جاتے ہیں - قسطنطنیہ بلکہ ان تمام ممالک میں قہوہ خانے ضروریات زندگی میں محسوب ہیں - میرے عرب احباب جب مجھسے سنتے تھے کہ ہندوستان میں اسکا رواج نہیں تو تعجب سے کہتے تھے بایش یتسلون یعنی وہان لوگ جی کیونکر بہلاتے ہیں ان ملکون میں دوستون کے ملنے جلنے اور گرمی صحبت کے موقعے یہی قہوہ خانے ہیں

افسوس ہے کہ ہندوستانیوں کو ان باتون کا ذوق نہیں - وہ جانتے ہی نہیں کہ اس قسم کی عام صحبتین زندگی کی دلچسپی کیلئے کس قدر ضروری ہیں - اور طبیعت کی شگفتگی پر انکا کیا اثر پڑتا ہے دوستانہ مجلسیں ہمارے ہان بھی ہیں جسکا طریقہ یہ ہے کہ کسی دوست کے مکان پر دو چار احباب کبھی کبھی

مل بیٹھتے ہیں۔ لیکن اس طریقے میں دو بڑے نقص ہیں۔ اولاً تو تفریح کے جلسے پر فضا مقامات میں ہونے چاہئیں کہ تازہ اور لطیف ہوا کی وجہ سے صحت بدنی کو فائدہ پہونچے۔ دوسرے سخت خرابی یہ ہی کہ چونکہ یہ جلسے پرایوٹ جلسے ہوتے ہیں اس لئے اُن میں غیبت شکایت اور اس قسم کی لغویات کے سوا اور کوئی تذکرہ نہیں ہوتا۔ بخلاف قہوہ خانوں کے جہان مجمع عام کی وجہ سے اس قسم کی باتوں کا موقع نہیں ملسکتا۔ قسطنطنیہ اور مصر میں ہمیشہ شام کے وقت دوستوں کے ساتھ قہوہ خانون میں بیٹھا کرتا تھا۔ لیکن میں نے کبھی اس قسم کے تذکرے نہیں سُنے تفریح اور بذلہ سنجی کے سوا وہان کوئی ذکر نہیں ہوتا تھا۔ اور نہ ہو سکتا تھا۔

قسطنطنیہ کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہی۔ کہ اگر کسی کو یوروپین اور ایشیائی تمدن کی تصویر ایک مرقع مین دیکھنی ہو تو یہان دیکھ سکتا ہی۔ کتب فروشون کی دُکانون کی سیر کرو تو ایک طرف ایک نہایت وسیع دُکان ہی۔ سنگ رخام کا فرش ہی۔ شیشہ کی نہایت خوبصورت الماریان ہیں کتابین جس قدر ہیں مجلد ہیں۔ اور جلدین بھی معمولی نہیں بلکہ عموماً مطلا و مذہب مالک دوکان میز کرسی لگائے بیٹھا ہی۔ دو تین کم سن خوش لباس لڑکے ادھر اُدھر کام میں لگے ہیں۔ تم نے دوکانمین قدم رکھا ایک لڑکے نے کرسی لا کر سامنے رکھدی اور کتابون کی فہرست حوالہ کی۔ قیمت فہرست مین مذکور ہی اور اُس میں کمی بیشی کا احتمال نہیں۔

دوسری طرف سڑک کے کنارے چبوترون پر کتابونکا بیقاعدہ ڈھیر لگا ہی زمین کا فرش اور وہ بھی اسقدر مختصر کہ تین چار آدمی سے زیادہ کی گنجائش نہیں۔ قیمت چکانے میں گھنٹوں کا عرصہ درکار ہی اسی طرح ہر پیشہ و صنعت کی دکانین دونوں نمونہ کی موجود ہیں۔ عام صفائی اور زیب و زینت کا بھی یہی حال ہی غلطہ کو دیکھو تو یوروپ کا ٹکڑا معلوم ہوتا ہی۔ دکانیں بلند اور آراستہ سڑکیں وسیع اور ہموار۔ کیچڑ اور نجاست کا کہیں نام نہیں۔ بخلاف اسکے استنبول میں جہان زیادہ تر مسلمانونکی آبادی ہی اکثر سڑکین ناصاف اور بعض بعض جگہ اس قدر ناہموار کہ چلنا مشکل۔

اس شہر میں آکر ایک سیاح کے دل میں غالباً جو خیال سب سے پہلے آتا ہوگا وہ یہ ہوگا کہ اس عظیم الشان دار السلطنت کی دو حصوں مین اسقدر اختلاف حالت کیون ہی۔ چنانچہ میرے دل میں سب سے پہلے یہی خیال آیا۔ میں نے اسکے متعلق بہت کچھ بحث و تفتیش کی۔ باشندون کے اختلاف حالت

کا سبب نو میں نے آسانی سے معلوم کر لیا یعنی مسلمانون کا افلاس اور دوسری قومون کا تمول لیکن سڑکوں اور گزرگاہون کی ناہمواری و غلاظت کا بظاہر یہ سبب قرار نہین پا سکتا تھا اسلیے میں نے ایک معزز ترکی افسر حسین حسیب آفندی پولیس کمشنر سے دریافت کیا انھون نے کہا کہ ہماری مینوسپلٹی کے ٹیکس بہت کم ہیں۔ بہت سی چیزین محصول سے معاف ہیں لیکن غلطہ میں یورپین سوداگر خود اپنی خواہش سے بڑی بڑی ٹیکس ادا کرتے ہیں اس لئے مینونسپلٹی ان رقمونکو فیاضی سے صرف کر سکتی ہے۔ مجھے خیال ہوا کہ یہ وہی غلطہ ہے جسکی نسبت ابن بطوطہ نے نجاست اور میلے پن کی سخت شکایت کی ہے۔ یا اب انکو صفائی اور پاکیزگی کا یہ اہتمام ہے کہ اسکے لئے بڑی بڑے ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ صفائی اور خوش سلیقگی آج کل یورپ کا خمیر بن گیا ہے۔

عمارتون کی وضع

یہاں کی عمارتین ہندوستان کی عمارتون سے بالکل جدا وضع کی ہیں۔ مکانات عموماً سہ منزلہ چو منزلہ ہیں۔ صحن مطلق نہیں ہوتا۔ عمارتین تمام لکڑی کی ہیں۔ بڑے بڑے امرا۔ اور پاشاؤں کے محل بھی لکڑی ہی کے ہیں اور یہی سبب ہے کہ یہان اکثر آگ لگتی ہے کوئی مہینہ بلکہ ہفتہ خالی نہیں جاتا کہ دو چار گھر آگ سے جلکر تباہ نہ ہون اور کبھی کبھی تو محلّے کے محلّے جلکر خاک سیاہ ہو جاتے ہیں اگر بجھانیکے لئے سلطنت کی طرف سے نہایت اہتمام ہے کئی سو آدمی خاص اس کام پر مقرر ہیں ایک نہایت بلند منارہ بنا ہوا ہے۔ جسپر چند ملازم ہر وقت موجود رہتے ہیں کہ جس وقت کہیں آگ لگتی دیکھیں فوراً خبر کریں۔ اس قسم کے اور بھی چھوٹے چھوٹے منارے جا بجا بنے ہوئے ہیں جس وقت کہیں آگ لگتی ہے فوراً توپین سر ہوتی ہیں۔ اور شہر کے ہر حصّے سے آگ بجھانے والے ملازم تمام آلات کے ساتھ موقع پر پہنچ جاتے ہیں انکو حکم ہے کہ بے تحاشا دوڑتے جائین یہانتک کہ اگر کوئی راہ چلتا انکی جھپٹ میں آکر پس جائے تو کچھ الزام نہیں۔ میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ پتھر کی عمارتین کیوں نہیں بنتین۔ معلوم ہوا کہ سردی کے موسم میں سخت تکلیف ہوتی ہے اور تندرستی کو نقصان پہنچتا ہے۔

آب و ہوا یہان کی نہایت عمدہ ہے جاڑوں میں سخت سردی پڑتی ہے اور کبھی کبھی برف بھی گرتی ہے۔ گرمیون کا موسم جسکا مجکو خود تجربہ ہوا اس قدر خوشگوار ہے کہ بیان نہیں ہو سکتا تعجب ہے کہ ہمارے یہان کے امرا شملہ اور نینی تال کے بجائے قسطنطنیہ کا سفر کیوں نہیں کرتے

پانی پہاڑ سے آتا ہے اور نہایت ہاضم اور خوشگوار ہے۔

میوہ جات

ہر قسم کے میوے کثرت سے ہیں اور خصوصاً انگور اور خربزہ بے مثل ہوتا ہے لکھنؤ کے خربزے لطافت میں تو شاید بڑھکر ہوں لیکن شیرینی میں یہاں کے خربزوں کی برابری نہیں کرسکتے۔ امرود جسکو اہل عرب انجاس کہتے ہیں عجیب مخروطی شکل کے ہوتے ہیں۔ رنگ میں تو نہیں لیکن صورت میں گاجروں سے مشابہ۔ مگر نہایت شیرین اور لذیذ۔ سیب کابل کے سیب سے بڑے اور زیادہ شیرین ایک میوہ یہاں ہوتا ہے جسکو مشمش کہتے ہیں۔ وہ ہمارے یہاں کی جامن سے کچھ مشابہ ہے ہر قسم کے میوے نہایت ارزان ہیں۔ انگور ۲؍ سیر تک آتے ہیں۔ سیب عمدہ سے عمدہ پیسے کے دو۔ وعلی ہذا۔

لباس اور وضع

لباس اور وضع بالکل یورپین ہی۔ ظاہری ہیئت سے کسی شخص کا مسلمان یا عیسائی ہونا معلوم نہیں ہو سکتا۔ لال ٹوپی جو ترکونکا امتیازی لباس ہو سکتا تھا۔ عیسائی اور یہودی سبب ہی استعمال کرتے ہیں اور اس وجہ سے دونوں قوموں میں امتیاز کا کوئی ذریعہ نہیں یہ طریقہ ایک اعتبار سے تو اچھا ہی کیونکہ دنیا کی مختلف قوموں میں اختلاف کے آثار جس قدر مٹتے جائیں تمدن کے لئے مفید ہے۔ لیکن سوشیل ضرورتوں میں اس سے سخت ہرج ہوتا ہے مجکو اسکی وجہ سے اکثر دشواریاں پیش آئیں اور ہمیشہ خیال آتا تھا کہ حضرت عمرؓ نے اگر عیسائیوں کو قومی لباس کی پابندی کا حکم دیا تو بہت بجا کیا تعجب یہ ہے کہ یہاں مذہبی گروہ یعنی علماء اور مدرسین بھی یورپ کے اثر سے نہیں بچ سکے ان کے پائجاموں میں پتلون کی طرح بٹن ہوتے ہیں صرف یہ فرق ہی کہ اوپر گھیر ہوتا ہے اور خوبصورتی کے ساتھ چنٹیں ہوتی ہیں۔ کرتہ یا اچکن کی بجائے صرف واسکوٹ ہوتا ہی واسکوٹ کے اوپر عبا پہنتے ہیں اور یہی امتیازی علامت ہی جو انکو اور گروہ کے آدمیوں سے الگ کرتی ہی۔ اس میں بھی یورپ کا یہ اثر ہے کہ عبا کے تکمے نہیں لگاتے اور سامنے سے واسکوٹ کھلا رہتا ہے۔ ترکی ٹوپی عموماً یہ لوگ بھی استعمال کرتے ہیں لیکن اسپر سپید کپڑے کی ایک دھجی لپٹی ہوتی ہے جسکو عربی میں لفہ کہتے ہیں اور وہ اہل علم کی خاص علامت خیال کیجاتی ہی عورتوں کے لباس کی تفصیل میں عورتونکی تہذیب معاشرت کے ذکر میں لکھونگا

جامع اور شاہی ایوانات

یہاں کی عمدہ اور یادگار عمارتیں جامع مسجدیں اور شاہی ایوانات ہیں جامع مسجدوں کا ذکر کسی قدر تفصیل کیساتھ جداگانہ عنوان سے آگے آئیگا۔ شاہی ایوانات کو یہاں سرائے کہتے ہیں۔ انکی تعداد بیس یا اکیس ہے اور سب دور دور فاصلے پر واقع ہیں یہ عمارتیں مختلف سلاطین کے عہد کی ہیں اور نہایت

عظمت وشان کی عمارتین ہیں - ایک ایوان عین لب دریا ہی جو سرتاپا سنگ رخام کا ہی اور نہایت وسیع بلند خوشنما ہی - حال میں شہنشاہ جرمن - سلطان کا مہمان ہوا تھا تو اسی ایوان مین ٹھیرا تھا -

کوئی ٹاؤن ہال نہیں

یہ بات نہایت تعجب کی ہی کہ تمام شہر میں کوئی ٹاؤن ہال نہیں پبلک گارڈن یعنی باغ عام بھی ایسا مختصر ہے کہ اس عظیم الشان دار السلطنت کے لئے کسی طرح موزون نہیں -

عدالتین

عدالتیں (بجز دو تین کے) سب یکجا واقع ہیں اور اس مجموعی عمارت کو باب عالی کہتے ہیں وزیر اعظم کا محکمہ بھی یہیں ہی - یہ عمارتیں چندان شاندار نہیں ہیں - ہائی کورٹ جسکو یہاں محکمۃ التمیز کہتے ہیں باب عالی سے فاصلہ پر ہی - میں اسکے اندر تو نہیں گیا لیکن باہر سے بڑی شاندار عمارت معلوم ہوتی ہے پولیس کمشنر کی عدالت غلطہ میں ہی - میں نے اُسکی اچھی طرح سیر کی عمارت چنداں قابل ذکر نہیں ہی - لیکن نہایت مرتب اور آراستہ ہی - اجلاس کے کمرہ میں بیش قیمت ترکی قالین بچھا ہوا ہے کرسیاں بھی نہایت خوبصورت اور موزوں ہیں معارف یعنی سررشتہ تعلیم کا محکمہ بھی میں نے دیکھا معمولی عمارت ہی لیکن صفائی اور خوش سلیقگی کی وجہ سے خوشنما معلوم ہوتی ہے -

ترقی تعلیم کالج اور اسکول

ترقی تعلیم

اس دور دراز سفر سے کتب خانوں کی سیر کے علاوہ اگر میرا کچھ اور مقصد ہو سکتا تھا تو یہاں کی طرز تعلیم اور ترقی تعلیم کا اندازہ کرنا تھا چنانچہ میں نے اُسپر بہ نسبت اور تمام باتون کے زیادہ توجہ کی اور جہانتک ہو سکا کوشش اور محنت کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا - لیکن ناظرین کو یہ امید نکرنی چاہیئے کہ میں اپنے مقاصد میں پورا کامیاب بھی ہوا اور یہ کہ میری تعلیمی رپورٹ کوئی مکمل رپورٹ ہوگی - تحقیقات کیلئے مین جو کوششین کر سکتا تھا وہ یہ تھین کہ چند بار سررشتہ تعلیم کے دفتر میں گیا افسران تعلیم سے تحقیق طلب باتین دریافت کین بڑے بڑے کالج اور اسکول خود جا کر دیکھے - ٹیچرون پروفیسرون سے ملا - کالجون کی سالانہ رپورٹین حاصل کین - لیکن یہان ان تمام کوششون پر بھی پوری کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی ترکون میں یہ عجیب دستور ہے کہ وہ ہر ایک بات کو پالٹیکس کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس وجہ سے کسی معاملہ کا منظر عام میں آنا پسند نہیں کرتے سررشتہ تعلیم کی رپورٹ جو سالنامہ کیساتھ شائع ہوتی ہی نہایت مختصر اور محض مجمل ہوتی ہی یہانتک کہ مصارف تعلیم اور پروفیسرون اور ٹیچرونکی

تنخواہوں کا ذکر تک نہیں ہوتا۔ بعض بعض کالجوں مثلاً مکتب حربیہ و مکتب سلطانی کی جداگانہ رپورٹیں شائع ہوتی ہیں۔ لیکن ان میں نتائج امتحان اور نصاب تعلیم کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔

اول اول مجکو خیال ہوا کہ چونکہ میری رسائی کے وسیلے کم تھے اس لئے یہ حالات کم معلوم ہو سکے لیکن جب میں نے خیر الدین پاشا وزیر ٹونس کی کتاب پڑھی تو تسکین ہو گئی۔ اُس نے جہاں ترکی کا ذکر کیا ہے اور اس کی تمدنی و تعلیمی ترقیوں کا حال لکھا ہے۔ نہایت اجمال سے کام لیا ہے اور یہ معذرت کی ہے کہ ودمیں نے ترکی کے جو حالات لکھے وہ انگریزی کتابوں کے ذریعہ سے لکھے ہیں اور اس وجہ سے مفصل نہ لکھ سکا۔ لیکن مسلمانوں کی تحریرات میں اس قدر بھی نہیں ملسکتا،، اس تمہید اور معذرت کے بعد میں اصل مطلب شروع کرتا ہوں۔

تعلیم کے مختلف طریقے

تعلیم قدیم

قسطنطنیہ بلکہ تمام ممالک اسلامیہ میں تعلیم کے دو طریقے ہیں قدیم و جدید۔ قدیم تعلیم ترکی حکومت کے ساتھ ساتھ شروع ہوئی۔ چنانچہ آرخان المتوفی ۷۶۱ھ نے جو اس سلسلہ کا دوسرا بادشاہ تھا ازنیق میں ایک مدرسہ قائم کیا اور یہ پہلا مدرسہ تھا جو ممالک عثمانیہ میں قائم ہوا۔ آرخان کے بعد اور سلاطین نے حوصلہ شاہانہ سے تعلیم پر توجہ کی اور سینکڑوں دار العلوم اور مدرسے قائم کئے۔ چنانچہ ہمارے رسالے مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم ہامیں اُسکی پوری تفصیل موجود ہے۔ نئی تعلیم کی تاریخ اُس وقت سے شروع ہوتی ہے جب ترکی حکومت ایشیائی قالب چھوڑکر یورپین قالب میں آئی۔ اس انقلاب کا بانی سلطان محمود تھا جسنے اول اول یورپین وضع اختیار کی اور فوج کو یورپ کے طرز پر آراستہ کیا۔ اسی مجدد نے ۱۲۵۰ھ میں مکتب حربیہ کی بنیاد ڈالی جو تعلیم جدید کا پہلا کالج تھا۔ یہ کالج اب بھی موجود ہے اور تمام حربی مدارس کا مرکز ہے سلطان محمود کے بعد سلطان عبد المجید نے ۱۲۶۱ھ میں جدید تعلیم کو زیادہ وسعت دی اور مکاتب رشدیہ قائم کئے۔ اس عہد سے اب تک یہ تعلیم نہایت وسعت کے ساتھ جاری ہے اور روز افزوں ترقی کر رہی ہے۔ تعلیم جدید کے چار درجے قرار دیئے گئے ہیں۔

ابتدائیہ۔ اسکی مدت تعلیم زیادہ سے زیادہ پانچ برس ہے لیکن ذہین اور ہوشیار طالبعلم دو تین برس بلکہ برس دو برس میں ہی اسکو ختم کر کے اوپر ترقی کر سکتا ہے۔ اس میں قرآن مجید ترکی زبان عربی کا نام خط حساب تقسیم تک سکھایا جاتا ہے۔

رشدیہ

رشدیہ مدت تعلیم تین برس۔ اس میں ترکی املا۔ مفردات فرہان ترکی۔ نحو ترکی عقائد اسلام

زبان ترکی ۔حساب چارون حصے ۔ فرنچ زبان ۔عربی ۔جغرافیہ ۔اقلیدس ۔ کاغذات، تجارت کے اصول نقشہ کشی کی تعلیم ہوتی ہے ۔یہ درجہ تقریباً ہمارے یہاں کے مڈل کے برابر یا اس سے کچھ بڑھکر ہے۔ رشدیہ کے بعد اعدادیہ ہے جسکو انٹرنس کہا جاسکتا ہے ۔اس کلاس کے طالبعلموں کی مجموعی تعداد ۱۸۹۲ء میں ۵۲۱۵ تھی ۔اس میں تمام اضلاع اور خود پایہ تخت کے مدارس شامل ہیں ۔

اعدادیہ اور اُسکے طلبا کی تعداد

اعدادیہ کے بعد خاص خاص کالج ہیں مثلاً مکتب ملکیہ ۔مکتب الحقوق وغیرہ جن کا مفصل بیان آگے آئیگا ہر قسم کے عام و خاص مدرسے جو قسطنطنیہ میں ہیں انکی تعداد پانسو ہے جنمین تیرہ بڑی بڑی کالج ہیں ۔یہ امر عموماً تسلیم کیا جاتا ہے کہ سلطان حال کے عہد میں تعلیم نے نہایت ترقی کی ہے اور روز بروز کرتی جاتی ہے سلطان کی تخت نشینی کیوقت مدارس رشدیہ کی تعداد ۹۶ تھی لیکن اب ۴۰۵ ہے ہر قسم کے نئے مدارس جو سلطان کی شانزدہ سالہ حکومت میں قائم ہوئے انکی تعداد دو ہزار ہے اسکے ساتھ اسکولوں اور کالجوں میں طالبعلموں کی تعداد اس کثرت سے بڑھتی جاتی ہے کہ ترقی تعلیم کی سال ماقبل کی رپورٹ سال مابعد سے کچھ نسبت نہیں رکھتی پروفیسر ویمبری نے اب سے چند برس پہلے ترکون کی عام ترقی پر جو لکچر دیا اس میں مکتب الحقوق (قانونی کالج) کے طالبعلمون کی تعداد تین سو بیان کی ہے ۔لیکن میں جب قسطنطنیہ میں تھا تو اس کالج میں بارہ سو طالبعلم موجود تھے ۔میں نے زمانہ قیام مصر میں قاہرہ کے مشہور اخبار المؤید میں پڑھا تھا کہ سلطان حال نے جب عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو مصارف تعلیم تین لاکھ پونڈ سالانہ تھے ۔لیکن اب آٹھ لاکھ پونڈ سالانہ ہیں یہ رقم ہمارے ہاں کے ایک کڑور بیس لاکھ کے مساوی ہے ۔حقیقت میں سلطان کو تعلیم کے ساتھ عجیب دلچسپی ہے مکتب ملکیہ اور مکتب الحقوق جو قسطنطنیہ کے نامور کالج ہیں خاص سلطان کے قائم کردہ ہیں ۔حضرت ممدوح کو ان کالجون کی طرف یہ التفات ہے کہ چند بار بنفس نفیس آنکے معائنہ کو تشریف لا چکے ہیں ۔

سلطان حال کے زمانہ میں تعلیم کی ترقی

تعلیم کے سالانہ مصارف

جس زمانہ میں میں قسطنطنیہ میں تھا ۔حضرت ممدوح نے بڑی بڑی کالجون کے طالبعلمون کی شاہانہ دعوت کی ۔قسطنطنیہ میں کاغذخانہ ایک مشہور سیرگاہ ہے جہان ہفتہ میں ایک بار تماشائیون کا مجمع ہوتا ہے یہ مقام دعوت کیلئے تجویز کیا گیا ۔اور حکم ہوا کہ ہر کالج کے لڑکے باری باری وہاں بلائے جائیں سب سے پہلے مکتب حربیہ ۔پھر مکتب ملکی (سول سروس کالج) اور دوسرے کالجون کے طلباء

مدعو ہوئے۔ طالب العلم کالج سے چلتے تھے تو سلطان کے حکم کے موافق شاہی بینڈ انکے آگے آگے بجتا جاتا تھا۔ چونکہ مصالح ملکی کی وجہ سے سلطان خود ان جلسوں میں شریک نہیں ہو سکتے تھے ہمیشہ انکی طرف سے ایک وزیر شریک دعوت ہوتا تھا اور طالب العلموں کو سلطان کا سلام پہنچاتا تھا اسوقت تمام طالب العلم بڑے جوش اور اخلاص سے بادشاہم چوق یشا کا نعرہ بلند کرتے تھے (یعنی ہمارا بادشاہ بہت زندہ رہے)

مکتب العشائر

تعلیم کے صیغہ میں ایک نہایت مفید ایجاد جو حال میں سلطان کی خاص تجویز سے ہوئی وہ مکتب العشائر کا قائم ہونا ہے۔ اگرچہ اسوقت تمام ممالک عثمانیہ میں تعلیم کو ترقی ہی لیکن اب تک عرب کے قبائل اس فیض سے قریباً بالکل محروم تھے جسکی وجہ خود انکی بے پروائی اور بدویت تھی اس ضرورت سے سلطان نے خاص قبائل عرب کی تعلیم کے لئے ایک کالج۔ اور اسکے ساتھ ایک وسیع اور مرتب بورڈنگ قائم کرنیکا حکم دیا۔ میرے زمانہ قیام ہی میں حکام اور عمال کے نام فرامین صادر ہوئے تھے کہ حجاز۔ یمن۔ دیار بکر۔ بصرہ۔ بغداد۔ طرابلس الغرب۔ حلب۔ موصل تمام میں عرب کے جو معزز قبائل ہیں انکے لڑکے انتخاب کر کے بھیجے جائیں۔ سلطان نے انکے ہر قسم کے مصارف۔ حکومت کی طرف سے دینے منظور کئے۔ ۱۲۔ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ کو یہ کالج بڑی شوکت و شان کے ساتھ کھولا گیا۔ اور افتتاحی رسمیں ادا کی گئیں۔ عربوں کی تہذیب و تربیت کیلئے ایسی عمدہ کوشش کی نظیر۔ تمام اسلامی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔

اس سے بھی زیادہ شاہانہ فیاضی کا ثبوت دار الشفقہ سے ملتا ہی جو خاص یتیموں کے لئے قائم ہوا ہی اس مدرسے میں ایک ہزار یتیم تعلیم پاتے ہیں اور سب کے سب بورڈر ہیں اس گروہ کثیر کی خوراک لباس اور تمام دوسرے ضروری مصارف کا بار سررشتہ تعلیم پر نہیں بلکہ سلطان المعظم کی ذات خاص پر ہے۔

کالجوں اور اسکولوں میں سے جو زیادہ تر قابل ذکر ہیں وہ یہ ہیں

مکتب حربیہ شاہانہ مکتب سلطانیہ مکتب ملکیہ	چونکہ میں نے ان کالجوں کو خود دیکھا ہے اور ان کے طریقہ تعلیم وغیرہ کے متعلق تفصیلی بیان جود ریافت کئے ہیں اس لئے آگے چلکر انکو جداگانہ عنوان سے لکھوں گا

مکتب الحقوق یعنی قانون کالج

اس کالج میں مضامین ذیل پڑھائے جاتے ہیں۔ فقہ۔ اصول فقہ۔ رومن لا۔ قانون تجارت۔ اصول محاکمہ۔ تعزیرات قانون بحری۔ پولٹیکل اکانومی۔ یعنی سیاست مدن۔ قوانین سلطنتہائے یورپ۔ مختصر طور پر قانون کی ایجاد کی تاریخ اور اُسکی عہد بعہد کی ترقیان طالبعلمونکی کل تعداد بارہ سو ہے جن میں چھ سو بورڈر ہیں۔

یہان کے تعلیم یافتہ منصف اور صدر الصدور وغیرہ ہو سکتے ہیں مدت تعلیم چار برس ہے۔

مکتب الہندسہ

مدت تعلیم چھ برس۔ یہ رڑکی کالج کے مشابہ ہے۔

مکتب اللسان

اس میں۔ جرمن۔ فرنچ۔ یونانی۔ ارمنی۔ لاٹین۔ اٹالین۔ روسی زبانیں سکھائی جاتی ہیں۔

مکتب الصناعۃ یعنی ٹکنیکل سکول

اس کا سالانہ خرچ ۸۲۵۰ پونڈ یعنی ۱۲۳۷۵۰ روپیہ ہیں طالبعلمون کی تعداد ۲۴۰ ہے اور یہ کل یتیم لڑکے ہیں اُنکے مصارف خود مدرسہ کے فنڈ سے ادا ہوتے ہیں۔

اسمین ابتک حدادی نجاری وغیرہ سکھائی جاتی تھی لیکن سال گذشتہ میں مہتمم مدرسہ توفیق بک آفندی نے درخواست کی کہ کلدون کا کام سکھایا جاوے۔

مکتب نواب

یہ کالج نہایت عمدہ اصول پر قائم کیا گیا ہے زمانہ ماقبل میں قاضی و مفتی جو مقرر ہوا کرتے تھے اُنکے لئے کسی قسم کی خاص تعلیم میں امتحان دینا مشروط نہ تھا۔ اب یہ قاعدہ قرار دیا گیا ہے کہ جو شخص اس کالج کا تعلیم یافتہ نہو وہ شرعی مناصب پر مقرر نہیں ہو سکتا۔ اس طریقے نے سعی سفارشون کی تقرریون کا راستہ بالکل مسدود کر دیا ہے اس کالج میں فقہ کی نہایت

	اعلی درجہ کی تعلیم ہوتی ہے۔ تعلیم جدید کی بعض چیزین بھی اضافہ کی گئی ہیں۔ تاکہ موجودہ زمانہ کی ضروریات پر واقفیت ہو۔
مکتب بحریہ	اس مین فن جہاز رانی کی تعلیم ہوتی ہے۔
مکتب الزراعة	

طریقۂ تعلیم کے متعلق چند باتیں زیادہ قابل لحاظ ہیں۔

(۱) یہ کہ قریباً تمام کالجون اور اسکولون میں فرنچ زبان لازمی ہے جسکا یہ نتیجہ ہے کہ تعلیم جدید کا معمولی تعلیم یافتہ بھی فرنچ زبان سے ناآشنا نہیں ملسکتا۔

(۲) تمام بڑے بڑے کالجون میں۔ فزکس۔ کمسٹری۔ جیالوجی وغیرہ کی تعلیم لازمی ہے اور ان علوم کی عملی مشق کرائی جاتی ہے۔ اس غرض سے ہر کالج میں کثرت سے ان فنون کے آلات مہیا رہتے ہیں۔

(۳) تاریخ کی تعلیم نہایت اعلیٰ درجے کی ہوتی ہے۔ مکتب ملکیہ کا کورس میں نے دیکھا تھا چھ ضخیم جلدون میں ہے جس میں علاوہ اور ملکوں کے یورپ کی مفصل تاریخ ہے اسکے ساتھ بڑی خوبی یہ ہے کہ اسلامی تاریخ کی متعلق یورپ کے اکثر مصنفین نے جو غلطیان کی ہیں اُنسے بحث اور اُسپر ردو قدح ہوئی ہے۔

(۴) بجز مکتب سلطانیہ کے جس مین عیسائی طالب علم کثرت سے ہیں۔ باقی اور تمام مدارس میں ہر قسم کے علوم و فنون ملکی زبان یعنی ترکی میں پڑھائے جاتے ہیں۔ تمام علوم جدیدہ کا ترکی زبان مین ترجمہ ہوگیا ہے اور وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے۔ اگرچہ یہ امر بحث طلب ہے کہ ترجمہ تعلیم کا عمدہ ذریعہ ہے یا نہیں اور ہندوستان کے بڑے بڑے نامور ارباب الرائے نے اس بحث میں نفی کا پہلو اختیار کیا ہے لیکن غالباً وہ بحث ہندوستان کیساتھ مخصوص ہے جہان کی ملکی زبان گورنمنٹ کی زبان نہیں ہے۔ ترکی زبان سلطنت کی زبان ہے اور اسکی مثال تمام دنیا میں نہیں ملسکتی کہ کسی سلطنت نے غیر قوم کی زبان میں علوم و فنون حاصل کر کے ترقی کی ہو انگلستان کی نشو و نما اس وقت شروع ہوئی جب علوم و فنون۔ لیٹن سے انگریزی زبان مین منتقل ہوکر آئے اور کچھ شبہہ نہیں کہ ترکی کی ترقی بھی اگر ہوسکتی ہے تو ملکی ہی زبان کے ذریعہ سے ہوسکتی ہے

(۵) تعلیم و تربیت کے معاملہ میں جو چیز سب سے زیادہ قابل قدر اور قابل عزت ہے وہ بورڈنگ سسٹم ہے حقیقت یہ ہے کہ ٹرکی نہایت فخر سے اس بات کا دعوی کر سکتی ہے کہ اسنے بورڈنگ کا جو طریقہ اختیار کیا ہے اس سے بہتر نہیں ہوسکتا۔ تمام بڑے بڑے کالجوں کے ساتھ بورڈنگ ہیں اور انمین نہایت کثرت سے

طلبا رہتے ہیں - لیکن یہ التزام ہی کہ غذا - لباس - وضع - مکان - فرنیچر - تمام چیزین ایک ہی ہون اور طالبعلمون کی حالتوں میں فرق مراتب کا کوئی شائبہ نہو - بورڈنگ کا کرایہ اور خوراک کی جو فیس لیجاتی ہے اسکے ساتھ کپڑون کے دام بھی لئے جاتے ہیں اور طالب علمون کے کپڑے خود کالج کے اہتمام سے تیار ہوتے ہیں تمام لڑکے میز اور کرسیون پر کھاتے ہیں اور ہر چیز میں تکلف اور صفائی خوش سلیقگی کا نہایت اہتمام کیا جاتا ہی فیس کی تعداد کسی کالج میں ۵ پونڈ سالانہ سے کم نہیں ہے اور مکتب سلطانیہ مین ۴۰ پونڈ یعنی چھہ سو روپیہ سالانہ ہے -

ترکون کی یہ عجیب قابل قدر فیاضی ہے کہ باوجود زیادتی فیس کے غربا ان کالجون کے فیض سے محروم نہیں ہیں - ہر کالج میں غریب طالب علمون کی معتدبہ تعداد ہی اور دولتمند ترکون کی طرف سے انکو اسقدر امداد دیجاتی ہے کہ وہ کالج کے تمام مصارف ادا کر سکتے ہیں مکتب سلطانی جسکی فیس چالیس پونڈ سالانہ ہی اس میں ۲۰۰ طالب علم غریب اور کم مقدور ہیں انمین سے ڈیڑھ سو طالب علمونکی فیس امرا اور ارکین حکومت ادا کرتے ہیں اور پچاس کی سلطان اپنی جیب خاص سے عطا فرماتے ہیں - اس کا یہ اثر ہی کہ کالج کے احاطہ میں جاکر کوئی شخص کسی طرح تمیز نہیں کر سکتا کہ فلان طالبعلم غریب اور کم مقدور ہی طالبعلمون کی یکسان حالت - ان مین اتحاد اور قومیت کا نہایت قوی خیال پیدا کرتی ہی - اور غربا کو اعلیٰ درجے کی معاشرت کا حاصل ہونا - ان میں حوصلہ مندی اور بلند نظری کا مادہ پیدا کرتا ہی یورپ کے بڑے بڑے کالجون میں یہ بڑی کمی ہی کہ کم مقدور لوگون کو انکی فیاضی سے چندان فائدہ نہیں پہونچتا - ترکون نے اسی نقصان کا تدارک کیا ہے اور نہایت خوبی سے کیا ہے -

بورڈنگ کا یہ طریقہ دیکھکر مجکو اپنا مدرستہ العلوم یاد آتا تھا - اور میں اُس کے بورڈنگ کے اختلاف مراتب پر افسوس کرتا تھا - لیکن میرا افسوس درحقیقت مدرستہ العلوم کی حالت پر نہ تھا بلکہ قوم کے اُن بزرگون پر تھا جنکو خدانے دولت اور مقدور دیا ہی لیکن یہ توفیق نہیں دی کہ اپنی فیاضی سے اس بات کی کوشش کرین کہ ہماری تعلیم گاہ میں غربا اور اہل مقدرت ایک ہی بلند سطح پر نظر آئین مین علانیہ کہتا ہون کہ ہمارے قومی کالج میں جو چیز سب سے زیادہ ضروری اور نہایت ضروری ہی وہ یہ ہے کہ تمام طالب علموں کا لباس - وضع خوراک - مکان - فرنیچر - کلیتہً ایک کر دیا جائے اور جو مختلف سطحین آج کالج میں قائم ہیں بالکل مٹا دی جایئں اگر یہ نہیں تو کالج میں قومیت کی روح نہین

یہاں کالجون اور اسکولوں میں ایک اور جدت ہی اور نہایت مفید اور کارآمد ہی وہ یہ کہ ہر طالبعلم کی کوٹ کے گریبان پر سنہری گلابتون میں اُس کالج یا اسکول کا نام کڑھا ہوا ہوتا ہی جس میں وہ تعلیم پاتا ہی۔ گلابتون کے حرف ابھرے ہوئے اور اعلی درجے کے خط نسخ کے مطابق ہوتے ہیں چار بجے کے قریب کالجون اور اسکولوں کی گذرگاہوں پر جاؤ تو عجیب دلفریب سیر نظر آتی ہے غول کے غول لڑکے مدرسون سے نکلکر متعدد صفحوں میں تقسیم ہوجاتے ہیں اور اس ترتیب اور انتظام سے چلتے ہیں کہ گویا باقاعدہ فوج جارہی ہی لڑکونکا سُرخ وسفید رنگ اُسپر سیاہ کوٹ اور کوٹوں کے گریبانوں پر کالجوں کا زریں طغرا اس قدر خوشنما معلوم ہوتا ہے کہ بیان سے باہر ہے۔

اس طریقے سے علاوہ زیب و زینت اور شان وشوکت کے ایک بڑا فائدہ یہ ہی کہ طالب علم سیر و تماشے کی غرض سے بازار میں نکلتے ہیں تو کوئی نامناسب حرکت نہیں کرسکتے۔ کالج کا لباس جس کا ہر وقت پہنا لازمی ہی پہچنوا دیتا ہی کہ وہ طالب علم ہیں۔ اسلئے خواہ مخواہ اُنکو کالج کے ناموس کا لحاظ کرنا پڑتا ہی۔ اسپر بھی اگر کوئی لڑکا کسی ناروا صحبت میں شریک یا کسی بیہودگی کا مرتکب ہو تو پولس میں پکڑ کر اُسکو اس کالج یا اسکول میں پہنچا آئے گا۔ جہان وہ تعلیم پاتا ہے۔

یہان کے بورڈنگ سسٹم میں بظاہر ایک نقصان معلوم ہوتا ہی۔ وہ یہ کہ الگ الگ کمرے نہیں ہوتے بلکہ پچاس پچاس ساٹھ ساٹھ لڑکون کے لئے ایک بڑا حال ہوتا ہے جسمین اُن کی تعداد کے موافق پلنگ بچھے ہوتے ہیں۔ ہر پلنگ کے سرہانے ایک چھوٹی سی الماری ہوتی ہی جس میں معمولی کپڑے اور کتابین آجاتی ہیں۔ مین نے اول اول یہان کے بورڈنگ دیکھے تو فی الجملہ ان کی حقارت کا خیال پیدا ہوا خصوصاً اس وجہ سے کہ مدرستہ العلوم کے پر تکلف اور آراستہ کمرے میری آنکھوں کے سامنے تھے۔ لیکن زیادہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ طریقہ فائدے سے خالی نہیں اگرچہ اس مین شبہہ نہیں کہ اس کمی کی اصلی وجہ کثرت آبادی اور کافی زمین کا نہ میسر آنا ہی۔ لیکن اُن فوائد کے لحاظ سے جو بغیر اس خاص طریقے کے حاصل نہیں ہوسکتے اگر یہ دعوے کیا جائے کہ قصداً ایسا کیا گیا ہے اور ایسا ہی مناسب تھا تو کچھ بیجا نہ ہوگا۔

اس طریقے سے جو نہایت مفید کام لیا گیا ہی وہ یہ ہی کہ تمام بورڈرون کی روزانہ زندگی یکساں اصول پر قائم کی گئی ہی۔ مثلاً صبح ہوئی اور چوکیدارون نے جو تمام رات سونیکے کمرے میں ٹہلا کرتے ہیں تمام

بورڈون کو جگا دیا - دیوار میں لڑکوں کی تعداد کے موافق ٹونٹیاں لگی ہیں اور اُنکے نیچے پکی نالی بنی ہے تمام لڑکے وہاں جاکر ایک ساتھ بیٹھ گئے - لڑکوں کے ایک ساتھ آنے جانے کا اس قدر التزام ہی کہ بعض بعض کالجوں میں ایک کل ہی جسکے پھرانے سے تمام ٹونٹیوں کا منہ ایک ساتھ کھل جاتا ہی جب تمام لڑکے آجاتے ہیں تو نوکر اس کل کو پھراتا ہی اور وقت مقررہ کے گذرنے پر بند کردیتا ہے اگر کوئی لڑکا دیر کرکے آئے تو اُسکو واپس جانا ہوگا کیونکہ صرف ایک شخص کیلئے بہت سا پانی ارزان نہیں کیا جا سکتا - ہاتھ منہ دھوکر تمام لڑکے ریڈنگ روم میں (جو کتب بینی کے لئے مخصوص ہے اور جہان ایک نگراں معلّم موجود رہتا ہی) جاکر بنچوں پر بیٹھ گئے اور سبق کے یاد کرنے - یا مطالعہ کے کرنے یا لکھنے میں مصروف ہوئے تمام طالبعلم ایک ساتھ اُٹھ کر کھانے کے کمرے میں گئے - کھانے کے بعد کالج کی گھنٹی ہوئی اور سب کالج کے کمروں میں جا بیٹھے - رات کو بھی تمام طالبعلم ایک ہی کمرے (ریڈنگ روم) میں پڑھتے ہیں اور جب سونیکا وقت آتا ہی تو سب ساتھ اُٹھکر سونیکے کمرے میں چلے جاتے ہیں - غرض سو کر اُٹھنا - ہاتھ منہ دھونا - سبق مطالعہ کرنا - کھانا کھانا کھیلنا نماز کا پڑھنا اور رات کے دس بجے اپنے اپنے پلنگ پر جاکر پڑ رہنا یہ سارے کام تمام طالب العلموں کو ایک ساتھ کرنے پڑتے ہیں - اس طریقے سے حفظ اوقات کی عادت ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ وہ طبیعت ثانیہ بن جاتی ہی - اس طریقے کیلئے ضرور ہی کہ ایک ایک کمرے میں پچاس پچاس ساٹھ ساٹھ طالب علم کے رہنے کا انتظام کیا جائے - ورنہ الگ الگ کمروں میں تمام کاموں کے ایک ساتھ انجام پانیکا کسیطرح انتظام نہیں ہو سکتا ہمارے کالج میں ظہور حسین وارڈ جو ابھی قائم ہوا ہی اسی اصول پر قائم ہوا ہی -

تعلیم کی وسعت اور ترقی کے متعلق اگرچہ یہ کچھ اہتمام ہی تاہم چونکہ نئے طریقہ تعلیم نے حال میں رواج پایا ہی اس لئے ابھی بہت سی باتوں کی کمی ہی جسکی نسبت امید ہی کہ رفتہ رفتہ پوری ہو جائے گی - ان میں سے ایک یہ ہی کہ کسی کالج بلکہ تمام شہر میں کوئی ڈبیٹنگ کلب اور علمی انجمن نہیں ہی اسلئے طالب علموں کو تقریر کا ملکہ بہم پہنچانے کا کوئی موقع نہیں ملتا اسکا نتیجہ یہ ہی کہ ان کالجوں کے ڈگری یافتہ مجمع عام میں کسی مضمون پر لکچر یا اسپیچ نہیں دیسکتے اسی کا یہ بھی اثر ہی کہ تعلیم یافتہ گروہ میں ابھی تک وہ زندہ دلی - آزاد خیالی - حوصلہ مندی - بلند نظری - نہیں پیدا ہوئی ہی جو نئی تعلیم کا لازمہ ہے -

ئی تعلیم میں بعض باتون کی ابھی تک کمی ہے -

ایک بہت بڑا نقص یہ ہی کہ کالجوں اور بڑے بڑے اسکولوں کا وجود دار الخلافہ کی شہر پناہ تک محدود ہی بڑے بڑے شہروں میں اگرچہ کثرت سے مدرسے قائم ہوگئے ہیں لیکن وہ عموماً ابتدائیہ اور رشدیہ یعنی اوسط درجے کے مدارس ہیں۔ جہانتک میری واقفیت ہی بیروت دمشق حلب۔ بیت المقدس میں ایک بھی ایسا علمی مدرسہ نہیں جسپر کالج کا لفظ صادق آسکے۔

اس سے بڑھکر یہ افسوس ہی کہ قسطنطنیہ کے تمام کالج اور دار العلوم جن کا میں نے ذکر کیا حکومت کی طرف سے ہیں۔ قوم نے ابھی تک اسطرف کچھ توجہ نہیں کی ہی۔ یعنے اتنے بڑے دار السلطنت میں ایک بھی قومی کالج نہیں۔ کوئی گورنمنٹ گو کتنی ہی مقتدر اور دولتمند ہو لیکن تمام ملک کی علمی ضرورتوں کی کفیل نہیں ہو سکتی۔ اگر ہو بھی توچنداں مفید نہیں جس قوم کی تمام ضرورتیں گورنمنٹ انجام دیا کرتی ہے۔ اُسکی دماغی اور روحانی قوتیں مردہ اور بے کار ہو جاتی ہیں یورپ میں جو عظیم الشان علمی کارخانے پھیلے ہوئے ہیں اُنمیں زیادہ تر قوم کا حصہ ہی انگلستان کی مشہور یونیورسٹیاں کیمبرج اور اکسفورڈ۔ قومی ہی کوششوں سے قائم ہوئی ہیں اور اس وقت تک اونھوں نے گورنمنٹ کا زیر بار احسان ہونا منظور نہیں کیا ہے۔

اس اجمالی رپورٹ کے بعد ہم بعض بعض کالجوں کا تفصیلی حال لکھتے ہیں۔

مکتب حربیہ

یہ بہت بڑا کالج بلکہ بہت بڑی یونیورسٹی ہی جسپر ترکوں کو فخر ہے اور درحقیقت وہ اس فخر کا مستحق ہے۔ اگرچہ حربی تعلیم اصطلاحی تعلیم کے مفہوم سے کسی قدر الگ ہے اور اس لحاظ سے ترقی تعلیم کے ذیل میں مکتب حربیہ کا ذکر کرنا بظاہر موزوں نہ تھا۔ لیکن اس کالج میں حربی علوم کے علاوہ طبیعات۔ کیمیا۔ ریاضی اور بالخصوص طب کی تمام شاخوں کی تعلیم اس حد تک ہوتی ہی کہ ہم اسکو اصطلاحی تعلیم کے دائرہ سے باہر نہیں کہہ سکتے یہ کالج سنہ ۱۲۵۰ھ میں سلطان محمود نے قائم کیا تھا۔ اُس زمانے کی بہ نسبت عمارت میں بہت کچھ ترقی ہوئی ہی اور نصاب تعلیم تو اس قدر وسیع اور اعلیٰ ہوگیا ہی کہ گویا وہ کالج ہی نہیں رہا۔

اس کالج کے ماتحت جس قدر حربی مدارس ہیں اُنکی تعداد (۴۶) ہی جن میں (۱۹) اعدادیہ ہیں اور (۲۷) رشدیہ جن میں کل ۹۲۲۴ طالب علم تعلیم پاتے ہیں۔

تفصیل نقشہ ذیل سے معلوم ہوگی۔

قسم مدرسہ	مدارس پائے تخت		مدارس اضلاع	
	بورڈ	غیر بورڈ	بورڈ	غیر بورڈ
اعدادی	۱۰۹۶	۰	۷۴۵	۰
رشدیہ	۱۵۵	۲۴۲۵	۱۲۸	۲۲۲۵

یہ کالج (مکتب حربیہ) بڑی عظمت وشان کا کالج ہی۔ اگرچہ قسطنطنیہ میں عام دستور ہی کہ سکرٹری مدرسہ کی اجازت کے بغیر کوئی شخص کسی مدرسہ کے احاطہ میں داخل نہیں ہو سکتا لیکن اس کالج میں اور بھی زیادہ اہتمام اور روک ٹوک ہی میں نے جب اسکی سیر کا قصد کیا تو لوگوں نے کہا کہ اسکے لئے ارادہ سنیہ یعنی خود سلطان کی اجازت درکار ہے۔ اگرچہ ممکن تھا کہ عثمان پاشا جنسے اس زمانے میں مجکو شرف ملازمت حاصل ہو چکا تھا مجکو باسانی اجازت دلاتے۔ لیکن میں نے اس کام کیلئے انکو تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا حسین حسیب آفندی پولیس کمشنر سے بے تکلفانہ ملاقات تھی انسے تذکرہ کیا بولے کہ مدرحربیہ ماذون نیتم ہا، مجبوراً مجکو ذاتی کوشش پر بھروسہ کرنا پڑا۔ اتنا معلوم ہو چکا تھا کہ مکتب حربیہ کے سکرٹری ذکی پاشا ہیں جو نہایت لائق اور اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ ہیں میں نے خیال کیا کہ بغیر کسی واسطے کے خود انسے ملنا چاہیئے۔ شیخ علی ظبیان نے بھی یہی رائے دی ہم دونوں پاشائے موصوف کے مکان پر گئے۔

اتفاق سے وہ باہر جا چکے تھے۔ آدمی نے کہا کہ ذرا ٹھیر جایئے شاید جلد آجائیں اسی اثنا میں وہ آپہنچے۔ گاڑی سے اترنے کے ساتھ انھوں نے ہماری طرف رخ کیا۔ شیخ علی ظبیان اور میں دونوں عربی لباس میں تھے۔ اگرچہ میرے سر پر ریشمی عمامہ اور کمر میں سنہری پٹی تھی لیکن قفطان اور عبا کی وجہ سے مجموعی صورت سے عرب معلوم ہوتا تھا۔ پاشائے موصوف کو اسوقت نہایت جلدی تھی سلام علیک کے ساتھ ہی جیب میں ہاتھ ڈالا اور کچھ مجیدیاں (ترکی سکہ) نکالیں پہلے تو مجکو سخت تعجب ہوا پھر خیال آیا کہ نعوذ باللہ انھوں نے ہمکو عام عربوں کیطرح گداگر سمجھا۔ اس خیال کے ساتھ مجکو نہایت رنج اور رنج کے ساتھ غصہ آیا۔ میں نے چلا کر کہا شو ھذا ما جئنا لھذا لسنا من الفقراء یعنی یہ کیا ہی ہم اسلئے نہیں آئے۔ ہم محتاج نہیں ہیں۔ پاشائے موصوف اگرچہ عربی نہیں سمجھتے تھے لیکن

چہرے کی ہیئت اور لہجۂ کلام سے سمجھے کہ یہ امر اسکو ناگوار گذرا۔ شیخ علی ظبیان کی طرف متوجہ ہو کے کہ یہ غیظ میں کیوں ہیں؟ اور چاہتے کیا؟ شیخ علی ظبیان ٹوٹی پھوٹی ترکی بول لیتے تھے۔ میرے آنے کی غرض وغایت بیان کی۔ پاشائے موصوف نہایت شرمندہ ہوئے۔ معذرت کے ساتھ کہا کہ آپ بالاخانے پر چلیے میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں بالاخانے پر چند معزز عہدہ دار جمع تھے۔ اُنھوں نے نہایت احترام کے ساتھ ہمارا استقبال کیا۔ معمول کے موافق قہوہ آیا۔ ایک ایک سے مزاج پرسی ہوئی اُن لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ میں ہندوستان کا باشندہ ہوں اور تحقیقات علمی کی غرض سے یہان آیا ہوں تو اس قدر گرویدہ ہوئے کہ ہر لفظ اور ہر ادا سے شوق اور محبت کا اظہار ہوتا تھا۔ نہایت افسوس تھا کہ میں نہ ترکی سمجھتا تھا نہ فرنچ اور وہ ان زبانوں کے سوا اور کسی زبان میں گفتگو نہ کر سکتے تھے۔ اٹھ اٹھ کر میرے پاس آ بیٹھتے تھے اور اظہار محبت کے ساتھ افسوس ظاہر کرتے تھے کہ ہم آپکی زبان نہیں سمجھتے۔ تھوڑی دیر کے بعد ذکی پاشا نے معذرت کیساتھ کہلا بھیجا کہ مجکو ضروری کام در پیش ہے۔ اس لیے میں خود نہیں آسکتا۔ لیکن میں نے ایک افسر کو حکم دیدیا ہے وہ آپ کو اچھی طرح کالج کی سیر کرادیگا۔ ان صاحب کا نام رضا بک تھا اور میرالائی کا رتبہ رکھتے تھے۔ پاشائے موصوف کی معذرت اگرچہ بہانہ پر محمول نہیں ہو سکتی تھی واقعی اُنکو بہت سے محکمے سپرد ہیں اور تمام تمام دن اُنکو دورے میں گذر جاتا ہے لیکن اس میں شبہہ نہیں کہ اُنکو اپنی حرکت پر سخت ندامت ہوئی تھی اور یہ بھی اُنکے نہ آنیکا ایک سبب تھا۔

مجکو اس بات کے معلوم ہونے سے کہ یہان علما اور متصوفین جب کسی امیر یا عہدہ دار سے ملتے ہیں تو اسی غرض سے ملتے ہیں کہ ابیض نورانی ہاتھ آئے ذکی پاشا کی بدگمانی کا رنج تو جاتا رہا لیکن اس فرقے کے حال پر بہت افسوس ہوا۔ نذر و نیاز کے طریقے کو میں ہندوستان کے ساتھ مخصوص سمجھتا تھا لیکن افسوس یہاں بھی اس سے نجات نہیں پائی۔

قصہ مختصر رضا بک کے ساتھ ہم مکتب حربیہ کو گئے۔ دروازہ پر پہرہ تھا۔ سپاہیوں نے فوجی قاعدے سے سلام کیا۔ اندر داخل ہوئے تو کالج کیا ایک مستقل آبادی تھی رضا بک پہلے اپنے خاص کمرے میں لے گئے۔ وہان کے اور چند عہدہ دار موجود تھے اُنسے تعارف ہوا۔ معمول کے موافق قہوہ آیا تھوڑی دیر کے بعد رضا بک نے کہا کہ کھانے کی گھنٹی ہو چکی ہے۔ آئیے سب سے پہلے آپ کو کھانے کے کمرے کی سیر کرائیں۔ چونکہ اس وقت ڈرائینگ روم (کھانے کا کمرہ) اور اُسکے متعلق جو عمارتیں ڈاکٹر نے سرسیّد

لڑکوں کا کھانیکے کمرے کو جانا

تعمیر ہو رہی تھیں۔اس نئے کالج کے سلسلہ عمارت سے کسی قدر فاصلہ پر ایک مکان عارضی طور پر بنایا
گیا تھا اور کالج سے اس عمارت تک صاف اور ہموار سڑک تیار کی گئی تھی۔لڑکے اپنے اپنے کمروں سے
نکلکر ڈائننگ ہال چلے تو عجیب دلفریب سما نظر آیا۔پانچ چھ چھ لڑکون کی تیس چالیس صفیں تھین
اور اس ترتیب و انتظام کے ساتھ جا رہی تھین کہ گویا باقاعدہ فوج مارچ کر رہی ہی۔وضع اور لباس
بالکل ایک سا تھا اور چونکہ تمام لڑکے ترک یا شامی عرب تھے رنگ اور روپ میں بھی چندان فرق
نہ تھا۔تعجب یہ ہی کہ اس گروہ کے ساتھہ نہ کوئی افسر تھا نہ انکو ہمارا آنا معلوم تھا تاہم انکی کوئی
کوئی حرکت ترتیب و انتظام کے خلاف نہ تھی اور شور غل کا مطلق نام نہ تھا۔جب ہم کمرے
کے اندر داخل ہوئے تو تمام لڑکے میز پر بیٹھہ چکے تھے ہال نہایت وسیع اور خوبصورت تا اور
چھت پر طلائی کام تھا۔دو تین قسم کے کھانے تھے اور ترکی طریقے کے موافق چار چار لڑکون کے
بیچ میں ایک ایک قاب تھی۔چھری کانٹے نہ تھے۔صرف چمچے تھے۔لیکن لڑکے کھاتے اس خوش
سلیقگی سے تھے کہ نہ کسی کا ہاتھہ بھرتا تھا نہ میز کی چادر پر کہیں دھبہ پڑ سکتا تھا۔غالباً لڑکوں
پر صفائی و پاکیزگی کی سخت تاکید ہے۔چار پانچ سو لڑکے جو ہال میں موجود تھے یہ معلوم ہوتا
تھا کہ ابھی کپڑے بدل کر آئے ہیں۔ہم جدھر گذرتے بعض بعض لڑکے کھڑے ہو جاتے اور کہتے
تفضل یا مولانا انکے اصرار سے ہمنے دو ایک لقمے کھائے کھانا برا نہ تھا۔لیکن ہم ہندوستانی
قورمہ ڈھونڈھتے تھے وہ یہان کہان۔؟ کھانے کے کمرے سے نکلکر تھوڑی دیر تک ہم ادھر ادھر
پھرتے رہے یہاں تک کہ کالج کی گھنٹی ہوئی اور لڑکے لکچر روم کو چلے گئے۔

لکچر روم

لکچر روم (تعلیم کے کمرے) ہمارے ہندوستانی قطع کے نہیں ہیں۔دور تک سیدھی قطاریں بہت سے کمرے ہیں
جنکی قطع عام مکانات کی سی ہی۔پروفیسر ایک بلند چبوترے پر بیٹھتا ہی بعض بعض چبوترونکے گرد لکڑی کا کٹہرا
بھی تھا رضا بک اور انکے ساتھہ ہم جس کمرے میں چلے جاتے ایک لڑکا اٹھکر "دوبق" کا لفظ بلند آواز سے کہتا اس آواز کیساتھ
تمام لڑکے کھڑے ہو جاتے اور ہاتھہ کے اشارے سے سلام کرتے۔معلوم ہوا کہ کالج کا جب کوئی افسر آتا ہے تو لڑکے اسی طرح اسکی
تعظیم بجا لاتے ہیں۔رضا بک ہمکو تمام پروفیسروں سے انٹرڈوس کراتے تھے لیکن افسوس یہ تھا کہ ہم کسی کی زبان نہیں سمجھ سکتے
حمام۔چھاپہ خانہ۔نقاش خانہ اور اس قسم کی بہت سی عمارتین جو کالج کے احاطہ میں ہیں ہم نے
سب کی سیر کی یہ عمارتین اس کثرت سے ہیں کہ قریباً دو گھنٹے تک ہم برابر پھرے تب کہین جا کر ختم ہوئین

تشریح کی تعلیم کا کمرہ نہایت وسیع ہے اور اعمال تشریحی کے سامان کثرت سے جمع ہیں۔ نقشہ کشی
اور مصوری کے جو نمونے میں نے یہان دیکھے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ چھاپہ خانہ میں ایک ایجاد یہ دیکھی کہ
جغرافیہ کا نقشہ بجائے کاغذ کے پتھر پر بنا کر چھاپا جاتا تھا۔ جو نقشہ اُس وقت تیار ہو رہا تھا نہایت
گنجان اور باریک تھا اور درحقیقت بڑی دیدہ ریزی کا کام تھا۔

طالب علمون کی تفریح کیلئے ایک خوبصورت حوض بنا ہے جسمین مختلف رنگ کی مچھلیان پڑی
ہیں اور جابجا بنچین اور کرسیان بچھی ہیں۔ پروفیسرن اور ٹیچرون کیلئے ذرا فاصلے پر الگ حوض ہے
چونکہ چلتے چلتے تھک سا گئے تھے ہم نے وہان دم لیا اور دیر تک صحبت رہی۔ رجب آفندی جو ترکی
زبان کی انشا سکھانے پر مامور ہیں اور فارسی زبان جانتے ہیں آخری دورے میں ہمارے ساتھ ہولئے تھے
ان کے ذریعہ سے کالج کے معزز افسرن سے بے تکلف بات چیت ہو سکتی تھی۔ پروفیسرن اور طالب علمون
نے مجھ سے جس خوش اخلاقی اور اسلامی محبت کا برتاؤ کیا میں اُسکی کیفیت بیان نہیں کر سکتا۔ اس
بات کا نہایت افسوس رہا کہ جس دن ہمنے کالج کو دیکھا وہ عملی تعلیم کا دن نہ تھا اس وجہ سے فوجی مشقین
یعنی قواعد نشانہ بازی۔ شہسواری۔ مورچہ بنانا۔ دمدمے طیار کرنے اور اس قسم کی کوئی چیز نہ دیکھ سکے
ممکن تھا کہ کسی اور دن جا کر دیکھتے لیکن ہماری قیام گاہ سے کالج اس قدر دور تھا کہ پھر ہمت نہوئی

پروفیسرون کا اخلاق

اس کالج میں تعلیم کی متعدد شاخین ہیں۔

تعلیم کی متعدد شاخین

(۱) ارکان حربیہ یہ سب سے اعلی درجہ ہے اور اسکی مدت تعلیم تین برس ہے۔ اسکی دو شاخین ہیں فنی
وعسکری۔ فنی میں مضامین ذیل پڑھائے جاتے ہیں۔ تقسیم اراضی وہیئت۔ نظریات جر ثقیل۔
معماری۔ زبانہائے فرنچ وجرمن وروس۔ قلعون کا محاصرہ اور اُسکے اصول جنگ۔ فوجی ٹیلیگراف
وظائف ارکان حرب۔ فوجی ایجادین۔ عملیات۔ اشکال معماری۔ سفرمینا۔ ممالک عثمانیہ کی سٹرکیں
اور کل ممالک یورپ کی ریلوے لائینین۔ فن اسلحہ ثقیلہ علم طبقات الارض۔ یورپ کی فوجون کی ترتیب
اور اصول۔ دنیا کی مشہور لڑائیان اور فوجی اصول کے لحاظ سے انکی کیفیت وقوع اور فتح و
شکست کے اسباب کی تحقیق۔ اقلیدس۔ جبر مقابلہ۔ بلوغرافیا۔ فن اسلحہ خفیفہ کتابت۔ تاریخ
فن حرب۔ تصویر کشی۔

ارکان حرب

عسکری میں بھی اکثر یہی مضامین ہیں اسکے ساتھ ساتھ بعض جدید مضامین بھی ہیں جو

مضامین ان دونوں درجوں میں پڑھائے جاتے ہیں ان میں سے اکثر کی ابتدائی تعلیم رشدیہ اور اعدادیہ میں ہوچکتی ہی۔ ان درجوں میں صرف انکی تکمیل ہوتی ہی اور یہی وجہ ہے کہ تین برس میں اس قدر مختلف مضامین کی تحصیل ہوسکتی ہی۔ رشدیہ سے اس درجے تک کی تعلیم کی کل مدت دس برس ہی۔

سواری

(۲) سواری کی تعلیم۔ اسکی مدت تعلیم تین برس ہے اور علاوہ علمی مشقوں کے مضامین ذیل کی تعلیم ہوتی ہی۔ ہندسہ رسمیہ۔ پلوغرافیا نظری وعملی۔ زبانہائے فرنچ وجرمن وروس۔ کیمیا فن اسلحہ۔ فوجی ایجادات۔ جغرافیہ اے عسکری۔

پیادہ

(۳) پیادہ۔ مدت تعلیم تین برس۔ اس میں علاوہ عملی مشقوں کے جغرافیہ فوجی۔ فن اسلحہ جرمن وفرنچ وروسی زبانیں۔ فوجی ایجادات۔ استحکامات حقیقہ۔ حفظ الصحۃ کی تعلیم ہوتی ہے۔

بیطاری یعنی جانوروں کا علاج

(۴) بیطر یعنے طب حیوانات۔ مدت تعلیم چار برس۔ مضامین درسیہ یہ ہیں۔ عام امراض فن ولادت۔ فن فروسیت۔ امراض داخلیہ۔ امراض متولیہ۔ فن جراحی۔ امراض خارجیہ۔ فرنچ زبان کتابت۔ کیمیائے عضوی۔ مفردات طب۔ تشریح۔ منافع الاعضا۔ نباتات۔ علم الحیوانات۔ کیمیائے غیر عضوی۔ علم الارض والمعادن۔ ان چاروں صیغوں میں قریباً چھ سو لڑکے زیر تعلیم ہیں اور اُنکو سند حاصل کرنے کے بعد حسب مراتب۔ افسری کے عہدے ملتے ہیں انکے نیچے۔ اعدادیہ اور رشدیہ کی کلاسین ہیں جنکی مدت تعلیم سات برس ہے۔ اور تاریخ۔ جغرافیہ۔ حساب اقلیدس طبیعات۔ کلوں کا کام اور اس قسم کے مضامین کی تعلیم ہوتی ہی۔ کل طالب علم جو کالج کی مختلف شاخوں میں تعلیم پاتے ہیں۔ تعداد میں پندرہ سو ہیں جن میں سے ایک ہزار بورڈر ہیں پروفیسر و اسسٹنٹ پروفیسر و ٹیچر ۸۰ ہیں جن میں سے اکثر کالج ہی کے احاطہ میں سکونت رکھتے ہیں۔ اکثر

پروفیسروں اور ٹیچروں کی تعداد

پروفیسر اعلیٰ درجے کے تعلیم یافتہ اور معزز عہدہ دار ہیں ان میں سے چھ شخص پاشا کا منصب رکھتے ہیں جنکے نام یہ ہیں۔ ثروت پاشا۔ سکرٹری۔ فائق پاشا پروفیسر کیمیا عضوی۔ ہنر پاشا پروفیسر تعلیم سواری۔ تفوق پاشا۔ پروفیسر طبقات الارض شاکر پاشا پروفیسر ارکان حرب عثمان پاشا پروفیسر زبان جرمن۔ نو۔ پروفیسروں کو میر الائی کا رتبہ حاصل ہے۔

مکتب سلطانی

یہ بھی قدیم کالج ہے اور مکتب حربیہ کے سوا تمام کالجوں سے ممتاز ہے یہ غلطہ سرائے میں واقع ہی

جہان یورپین تاجر زیادہ آباد ہیں اور اس وجہ سے تمام اور کالجون کی نسبت عیسائی لڑکے اسمین زیادہ ہیں
مجکو افسوس ہی کہ جسوقت میں نے اس کالج کو دیکھا تعطیل کا زمانہ تھا اور بجز دو تین عہدہ دارون یعنی
سکرٹری اور نائب سکرٹری وغیرہ کے اور کوئی افسر موجود نہ تھا کالج کی عمارت دو منزلہ ہی بورڈنگ
اور لکچرز روم سب اوپر کے درجے میں ہیں - علم الحیوانات کی تعلیم کیلئے نہایت وسیع کمرہ ہی جس میں
کثرت سے ہر قسم کے مردہ جانور اور بڑے بڑے مردہ جانورون کے ڈھانچے ہیں - وہیل مچھلی کا ڈھانچہ
مین نے اس سے پہلے کہیں نہیں دیکھا تھا کیمیا اور الکٹرسٹی کے تجربون کے لئے کثرت سے
بیش قیمت آلات مرتب اور مہیا کئے گئے ہیں -
یہ بات مجکو نہایت پسند آئی کہ بیمار بورڈرون کیلئے ایک نہایت وسیع ہال آراستہ ہی جسمین کثرت
سے پلنگ وغیرہ موجود ہیں اور متعدد خدمتگار ہر وقت حاضر رہتے ہیں اس طریقے سے ڈاکٹر کو
لڑکون کے علاج اور تیمارداری میں آسانی ہوتی ہی - وہ ایک ہی وقت میں تمام بیمارون کو دیکھ
سکتا ہے ورنہ الگ الگ کمرے ہون تو ایک ایک بیمار کے پاس پہنچنا - اور کافی طور سے اُنکی
برداخت اور خبرگیری کرنی سخت مشکل ہو -
اس کالج کا صرف ۱۰۸ ہزار پونڈ یعنی دو لاکھ ستر ہزار روپیہ سالانہ ہی لیکن اس میں غریب طالب
علمونکی اسکالرشپ کی رقم بھی شامل ہی - طالب علمون کی مجموعی تعداد آٹھ سو ہی جنمین زیادہ تر بورڈر
ہیں - بورڈرون کی خوابگاہ کا کمرہ نہایت وسیع و شاندار اور خوش فضا ہی - بورڈنگ کا جو دستور العمل
ہے اسکے چند دفعات کا خلاصہ ذیل میں درج ہے -
(۱) تمام بورڈرون کی خوراک - کپڑے - بچھونے - کتاب - کاغذ قلم وغیرہ کالج کیطرف سے مہیا کیا جائیگا
(۲) بورڈر سے ۴۰ پونڈ سالانہ (چھہ سو روپیہ) فیس لیجائے گی -
(۳) ایسے طالب علم بھی داخل ہو سکتے ہیں جو دو ثلث یا ایک ثلث فیس ادا کر سکتے ہیں یا بالکل
نہیں ادا کر سکتے لیکن اُنکی تعداد معین ہوگی جو ہر سال کے شروع میں ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن
کے محکمہ سے استفسار کرکے قرار دیجائیگی (یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس قسم کے طلبہ کی بقیہ فیس سلطان و
امرائے شہر ادا کرتے ہیں اور اس وجہ سے خوراک - لباس - فرنیچر وغیرہ کے لحاظ سے انمین اور ذی
مقدور طالبعلمون مین کسی قسم کا فرق محسوس نہیں ہو سکتا)

(۴) داخلے کیوقت ہر طالبعلم سے کپڑونکی بابت ۱۵ پونڈ یعنی دوسو پچیس روپیے لئے جائیں گے۔

(۵) وہ طالب علم جو رات کو بورڈنگ میں نہیں رہتے انکی فیس ۲۰ پونڈ سالانہ ہی اور کسی حالت مین وہ گھٹ نہیں سکتی۔

(۶) غیر بورڈرون کی فیس ۱۰ پونڈ سالانہ ہی اور کسی حالت میں وہ کم نہیں ہو سکتی۔

(۷) بورڈروں کو ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ اپنے گھر جانے کی اجازت ملیگی جانے اور آنے کیوقت ایک معتبر ملازم کا انکے ساتھ ہونا ضرور ہے۔

(۸) کوئی بورڈر ایک ہفتہ میں دس قرش (سوا روپیہ) سے زیادہ اپنے پاس نہیں رکھہ سکتا تعلیمی حیثیت سے اس کالج میں جو خصوصیت ہی وہ یہ ہی کہ تمام علوم وفنون فرنچ زبان میں پڑہائے جاتے ہیں۔ اور اس وجہ سے اکثر پروفیسر فرنچ یا جرمن ہیں اسکے ساتھہ ترکی زبان کی تعلیم نہایت اعلیٰ درجے کی ہوتی ہی عربی وفارسی کی تعلیم بھی لازمی ہی۔ گو اعلیٰ درجے کی نہیں۔ باقی زبانیں۔ یونانی ارمنی انگریزی۔ جرمنی۔ اٹالین۔ لیٹن۔ درس میں داخل ہیں اور بہت سے لڑکے پڑھتے بھی ہیں۔ لیکن ان کی تعلیم اختیاری ہے لازمی نہیں۔

ترکی وعربی وفارسی میں علاوہ علم ادب اور قرآن مجید کے جن مضامین کی تعلیم ہوتی ہی وہ یہ ہیں عقائد۔ فقہ۔ اخلاق۔ تاریخ۔ دولت عثمانیہ۔ قرادت۔ تجوید۔ حدیث وتفسیر۔ لیکن قرات وحدیث وتفسیر کی تعلیم چوتھے درجے سے شروع ہوتی ہی اور ہفتہ میں صرف ایک بار ہوتی ہی۔ فرنچ زبان شروع ہی سے پڑھائی جاتی ہے اور اختتام تعلیم یعنی سات برس تک برابر جاری رہتی ہے۔ نحو صرف۔ ادب کے ساتھہ اصول انشا نگاری وفن بلاغت اعلیٰ درجہ تک پڑھایا جاتا ہی اور مضامین ذیل کی تعلیم بھی اسی زبان کے ذریعے سے ہوتی ہی۔ حساب۔ جبر مقابلہ۔ جغرافیہ۔ ہندسہ۔ کیمسٹری علم الحیوانات۔ طبیعات۔ علم النبات۔ الکٹرسٹی۔ علم الاصوات۔ علم طبقات الارض۔ رسم ہندسی رسم تقلیدی۔

پروفیسرن اور ٹیچرون کی مجموعی تعداد ۳۴ ہی جنمین ۲۶ جرمنی اور فرنچ اور باقی ترک ہیں حقیقت یہ ہی کہ وسعت عمارت۔ فراہمی آلات علمی۔ وسعت تعلیم۔ اور خوبی انتظام کے لحاظ سے تمام قسطنطنیہ میں اس سے عمدہ تر کوئی کالج نہیں ہی۔ البتہ یہ افسوس ہی کہ اسکی اعلیٰ کلاسون مین

تعلیم پانے والے زیادہ تر عیسائی ہیں۔ مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے۔ شیخ عبد الفتاح آفندی نے
مجکو حال رواں کی رپورٹ نتیجۂ امتحان عنایت کی تھی اس میں جس قدر اعلیٰ درجے کے امتحانات
پاس کرنے والے ہیں اکثر عیسائی ہیں مجکو خدانخواستہ عیسائیوں کی ترقی پر حسد نہیں ہے۔ لیکن
مسلمانوں کے تنزل کا رنج ضرور ہے۔

مکتب ملکیہ

مکتب ملکیہ

یہ کالج جو یہاں کا سول سروس کالج ہے خاص سلطان کا قائم کردہ ہے اور حضرت ممدوح کو اسکی
طرف التفات خاص ہے چنانچہ دو بار بنفس نفیس اسکے ملاحظہ کو تشریف لا چکے ہیں۔
پہلے اس میں پانچ درجے تھے۔ تین ادنے اور دو اعلیٰ اس لحاظ سے کل مدت تعلیم پانچ برس تھی لیکن
تعلیم کی ہائی اسٹینڈرڈ کے قائم کرنیکے لئے دو درجے اور بڑھا دئے گئے ہیں۔ اور کل مدت تعلیم سات
برس قرار دی گئی ہے۔ اس کالج میں فرنچ کے ساتھ یونانی اور ارمنی زبان کی تعلیم بھی لازمی ہے عربی اور
فارسی بھی نصاب تعلیم میں داخل ہے لیکن لازمی نہیں۔ مضامین جنکی تعلیم ہوتی ہے یہ ہیں۔ تاریخ
جغرافیہ۔ الکٹرسٹی وغیرہ۔ طبیعات۔ پولیٹیکل اکونمی۔ اصول قانون۔ یورپ کے قوانین۔ ان تمام مضامین
کی تعلیم نہایت اعلیٰ درجے پر ہوتی ہے تاریخ کا کورس میں نے خود دیکھا چھ ضخیم جلدوں میں تھا اس کالج
کے تعلیم یافتہ بڑے بڑے اعلیٰ عہدوں پر مقرر کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ دو سو سے زیادہ اسوقت تک
ملکی عہدوں پر مقرر ہو چکے ہیں۔ جن میں سے بعض بعض نہایت بلند رتبہ کے عہدہ دار ہیں۔ طلبا جو
اس وقت کالج میں تعلیم پا رہے ہیں انکی تعداد ۶۰۰ سے زائد ہے۔

طالب علموں کی تعداد

میں نے اس کالج کی اچھی طرح سیر کی۔ کالج کے منیجر جو ایک معزز ترک ہیں۔ اگرچہ عربی نہیں سمجھتے تھے
لیکن چونکہ ترجمان میرے ساتھ تھا بے تکلف گفتگو ہو سکتی تھی۔ یہاں کے کالجوں میں میں نے یہ بات
عموماً دیکھی اور مجکو بہت پسند آئی کہ منیجر معزز رتبہ کا آدمی ہوتا ہے۔ اور اسکی طرز معاشرت سے عزت و شان
ظاہر ہوتی ہے۔ ان منیجر صاحب کا کمرہ بھی حسب معمولی مرتب اور آراستہ تھا۔ میں جسوقت کالج میں پہنچا چھٹی
کا گھنٹہ تھا۔ اور لڑکے کرکٹ کھیلنے میں مصروف تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب لڑکے کلاسوں میں گئے تو

کھانے کے کمرے کی صفائی اور آراستگی

منیجر صاحب نے مجکو کالج کے تمام کمروں کی سیر کرائی۔ کھانے کا کمرہ نہایت خوش سلیقگی سے مرتب تھا میز پر
نہایت صاف چادر بچھی تھی۔ اور کھانیکے پر تکلف برتن خوبصورتی کے ساتھ چنے تھے صراحیاں جو

طالب علموں کی تعداد کے موافق تھیں عموماً شیشے کی تھین اور گویا ہنر کی آرائش کا کام دیتی تھیں کیمسٹری
وغیرہ کی تعلیم کے کمرہ مین اعلیٰ درجے کے آلات تھے اور کثرت سے تھے۔ اسی سلسلہ عمارت مین ایک چھوٹی
سی مسجد ہی اسکی عمارت چندان قابل ذکر نہیں۔ لیکن چونکہ اندر باہر نہایت اعلیٰ درجے کا ترکی قالین
بچھا ہوا تھا خوبصورت اور مزین معلوم ہوتی تھی۔ ایک طرف دیوار پر خط نسخ کا ایک عمدہ قطعہ آویزان تھا
دریافت سے معلوم ہوا کہ سلطان عبد العزیز خان مرحوم کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہی۔ نہایت عمدہ خط ہی۔

نماز کی تیاری

اسی اثنا مین ظہر کا وقت آگیا مسلمان لڑکوں نے (عیسائی طالب علم بھی یہاں کچھ کم نہیں ہیں)
نماز کی تیاری کی وہ عموماً کوٹ پتلون پہنے ہوئے تھے۔ اور اس لباس مین انکا ادب اور متانت کے
ساتھ وضو کرنا اور وقار و احترام کے ساتھ قطار در قطار مسجد کو جانا میرے دل پر عجیب اثر کرتا تھا۔
حقیقت یہ ہے کہ مسلمان اگر مذہبی اثر سے آزاد ہو کر ترقی کرین تو ایسی ترقی سے تنزل ہزار درجے
بہتر ہے۔ نماز کے بعد تھوڑی دیر تک وعظ بھی ہوتا رہا لیکن بہت کم لڑکے اس میں شریک تھے

قدیم تعلیم اور مدارس قدیمہ

قدیم تعلیم اور مدارس قدیمہ

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں ترکوں مین تعلیم کا آغاز سلطنت کیساتھ ساتھ ہوا ہے وہی تعلیم
تھی جسکو ہم آج قدیم تعلیم کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ بے شبہ وہ کسی زمانے میں اعلیٰ درجے پر تھی خیالی
افضل الدین خونجی۔ علامہ قوشجی۔ چلپی۔ خواجہ زادہ۔ حاجی خلیفہ وغیرہ کی تصنیفات آجتک یادگار
ہیں۔ لیکن موجودہ تعلیم پستی کی اس حد تک پہنچ گئی ہی کہ اُسکے مقابلہ میں ہمارے ہندوستان کی تعلیم
غنیمت ہی اس سفر میں جس چیز کا تصور میری تمام مسرتوں اور خوشیوں کو برباد کر دیتا تھا وہ اسی قدیم تعلیم
کی ابتری تھی۔ یہ مسئلہ آج کل ہندوستان میں بھی چھڑا ہوا ہی اور تعلیم قدیم کی ابتری پر عموماً رنج اور افسوس
کیا جاتا ہی لیکن میرا افسوس دوسری قسم کا افسوس تھا۔ ہمارے ملک کے نئے تعلیم یافتہ۔ پرانی تعلیم پر جو
رنج و افسوس ظاہر کرتے ہیں وہ درحقیقت رنج نہیں بلکہ استہزا اور شماتت ہی۔ مین اگرچہ نئی تعلیم کو پسند
کرتا ہوں اور دل سے پسند کرتا ہوں تاہم پرانی تعلیم کا سخت حامی ہون اور میرا خیال ہی کہ مسلمانوں کی قومیت
قائم رہنے کیلئے پرانی تعلیم ضروری اور سخت ضروری ہی اسکے ساتھ جب یہ دیکھتا ہوں کہ یہ تعلیم جس طریقے
جاری ہی۔ وہ بالکل بے سود اور بے معنی ہی تو خواہ مخواہ نہایت رنج ہوتا ہی۔ ہندوستان مین تو اس خیال

سے صبر آجاتا تھا کہ جو چیز گورنمنٹ کے سایۂ عاطفت میں نہ ہو اُسکی بے سروسامانی قدرتی بات ہی لیکن
قسطنطنیہ۔ شام۔ مصر میں یہ حالت دیکھکر سخت رنج ہوتا تھا۔

طالب علموں کی تعداد

قصہ مختصر قدیم تعلیم کا یہاں کثرت سے رواج ہی اور چونکہ اس قسم کے طالب علم اپنی وضع
ولباس سے صاف پہچانے جاتے ہیں اس لئے مسجدوں اور عام گزرگاہوں میں آسانی سے انکی
کثرت کا اندازہ ہوسکتا ہے بعض لوگوں نے مجھسے کہا کہ خاص قسطنطنیہ میں انکی تعداد بیس ہزار سے کم نہیں
ہی۔ انکی بسر اوقات کا جو طریقہ ہی وہ نہ صرف افسوسناک بلکہ حیرت انگیز ہی۔ یہاں کے تمام مدارس

طالب علموں کی بسر اوقات کا طریقہ

(قدیمہ) میں تین مہینے کی متصل تعطیل ہوتی ہی جسکا آغاز رمضان المبارک سے ہوتا ہی ان مہینوں
میں تمام طلبا قسطنطنیہ سے باہر چلے جاتے ہیں اور دیہات و قصبات میں پھر کر زکوۃ تحصیل کرتے
ہیں۔ یہی زکوۃ انکی سال بھر کی معاش ہی۔ بعض بعض مدرسوں میں اور وہ خال خال ہیں کچھ روٹیاں
بھی مقرر ہیں لیکن کپڑے وغیرہ کا مطلق بندوبست نہیں رہنے کے لئے مدرسوں کے حجرے ہیں
جو نہایت مختصر اور تنگ و تاریک ہیں۔

بورڈنگ

مدرسوں کی قطع یہ ہی کہ چھوٹا سا صحن اور اُسکے تین طرف چھوٹے چھوٹے حجرے ہوتے ہیں اور صحن
سقاوہ ہوتا ہی جہاں بیٹھکر وضو کرتے ہیں۔ بڑے بڑے مدرسے جو سلاطین (محمد فاتح و سلیمان وغیرہ)
نے بنوائے تھے اور آجتک قائم ہیں اُنکے حجرے وسیع اور ہوادار ہیں۔ لیکن اور تمام مدرسوں کے حجرے
ایسے مختصر اور بند بند ہیں کہ اندر جاتے ہوئے دم گھٹتا ہے باوجود ان تمام باتوں کے مجھکو ترکوں کی
علمی فیاضی کا اعتراف کرنا چاہیئے کیونکہ ہرچند کم حیثیت سہی تاہم آج سینکڑوں علمی یادگاروں کا
وجود تو ہی اور انصاف یہ ہی کہ یہ مدرسے جس زمانے کی یادگار ہیں اُسوقت کی تہذیب و تمدن کے لحاظ سے
ناموزوں بھی نہیں۔ ہمارے ہندوستان میں تو اس وسعت اور فراخی کے ساتھ کہ بجائے خود ایک
اقلیم ہے حکومت اسلام کی ششصد سالہ مدت کی ایک بھی علمی یادگار بھی موجود نہیں۔

نصاب تعلیم

تعلیم قدیم کے متعلق سب سے بڑی شکایت یہ ہی کہ تعلیم کا اسٹینڈرڈ نہایت چھوٹا رکھا گیا ہی علم
ادب کا پتہ نہیں۔ منطق و فلسفہ میں ایساغوجی اور شمسیہ انتہائی کتابیں ہیں صحاح ستہ شاید ہی کسی
مدرسے میں پڑھائی جاتی ہو۔ معانی و بلاغت و اصول فقہ کا بھی یہی حال ہی فقہ پر البتہ بہت کچھ
توجہ ہی لیکن اسکی تعلیم بھی مجتہدانہ نہیں۔ بلکہ نہایت عامیانہ اور مقلدانہ ہی۔ بعض بعض مولویوں سے میری

ملاقات تھی - وہ ایسے جزئی اور عام مسائل پر گفتگو کیا کرتے تھے کہ مجکو تعجب اور افسوس دونوں ہوتا تھا -

ترکون کی علمی حالت

ترکون کی علمی حالت

اسلام نے دنیا کے جن حصون پر حکومت کی وہان کی ملکی زبان اگرچہ بالکل مٹ نہیں گئی تو اتنا ضرور ہوا کہ علمی حیثیت کا منصب اُس سے چھین کر عربی زبان کو ملگیا - ہندوستان - فارس - اسپین افغانستان کی ملکی زبانین اگرچہ بالکل مختلف تھیں لیکن علمی زبان ہر جگہ عربی ہی رہی اور اب بھی ہی ترک بھی اس عام اثر سے مستثنیٰ نہیں ہیں لیکن اس خصوصیت میں انکو تمام اسلامی قوموں پر امتیاز حاصل ہی کہ انھوں نے عربی زبان کی اطاعت کیساتھ اپنی زبان کو بھی علمی خزانون سے محروم نہیں ہونے دیا - جس زمانے میں علوم قدیمہ کی حکومت تھی اُس زمانے میں ترکی زبان میں ان علوم کا پورا سلسلہ موجود تھا اور اب بھی ہی میں نے حیرت کی نگاہ سے دیکھا کہ تاریخ ابن خلدون - طبری - ابن خلکان - مقریزی وغیرہ جو نہایت ضخیم کتابین ہیں اور جنمین سے بعض سات سات جلدوں میں ہیں ترکی میں سب کا ترجمہ موجود ہی - بخلاف اسکے فارس اور افغانستان میں اسکی ایک نظیر بھی نہیں مل سکتی - ترکی کی اصلی تصنیفات کے علاوہ ترجمہ شدہ کتابونکا ذکر کیا جائے - تو ایک بڑی فہرست کتابوں کی تیار ہوگی -

ترکی زبان مین علمی کتابونکا ترجمہ

میرے ایک ترک دوست نے جو متعدد زبانوں کے ماہر ہیں مجھ سے بیان واقعہ کے طور پر نہ فخر یہ بیان کیا کہ فرنچ زبان کی تاریخین - ڈرامے - ناول - سفرنامے - کتب انشا و بلاغت اس کثرت سے ترکی میں ترجمہ ہوگئی ہیں کہ یہ کہنا کچھ مبالغہ نہیں ہی کہ فرانس کا پورا علم ادب ترکی زبان میں آگیا ہی - علوم و فنون جدیدہ کی بھی سینکڑوں کتابیں ترجمہ ہوچکی ہیں اور اسی کا اثر ہے کہ ٹرکی کے تمام کالجوں میں بجز مکتب سلطانیہ کے ان علوم و فنون کی تعلیم ترکی ہی زبان میں ہوتی ہے اور اعلیٰ درجہ پر ہوتی ہی -

مستقل تصنیفات کا رواج بھی کچھ کم نہیں - علوم و فنون جدیدہ کی تمام شاخوں پر کثرت سے کتابین لکھی جارہی ہیں - اور کالجون اور اسکولون میں جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں عموماً مستقل تصنیفات ہیں نہ ترجمے - مجکو اس قدر فرصت اور موقع تو کہاں ملسکتا تھا کہ تمام جدید تصنیفات سے واقفیت حاصل کرتا - البتہ اپنے مذاق کے موافق تاریخ و رجال کی کتابین دیکھین - جسکی بنا پر مین کہہ سکتا ہون کہ عربی کے بعد ایشیا کی کسی زبان میں اس قدر تاریخی سرمایہ موجود نہیں ہی بلکہ ایک لحاظ سے اُسکو عربی پر ترجیح

ترکی مین تاریخی تصنیفات

حاصل ہی عربی زبان میں جس قدر تاریخیں ہیں سادہ واقعات کا مجموعہ ہیں اور جس قدر کوشش اور اہتمام ہے صرف اصول روایت کے متعلق ہی بخلاف اسکے ترکی تاریخیں اُن اصول و قواعد کے موافق لکھی جاتی ہیں جو فلسفہ تاریخ کے اصول ہیں اور جسکی بنا پر یورپ نے اس فن کو معراج کمال تک پہونچا دیا ہی مکتب ملکیہ میں تاریخ کی کتاب جو درس میں داخل ہی میں نے اُسکو اجمالی طور پر دیکھا تمام واقعات میں علت و اسباب کا سلسلہ ملحوظ رکھا ہی اور جابجا محاکمہ اور تحقیق اور تنقید کی ہے اسکے ساتھ ہر عہد حکومت کے خاتمہ پر اُس عہد کی تمدنی - اخلاقی - علمی حالت تفصیل کے ساتھ دکھائی ہے -

بیوگرفی کا ایک نہایت مفید سلسلہ ہی جس کا نام مشاہیر رجال ہی - مشہور اہل کمال کے حالات زندگی نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے لکھے ہیں - افسوس ہی کہ یہ سلسلہ ناتمام چھوڑ دیا گیا ورنہ نہایت مفید مجموعہ ہوتا - ایک خاص قسم کی بہت بڑی انسائیکلوپیڈیا آجکل زیر تصنیف ہی جس کا نام قاموس الاعلام ہی - اس میں رجال کے علاوہ مشہور شہروں اور عمارتوں اور تاریخی مقامات کا تذکرہ ہی - عربی اور فرنچ وغیرہ کی جن تصنیفات سے اس کتاب میں مدد لیگئی ہی اُنکی فہرست اسکے ساتھ شامل ہی - میں نے عربی کتابوں کے نام پڑھے نہایت نایاب اور مستند کتابیں ہیں اور قسطنطنیہ کے سوا اور کہیں نصیب نہیں ہوسکتیں یہ کتاب حروف تہجی کی ترتیب پر ہی اور اسوقت تک ز تک پہونچی ہی

تاریخ کے ساتھ جغرافیہ کو بھی نہایت ترقی ہی - کثرت سے مفید کتابیں لکھی گئیں ہیں - مجموعی دنیا اور الگ الگ آبادیوں کے بڑے بڑے نقشے اس کثرت سے تیار کیے گئے ہیں کہ یورپ کے بعد شاید ہی دنیا کے کسی حصہ میں ہوں یہ نقشے نہایت باقاعدہ خوبصورت اور موزوں ہیں اور یورپ کے تیار شدہ نقشوں سے کسی بات میں کم نہیں - ترکوں کو اس فن سے خاص دلچسپی ہے -

ترکی تصنیفات کی کثرت کا کافی معیار میں نہیں بتا سکتا - لیکن ایکدفعہ سررشتہ تعلیم کے دفتر میں اجمالی طور پر اُن کتابوں کی فہرست دیکھی جو خاص قسطنطنیہ میں صرف ایک مہینے کے عرصے میں شائع ہوئیں انکا شمار دو ہزار کے قریب تھا - اگرچہ اس میں ارمنی - یونانی - فرنچ اور دوسری زبانوں کی کتابیں بھی تھیں لیکن زیادہ حصہ ترکی تصنیفات کا تھا - البتہ یہ افسوس ہی کہ ان میں ناول اور ڈرامے زیادہ تھے اور یہ وہی بلا ہے جو ہمارے کمبخت ملک میں پھیلی ہوئی ہی -

ٹرکی کے لٹریچر نے بھی نہایت ترقی کی ہی اور یہ عجیب بات ہی کہ وہ بہت سی خصوصیتوں میں ہماری

پستی کی حالت میں ہی - ترکی زبان کے اخبار تعداد میں تھوڑے نہیں ہیں بہت سے اخبار روزانہ ہیں اور
بڑی آب و تاب سے نکلتے ہیں - عبارت بھی بہت سادہ اور شستہ ہوتی ہے - اخبار کا مذاق بھی تمام
ملک میں پھیل گیا ہے - بہت سے قہوہ خانے اخباروں کیلئے مخصوص ہیں - جہاں ہمیشہ کثرت سے
اخبارات موجود رہتے ہیں - اور اسی وجہ سے اُنکو قہوہ خانے کے بجائے قرات خانہ کہا جاتا ہی -
یہ سب کچھ ہی لیکن جو چیز اخبار کی جان ہے یعنی آزادی اُس کا سرے سے وجود نہیں تمام اخبارات
میں بجز سرکاری احکامات اور معمولی خبروں کے اور کچھ نہیں ہوتا - اسکا یہ نتیجہ ہی کہ ترکی زبان پولٹیکل
طرز تحریر اور زور استدلال سے بالکل محروم ہے - اور حقیقت یہ ہی کہ جس زبان میں آزادی کا عنصر نہ ہو
اُس میں رفعت خیال - قوت بیان - زور کلام - جوش تاثیر کیونکر اور کہاں سے آسکتا ہی - عربی کو دیکھو
جبتک خلافت راشدہ کا زمانہ تھا اور طبیعتیں آزاد اور خود سر تھیں عربی زبان جوش اور تاثیر سے لبریز
تھی جس زمانے سے شخصی حکومت کی بنیاد پڑی اور خانداں بنو امیہ نے بڑے زور اور قوت سے
عرب کی آزادی کو پامال کر دیا زبان میں نہ وہ تاثیر رہی نہ وہ جوش رہا - بے شبہ زمانہ مابعد کا لٹریچر
کثرت معلومات کی وجہ سے نہایت وسیع اور دولتمند ہے لیکن اس زمانے کے تمام تصنیفات
چھان مارو آزادانہ طرز تحریر اور پولٹیکل جوش اور تاثیر کا پتہ نہیں ملتا -
اِن باتوں کے ساتھ مجکو یہ تسلیم کرنا ضرور ہے کہ اخبارات کا آزادانہ ہونا ترکی کے پولٹیکل حالات کا
ضروری اقتضا ہی - رعایا کا اختلاف مذہب - سلطنتہائے غیر کی رقابت - مخالفین کی دراندازیاں
اخباروں کا بات کو بتنگڑ بنانا - یورپین حکومتوں کی ہمسائگی - یہ ایسے حالات ہیں جن میں آزاد سے آزاد
گورنمنٹ بھی یہی کرتی جو ترکی نے کیا ہے - حال ہی میں فرانس کی جمہوری حکومت نے نوٹس میں اخبارات
کی آزادی کے متعلق جو احکام جاری کئے اُنکو دیکھکر کون نا انصاف ہی جو تنہا ترکی کو مورد الزام قرار دیسکتا ہی
البتہ کتابوں کے چھپنے کے متعلق یہاں جو روک ٹوک ہی وہ کسی قدر اعتراض کے قابل ہے - یہاں
عام قاعدہ ہی کہ جب کوئی شخص کوئی کتاب قدیم یا جدید چھاپنا چاہتا ہی تو پہلے وہ کتاب معارف
کے سررشتہ میں پیش کیجاتی ہی وہاں معائنہ اور تفتیش کا ایک جداگانہ صیغہ ہے - اس صیغہ کے
عہدہ دار کتاب کو اول سے آخر تک پڑھ جاتے ہیں - اور اُنکی رپورٹ کے موافق بعض اوقات کتاب کا چھپنا
روک دیا جاتا ہی یا اُسمیں حک و اصلاح کی جاتی ہے اس قاعدے کی ضرورت اس وجہ سے پیش آئی کہ بعض

اُردو کے مشابہ ہی - ٹرکی کا قدیم لٹریچر قدیم اُردو کے انداز پر رنگین پر تکلف استعارات سے مملو اور قوافی کا پابند تھا - لیکن اب نئی اُردو کی طرح - سادگی - صفائی - برجستگی کا لحاظ کیا جاتا ہی اور نئی تصنیفات بالکل اسی طرز پر لکھی جاتی ہیں - اس نئی طرز کے موجد یا اُستاد کمال بک - حامد بک - پروفیسر ناجی وغیرہ ہیں - مین نے جب ترکی پڑھنی شروع کی تو قدیم تصنیفات کے پڑھنے کا ارادہ کیا - لیکن میرے احباب نے جو میرے اُستاد بھی تھے کہا کہ قدیم و جدید ترکی میں آسمان و زمین کا فرق ہی اور قدیم زبان کا سیکھنا نئی زبان کیلئے کافی نہ ہوگا - پروفیسر ومبری نے اپنے لکچر میں جو انھوں نے ترکوں کی موجودہ شایستگی پر دیا ہی قدیم و جدید ترکی کا موازنہ کر کے موجودہ زبان کی دلاویزی صفائی - سادگی کا تعجب کے سا اعتراف کیا ہے

ترکی مصنفین

ترکی مصنفون میں جو آجکل زیادہ نامور اور ممتاز ہیں اُنکے یہ نام ہیں - احمد مدحت - جودت پاشا - پروفیسر ناجی - ابو الضیا - سامی - علی نصرت - پروفیسر ناجی شاعر ہیں - اور گویا پایہ تخت کے شاعر ہیں ملک الشعرا کا یہاں کوئی عہدہ نہیں ہی - ورنہ یہ لقب اُنھیں کو ملتا تاہم اُنکو پایہ تخت کا شاعر خیال کیا جاتا ہے احمد مدحت بہت بڑا مصنف ہی اُسنے ترکی حکومت کی نہایت مفصل تاریخ لکھی ہی جو بارہ جلدون میں ہی - اسلام پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں اُنکے جواب میں ایک مفصل کتاب لکھی ہی جو تین جلدون میں ہی اور مدافعہ اسلامیہ کے نام سے موسوم ہی - وہ ترکی - فارسی - عربی کے علاوہ فرنچ زبان مین کمال رکھتا ہی - یورپ میں جو اورینٹیل کانفرس قائم ہی اُسکے متعدد اجلاسوں میں ٹرکی کی طرف سے وہ وکیل مقرر ہو کر گیا اور اسٹاک ہالم کی کانفرس میں عربی فارسی وغیرہ کی ڈیپارٹمنٹ کی افسری اسیکو دیگئی جودت پاشا نہایت معزز شخص ہیں اور جلسہ وزرا کے ایک ممبر یعنی وزیر اوقاف ہیں اور انکا سن ساٹھ ستر کے قریب ہے اور چونکہ معمر ہونے کے ساتھ ضعیف الجثہ اور نحیف بھی ہیں جلسہ وزرا میں کم شریک ہوتے ہیں - انکی تصنیفات میں سے قواعد عثمانیہ جو ترکی نحو و صرف میں ہی درس میں داخل ہے مین ان سے ملا تھا - دیر تک صحبت رہی عربی فارسی میں بے تکلف بات چیت کر سکتے ہیں مجھسے عربی میں باتیں کرتے رہے - بڑی تعریف یہ ہی کہ باوجود دولتمندی اور عہدہ وزارت کے نہایت سادہ زندگی بسر کرتے ہیں - اور زیادہ تر علمی اشغال میں مصروف رہتے ہیں -

ترکی اخبار و رسالے

ٹرکی لٹریچر کے ذکر میں اخبارات و ماہوار رسالوں کا ذکر کرنا بھی ضرور ہی کیونکہ آجکل یہ چیزین لٹریچر کا ایک بڑا جزو خیال کی جاتی ہیں - میں افسوس کے ساتھ کہتا ہون کہ اس لحاظ سے ترکی لٹریچر

لوگ کتابون کے چھاپنے میں نہایت بد دیانتی کرتے تھے - مثلاً بیروت میں عیسائیون نے الفاظ الکتاب جو چھاپی اس میں جہاں جہاں قرآن پاک کی آیتیں تھیں اور اسلامی طریقے کے موافق عنوان کے طور پر قال اللہ یا کما فی القرآن المجید تھا سب جگہ بدل کر کما قیل یا کما قال القرآن بنا دیا - حالانکہ کسی مسلمان کے قلم سے قرآن مجید کی نسبت ایسے الفاظ نہیں نکل سکتے تھے اس سے زیادہ یہ کہ انھین عیسائیون نے قرآن مجید کا ایک انتخاب چھاپا ہے اور جہاں جہاں کسی آیت میں عیسائی روایتوں کے خلاف کسی واقعہ کا ذکر ہے قوسین میں لکھ دیا ہے کہ "یہ غلط ہے اور صحیح یوں ہے" بے شبہ ایک اسلامی سلطنت اس قسم کے تصرفات کا تحمل نہیں کر سکتی اور یہی سبب ہے کہ سلطنت کی طرف سے کتابوں کے شائع ہونے کے وقت نہایت احتیاط و تفتیش سے کام لیا جاتا ہے -

لیکن افسوس ہے کہ آجکل اسکا طریق عمل اعتدال سے تجاوز کر گیا ہے - یہ صیغہ تحریف و تبدل کی روک کی غرض سے قائم ہوا تھا مگر بعض اوقات اسنے خود تحریف و تغیر پر عمل کیا ہے میرے سامنے ایک مطبع میں شرح عقائد النسفی چھپ رہی تھی - معارف نے اس کتاب کی تمام وہ عبارت قلم زد کر دی تھی جس میں خلافت کی بحث ہے اور الائمۃ من قریش کی حدیث مذکور ہے - مطبع والے نے مجبوراً اسی قلم زد نسخہ کو چھاپا - میں نے اصل نسخہ جسپر معارف نے یہ تصرف کیا تھا دیکھا اور مجکو یاد ہے کہ اسوقت میں رنج و غصہ کی وجہ سے بے اختیار ہو گیا تھا - ان لوگون نے یہ تصرف بخیال خود سلطان کی ہوا خواہی کے جوش میں کیا ہوگا - لیکن اگر حضور ممدوح کو اس سے اطلاع ہوتی تو وہ ہرگز اسکو پسند نکرتے -

اخبارات تو جیسا میں نے اوپر بیان کیا قابل اعتنا نہیں لیکن میگزین اور ماہوار رسالے جو ترکی زبان میں نکلتے ہیں نہایت قدر کے قابل ہیں - انمین زیادہ مشہور اور معروف معارف ہے جو ہفتہ وار نکلتا ہے - اس رسالے میں ہمیشہ اعلی درجہ کے مضامین لکھے جاتے ہیں اور ترکوں میں آجکل جو لوگ علوم جدیدہ کے ماہر ہیں زیادہ تر اسی رسالے کے ذریعے سے اظہار کمال کرتے ہیں - مضامین زیادہ تر نیچرل سائینس اور آلات جدیدہ کے متعلق ہوتے ہیں اور کوئی پرچہ تصویر سے خالی نہیں ہوتا - تعداد اشاعت بھی کچھ کم نہیں - میں نے صاحب مطبع سے دریافت کیا تھا - معلوم ہوا پانچ ہزار پرچے نکلتے ہیں - معارف کے سوا اور بھی علمی پرچے ہیں اور نہایت قابلیت سے شائع ہوتے ہیں انمین رسالۂ غرتہ - مصور جہان ثروت فنون - میری نگاہ سے گذرے ہیں - یہ تمام رسالے کاغذ - خط - صفائی - غرض ظاہری آب و

ناب میں یوروپ کے مشہور رسالوں کی ہمسری کرتے ہیں۔

اس میں شبہہ نہیں کہ ترکی میں علوم وفنون کو جو روزافزون ترقی ہے اور جس کثرت سے ہر فن میں نئی تصنیفات شائع ہوتی رہتی ہیں اسکے لحاظ سے تمام ایشیائی دنیا پر اسکو فضیلت کا رتبہ حاصل ہے

چھاپے خانے

چھاپے خانے یہاں نہایت کثرت سے ہیں اور خوش خطی۔ صفائی۔ موزونی میں انکا جواب نہیں عربی خط کا جو ٹائپ ہے اور جو ایک ترکی عالم ابو الضیا کی ایجاد ہے تمام دنیا میں بے نظیر خیال کیا جاتا ہے عربی کتابیں آج دنیا میں جہاں جہاں چھپتی ہیں بیروت کی چھپی ہوئی کتابیں سب سے عمدہ تر تسلیم کی جاتی ہیں۔ لیکن خود بیروت والوں نے مجھسے بیان کیا کہ اصل میں یہ ٹائپ ترکوں کی ایجاد ہے اور ہم انکے مقلد ہیں چونکہ قسطنطنیہ میں عموماً ترکی کتابیں چھپتی ہیں اور وہ ان ملکوں میں نہیں آتیں اس لئے عام طور پر بیروت ہی کی شہرت ہوگئی ہے۔ مرفہ الحالی یا عام قدردانی کا اثر ہے کہ قسطنطنیہ میں جس قدر کتابیں چھپتی ہیں نہایت عمدہ اور قیمتی کاغذ پر چھپتی ہیں۔ بخلاف مصر ہندوستان کے جہاں جوتے صاف کرنیکا کاغذ کتابوں کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اسکی وجہ بجز اسکے کچھ نہیں کہ ان ملکوں میں لوگوں نے ابھی تک علم کی قدر وقیمت نہیں سمجھی۔

یہ افسوس کی بات ہے کہ یہاں کوئی مطبع اتنا وسیع اور اس قدر دولتمند نہیں جیسا کہ ہندوستان میں نولکشور کا مطبع ہے۔ اسکے ساتھ یہ اور افسوس ہے کہ اکثر مطابع غیر قوموں کے ہیں۔ معارف جس کا میں نے ابھی ذکر کیا اس کا مالک بھی ایک عیسائی ہے مسلمانوں کے جو مطابع ہیں ان میں ترجمان حقیقت مطبع عثمانیہ۔ شرکت صحافیہ۔ زیادہ ممتاز ہیں میں نے ان سب کی سیر کی شرکت صحافیہ اس لحاظ سے قابل ذکر ہے کہ وہ مشترک سرمایہ سے قائم ہے اور اسکے تمام حصہ دار مسلمان ہیں۔ کل سرمایہ ۱۸ ہزار پونڈ یعنی قریباً دولاکھ روپیہ ہے تمام کام انجن کے ذریعے سے ہوتا ہے۔ انجن بہت بڑا ہے اور دس بارہ کلوں کو چلاتا ہے۔ میں جس وقت پہنچا عینی شرح بخاری چھپ رہی تھی۔ دو ضخیم جلدیں اس وقت تک تیار ہو چکی تھیں مطبع والے کہتے تھے کہ ایسی ہی آٹھ اور ہیں۔ تمام قسطنطنیہ میں مسلمانوں کا یہی مشترک کارخانہ ہیں۔ ورنہ مسلمان۔ اولاً تجارت کو ہاتھ ہی کیوں لگاتے اور

کسی اتفاقی وجہ سے اس کام کو کرتے بھی تو دو چار شخص ملکر کیوں کرتے۔ اس لحاظ سے یہ مطبع ایک گونہ خرق عادت میں داخل ہے۔

کتب خانے

کتب خانے

ترتیب مضمون اور نسق کلام کی وجہ سے میں اس عنوان پر دیر میں پہنچا ورنہ ذاتی شوق اور غایت سفر کے لحاظ سے یہی مضمون تھا جسکو میں سب سے اول اور سب سے مفصل لکھتا حقیقت یہ ہے کہ ترکوں کے علمی کارنامے میں جو چیز سب سے زیادہ قابل فخر ہے وہ بھی کتب خانے ہیں۔ اسلامی دنیا کے جن حصوں میں آج تعلیم و تعلم کا چرچا ہے وہ ہندوستان۔ عرب۔ مصر۔ شام۔ بلاد مغرب۔ فارس و ایران ہیں ان میں اکثر مقامات کا علمی سرمایہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور جو نہیں دیکھا ہے وہ ایسے قوی وسائل سے معلوم ہے کہ دیکھنے کے برابر ہے۔ اس بنا پر میں کافی یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ تمام اسلامی دنیا میں قسطنطنیہ عربی تصنیفات کا سب سے بڑا مرکز ہے۔

کتب خانے اور کتابوں کی تعداد

کل کتب خانے جو اس شہر میں ہیں انکی تعداد ۴۵ ہے۔ شاہی کتب خانہ جو قصر ہمایوں میں ہے اور نہایت قدیم ہے انکے علاوہ ہے۔ ان کتب خانوں کی کل کتابیں ۸۵ ہزار ہیں۔ اگرچہ یہ تعداد کچھ بڑی تعداد نہیں۔ ہمارے ہندوستان میں اس سے زیادہ کتابیں ہوں گی لیکن قسطنطنیہ کو جو ترجیح ہے وہ کتابوں کی عمدگی اور کمیابی کی حیثیت سے ہے۔ ان کتب خانوں میں چند کے نام ذیل میں درج ہیں کتب خانہ جامع ایا صوفیہ۔ کتب خانہ جامع بایزید کتب خانہ جامع یول۔ کتب خانہ حمیدیہ قدیم۔ کتب خانہ عاشر آفندی شیخ الاسلام۔ کتب خانہ اسعد آفندی نقیب الاشراف۔ کتب خانہ جامع محمد فاتح۔ کتب خانہ حمیدیہ جدید۔ کتب خانہ علی پاشا شہید۔ کتب خانہ نور عثمانیہ۔ کتب خانہ لالہ لی۔ کتب خانہ حکیم اغلی علی پاشا۔ کتب خانہ محمد پاشا کوپریلی۔ کتب خانہ قلیچ علی پاشا۔ کتب خانہ ولی الدین آفندی کتب خانہ سلیمیہ کتب خانہ فیض اللہ آفندی۔ کتب خانہ سلطان محمد قاضی زادہ۔ کتب خانہ جامع والدہ سلطان کتب خانہ عاطف آفندی۔ کتب خانہ شاہزادہ داماد ابراہیم پاشا۔ کتب خانہ خسرو پاشا۔ کتب خانہ مہر شان۔ کتب خانہ محمد آفندی۔ کتب خانہ مصطفےٰ آفندی۔ کتب خانہ توفیق آفندی۔ کتب خانہ سلیمانیہ کتب خانہ محمد آفندی مراد کتب خانہ راغب پاشا۔ ان میں سے چودہ کتب خانوں کی مفصل فہرستیں چھپکر شائع ہو گئی ہیں۔ اور غالباً رفتہ رفتہ بقیہ فہرستیں بھی اشاعت پائیں۔

یہ کتب خانے جیسا کہ خود انکے ناموں سے ظاہر ہے اگلے پاشاؤں اور امیرون نے قائم کیے ہیں اور سب کے سب وقف عام ہیں۔ ہر کتب خانے ساتھ اس قدر جائداد بھی وقف ہی جس سے اُسکے معمولی مصارف یعنی مکان کی تجدید و ترمیم۔ فرش اور معمولی فرنیچر۔ ملازموں کی تنخواہ ادا ہوتی رہتی ہے ان امور کے لحاظ سے اعتراف کرنا پڑتا ہی کہ علمی فیاضی میں ترکوں کا اسلامی قوموں سے بالا تر ہے ہندوستان مدتوں تک اسلامی حکومت رہی اور بڑے اوج و شان سے رہی بڑے بڑے نامور وزراء اور امراء گذرے لیکن آج اُنکی ایک بھی علمی یادگار موجود نہیں۔

ان کتب خانوں سے اسبات کا ثبوت بھی ملتا ہی کہ ترکوں میں اُمراء کا گروہ (جو اور قوموں میں نسبتًہ ایک جاہل گروہ ہوتا ہی) تعلیم یافتہ اور اعلیٰ درجہ کا تعلیم یافتہ تھا۔ اکثر کتب خانوں میں وقف کرنیوالونکی ذاتی تصنیفات یا اُنکے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابین موجود ہیں جو اُنکے مذاق اور وسعت نظر کی شاہد ہیں۔ اسکے علاوہ جس قسم کی عمدہ اور نایاب کتابیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر جمع کی گئی ہیں خود اُنسی اسبات کا اندازہ ہوتا ہی کہ جمع کرنے والونکا علمی مذاق معمولی مذاق نہ تھا۔

کتب خانوں کی ظاہری حالت

یہ کتب خانے جو خوبی عمارت اور دیگر سازوسامان کے لحاظ سے معمولی درجے کے ہیں یہان تک کہ بعض کتب خانوں میں الماریاں تک نہیں۔ ایک چبوترے پر جسکے گرد لوہی کا کٹھرا ہے کتابوں کا ڈھیر لگا دیا ہی۔ تمام کتب خانون مین زمین کا فرش ہے البتہ اس قدر تکلف ہی کہ سامنے بنچیں بچھی ہوئی ہیں جن پر کتابین رکھکر پڑھتے ہیں کتب خانہ حمیدیہ جو حال مین قائم ہوا ہی اور سلطان المعظم کے عہد مبارک کی یادگار ہی۔ اگرچہ زیادہ شان و شوکت کا ہی عمارت خوبصورت اور وسیع ہی۔ میز کرسیاں کوچیں جس قدر ہیں اُنپر ریشمی گدے ہیں۔ غرض تمام باتوں میں اور کتب خانوں سے مستثنیٰ ہے تاہم الہ آباد کی پبلک لائبریری کی برابری نہیں کر سکتا۔

اوقاف کا انتظام

چونکہ تمام اوقاف کا انتظام حکومت سے متعلق ہی۔ کتب خانے بھی گورنمنٹ کے زیر اہتمام ہیں اور یہی وجہ ہی کہ باوجود امتداد زمانہ کے کتابیں اس احتیاط سے محفوظ ہیں ایک پرچہ بھی ضائع نہیں ہونے پایا ہی ملازمین باوجود قلت تنخواہ کے متدین اور راست کردار ہیں۔ کتب خانہ عاشر آفندی کا وقف اس قدر کم ہے کہ لائبریرین کو معمولی خوراک اور دو روپیہ ماہوار سے زیادہ نہیں مل سکتے لیکن جو شخص لائبریرین مقرر کیا گیا ہی۔ اس قدر دیانتدار اور اپنے فرائض کا پابند ہی کہ اس سے زیادہ

ہونا ممکن نہیں کتب خانہ کی دیواروں پر انگور کی بیلیں چڑھی ہیں۔ ایک دن میں نے اُس سے کہا کہ اگر تم انگوروں کو بیچ ڈالو تو تمکو معقول آمدنی ہو سکتی ہے کہ واقف کی شرط کے موافق یہ انگور صرف اُون لوگوں کے لئے ہیں جو کتب خانہ میں کتاب پڑھنے کی غرض سے آئیں۔ اس لئے میں اُنسے کسی طرح فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ قلّت تنخواہ کی وجہ سے بیچارے نے شادی بھی نہیں کی ہے نہ رہنے کا کوئی مکان ہی کتب خانہ ہی میں رات کو پڑ رہتا ہے۔

ان کتب خانوں کی خصوصیتیں اور اُنکی اجمالی کیفیت واقعات ذیل سے معلوم ہوگی۔

(۱) سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ کتابیں جو یہاں موجود ہیں۔ عموماً قدیم الخط۔ صحیح۔ اور اساتذہ سابقہ کی صحیح کردہ ہیں۔ قدیم اور نایاب کتابیں جنکے دو ہی چار نسخے دنیا میں ہوں اُنکا صحیح ہونا سب سے زیادہ مقدم ورنہ ان پر اعتبار نہیں ہو سکتا۔ مصر کے کتب خانے میں بھی قدیم کتابیں کچھ کم نہیں۔ لیکن اکثر زمانہ حال کی لکھی ہوئی ہیں اور اس وجہ سے چنداں صحیح اور قابل اسناد نہیں۔ قسطنطنیہ کی کتابوں کو دیکھکر حیرت ہوتی ہے کہ ان کتابوں کے ایسے عجیب و غریب نسخے کہاں سے بہم پہنچائے ہیں۔ اسرار البلاغت عبد القاہر الجرجانی کی مجکو مدت سے تلاش تھی۔ ہندوستان میں صرف ایک نسخہ کا پتا لگا۔ لیکن وہ نہایت غلط اور ناقابل اعتبار تھا۔ قسطنطنیہ میں اسکے متعدد نسخے دیکھے اور سب کے سب نہایت صحیح اور قدیم الخط۔ اسی طرح کتاب البیان والتبیین للجاحظ۔ تذکرہ ابن حمدون۔ معجم الادبا یاقوت حموی۔ کتاب الاشراف للبلاذری تاریخ کبیر امام بخاری وغیرہ کے نسخے نہایت صحیح اور مستند موجود ہیں۔

(۲) بعض کتب خانوں مثلاً حمیدیہ قدیم میں یہ خصوصیت ہے کہ اکثر کتابوں کا کاغذ زرین یا زر افشان ہے۔ اور حاشیہ پر سنہری بیل بوٹے بنے ہیں۔ ان تکلفات کے ساتھ خط نہایت اعلیٰ درجہ کا ہے۔ چونکہ قدیم زمانے کی کتابیں اس تکلف کے ساتھ کم مل سکتی تھیں۔ بانی کتب خانہ نے اکثر کتابیں خود اپنے اہتمام سے تیار کرائی ہیں۔ میں نے متعدد کتابیں جن میں شفا بو علی سینا کا کامل نسخہ بھی تھا نکلوا کر دیکھا۔ اور صاحب کتب خانہ کی نفاست پسندی کی بیساختہ داد دی۔

(۳) میرا خیال تھا کہ دولت عباسیہ کے عہد میں۔ یونانی و مصری کتابوں کے جو ترجمے ہوئے تھے دنیا سے ناپید ہو گئے۔ لیکن یہاں آکر اس خیال کی غلطی ثابت ہوئی اگرچہ جس کثرت سے ترجمے ہوئے تھے اُسکے اعتبار سے تو موجودہ سرمایہ کچھ بھی نہ ہونے کے برابر ہے تاہم جس قدر موجود ہے یہ بھی غنیمت ہے۔

معلوم ہوتا ہی کہ ترکون کو قدیم تصنیفات کے ساتھ خاص اعتنا تھا۔ چنانچہ انھوں نے اس باب میں یورپ کی کوششون سے بھی فائدہ اٹھایا۔ ابن رشد نے ارسطو کی تصنیفات کا ایک نہایت مفید اور جامع خلاصہ لکھا تھا۔ یہ اصلی خلاصہ مفقود ہو گیا ہی۔ لیکن لاٹین میں اسکا ترجمہ ہو گیا تھا جو اسوقت تک یورپ کے کتب خانون میں موجود ہے۔ اسعد آفندی ایک ترکی عالم نے اس لاٹین خلاصہ کا عربی میں ترجمہ کیا اور جابجا کچھ اضافے کئے۔ میں نے یہ ترجمہ راغب پاشا کے کتب خانہ میں دیکھا بہت بڑا مجموعہ ہے اور ترکوں کی علمی کوششوں کا عمدہ نمونہ ہے۔

(۴) فن تاریخ و ادب میں بعض ایسی تصنیفات دیکھیں جنمین وہ جدت ہی جسکو میں مدت سے تلاش کرتا تھا اور یورپ کی تصنیفات حال کے سوا اس قسم کی طرز تصنیف کا کہیں پتہ نہ لگتا تھا۔ مثلاً قضاۃ کے حالات میں بہت سی کتابین لکھی گئیں لیکن کسی نے اس طرف توجہ نہیں کی کہ حالات زندگی کے ساتھ انکے فیصلے اور احکام بھی نقل کرتا کہ آج کے طریقۂ انفصال مقدمات کے ساتھ اسکا موازنہ کیا جاسکتا۔ کتب خانہ ینی جامع میں اس قسم کی ایک کتاب موجود ہی۔ مصنف کتاب کا نام ابوبکر محمد بن خلف وکیع ہی جو نہایت قدیم زمانہ کا مصنف ہی اور تمام واقعات کو بسند متصل بیان کرتا ہی اس کتاب کا التزام کیا ہی کہ ہر شخص کے حال کے ساتھ اسکے بہت سے فیصلے اور تجویزیں نقل کی ہیں اور مقدمات کی صورت بیان کی ہے۔

فن ادب میں میں نے اس قسم کی کوئی کتاب کبھی نہیں دیکھی تھی بلکہ خیال تک نہ تھا کہ ایسی کوئی کتاب مسلمانوں نے کبھی لکھی ہوگی جس میں مضامین شعری کی تاریخ ہو۔ یعنی فلان مضمون۔ اول فلان شاعر نے لکھا پھر رفتہ رفتہ فلان شاعر نے یہ یہ اضافہ کیا یا اس طرح اسکی صورتین بدلین عاشر آفندی کے کتب خانہ مین میں نے ایک بڑی ضخیم کتاب خاص اس موضوع پر دیکھی۔ مصنف نے دعوی کیا ہے کہ ہر قسم کے مضامین عرب جاہلیۃ نے ایجاد کئے پھر متاخرین نے انکو ترقی دی اور نئے نئے پیرائے نکالے۔ تمام کتاب اسی دعوی کے ثبوت میں ہے۔ مصنف ہر مضمون کے لئے عرب جاہلیۃ کا ایک شعر نقل کرتا ہے اور بتاتا ہی کہ اسلامی شعرا میں سے فلان شاعر نے اسی مضمون کو ذرا بدل کر اس طرح لکھا۔ پھر دولت بنوامیہ اور عباسیہ کے شعرا نے اسی سے اور اور صورتیں پیدا کیں اس کتاب کو پڑھکر مصنف کی وسعت نظر اور دقیقہ سنجی پر حیرت ہوتی ہی اور ساتھ ہی افسوس ہوتا ہے کہ متاخرین اس قسم کی نادر تصنیف کی پیروی

نہ کر سکے کہ آج اس مضمون پر متعدد کتابیں ملتیں۔

(۵) مشہور حکما اور آئمہ فن کی کتابیں جس کثرت سے یہاں موجود ہیں اور کہیں نہیں مل سکتیں۔ امام غزالی۔ بوعلی سینا۔ فخر رازی۔ فارابی۔ کی وہ کمیاب تصنیفات جن کے نام صرف ابن خلکان وغیرہ کے ذریعے سے معلوم ہیں۔ اکثر یہاں موجود ہیں۔ معارف وحقیقت کے متعلق بوعلی سینا اور حضرت سلطان ابوسعید ابوالخیر کی آپس میں جو خط وکتابت وقتاً فوقتاً ہوئی ہے وہ رسالوں کی شکل میں موجود ہے

ابن سینا کی نسبت یہ امر مدتوں سے بحث طلب ہے کہ اس نے فلسفۂ یونانی پر کچھ اضافہ کیا ہے یا نہیں کتاب الشفا میں اُسنے لکھا ہے کہ "میں جو کچھ لکھتا ہوں وہ ارسطو کا فلسفہ ہے اپنے خاص فلسفہ کو میں نے حکمت مشرقیہ میں لکھا ہے" یورپ والون کو اس کتاب یعنی حکمت مشرقیہ کی نہایت تلاش ہے اور چونکہ اُنکو یہ کتاب نہیں مل سکی اس لیے پروفیسر منک نے اپنی کتاب ربط فلسفة الیھود والاسلام میں لکھا ہے کہ "حکمۃ مشرقیہ ہمکو ملتی نہیں اور جو کتابیں ملتی ہیں اُن سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ابن سینا نے کچھ اضافہ نہیں کیا" کتب خانہ جامع ایا صوفیہ مین اس نایاب کتاب کا نہایت عمدہ نسخہ موجود ہے مسلمان تو اسکے پڑھنے اور فلسفہ یونانی سے موازنہ کرنیکی زحمت کب گوارا کرتے لیکن اگر یورپ والون کو یہ کتاب ملجاتی تو کچھ شبہہ نہیں کہ اس بحث کا کہ مسلمانون نے فلسفہ یونانی میں کچھ اضافہ کیا یا نہیں قطعی فیصلہ ہوجاتا۔ مین نے قلت فرصت کی وجہ سے اس کتاب کو سرسری طور پر دیکھا۔ بظاہر اسمیں کوئی جدت نہیں معلوم ہوتی تھی۔ نہ زیادہ تدقیق کی نگاہ سے دیکھنے کا موقع ہوتا تو کچھ رائے قائم ہوسکتی

تاریخ وادب کی بعض کتابون کے نام

تاریخ اور ادب کی نایاب کتابین نے یہاں دیکھیں ان میں سے چند کے نام ذیل میں درج ہیں۔ تاریخ خطیب بغدادی تمام وکمال۔ تاریخ اسلام از علامہ ذہبی ۸ جلدون میں۔ تاریخ الحکما از جمال الدین قفطی۔ تاریخ کبیر امام بخاری ۳ جلدوں میں تجارب الامم ابن مسکویہ۔ منتظم لابن الجوزی۔ مرأۃ الزمان لسبط ابن الجوزی۔ مسالک الابصار لابن فضل اللہ ۲۰ جلد۔ عقد الجمان لبدر الدین العینی ۱۸ جلد۔ مختصر تاریخ دمشق ابن عساکر لجمال الدین بن مکرم الانصاری ۴ جلد۔ رحلۃ بن خلدون۔ نہایت الارب للنویری طبقات الادبا لیاقوت الحموی۔ طبقات کبریٰ لابن سعد۔ طبقات الامم لابن صاعد الاندلسی کتاب الاشراف البلاذری تمام وکمال۔ سیرۃ العمرین لابن الجوزی۔ کتاب البیان والتبیین للجاحظ صناعتین للعسکری۔ دلائل الاعجاز لعبد القاہر الجرجانی۔ تذکرہ بن حمدون۔ شرح تبریزی بر دیوان ابوتمام۔ دیوان

ابونواس بلکمل - سرقات المتنبی لابن العمید - مجموعہ رسائل ابواسحق صابی -

کتب خانوں سے یہاں کے باشندوں کا متمتع نہ ہونا

کتب خانوں کے ذکر میں مجکو نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ نایاب کتابیں یہاں بالکل بیکار ہیں - اولاً تو یہ کتب خانے دن میں صرف دو تین گھنٹے کے لئے کھلتے ہیں اسکے ساتھ سال میں دو تین مہینے متصل تعطیل رہتی ہے ان باتوں کے ساتھ اعلیٰ مذاق کی کمی ہے کہ نایاب اور قدیم کتابیں یونہی پڑی رہتی ہیں - کوئی شخص اُنکو اُٹھاکر بھی نہیں دیکھتا - کتب خانوں میں میں جب لوگوں کو کتابوں کے مطالعہ میں مشغول دیکھتا تھا تو ہمیشہ دریافت کرنا چاہتا تھا کہ کس قسم کی کتابیں ان کے پیش نظر ہیں - لیکن میں نے کسی کے سامنے مختصر معانی - ایساغوجی - شرح وقایہ - جلالین - وغیرہ کے سوا کبھی کوئی کتاب نہیں دیکھی - البتہ کبھی کبھی غیر ملکوں کے نامور علما آنکلتے ہیں اُنکو نایاب اور عمدہ کتابوں کی جستجو رہتی ہے -

حقیقت یہ ہے کہ کل دنیائے اسلامی میں تعلیم کا طریقہ ایسا ابتر اور ذلیل ہوگیا ہے کہ چند درسی کتابوں کے سوا لوگونکو کسی قسم کی جدید معلومات کی طرف رغبت ہی نہیں ہوتی جس کا یہ نتیجہ ہے کہ جدت اور ایجاد کا مادہ قوم سے مسلوب ہوتا جاتا ہے اور جس قدر کہیں کہیں کچھ رہ گیا ہے آیندہ اُسکی بھی امید نہیں

تنبیہ - میں نے کتب خانوں کے بیان میں جو تفصیل کی وہ ایک خاص غرض سے کی اور میں چاہتا ہوں کہ قوم کو اُسکی طرف متوجہ کروں یورپ میں اس قسم متعدد انجمنیں قائم ہیں جن کا مقصد قدیم عمدہ کتابوں کا بہم پہونچانا اور اُنکو چھاپ کر شائع کرنا ہے انھیں انجمنوں کی بدولت عربی زبان کی وہ قدیم اور نادر الوجود کتابیں ہمکو میسر آئی ہیں جن کے دستیاب ہونے کا خیال بھی نہیں آتا تھا - یہی انجمنیں ہیں جنہوں نے تاریخ کبیر ابوجعفر جریر طبری کا کامل نسخہ بہم پہنچایا اور اُس کی بہت سی جلدیں چھاپ کر شائع کیں حالانکہ مصر و روم کے علما اس نایاب تاریخی خزانے سے بالکل ناامید ہو چکے تھے اور شاہ عبدالعزیز صاحب نے تو یقین دلادیا تھا کہ وہ دنیا سے ناپید ہو چکی - بے شبہہ یورپ کا یہ بہت بڑا احسان ہے اور ہمکو اس کا علانیہ اقرار کرنا چاہیئے - بزرگان قوم سے میری درخواست ہے کہ وہ اس قسم کی ایک عظیم الشان انجمن بنائیں - عام چندے سے کافی سرمایہ جمع کیا جائے - قابل اور لائق مصنفین کتابونکے انتخاب کیلئے ممبر مقرر ہوں - قسطنطنیہ اور مصر سے کتابیں نقل کراکر منگائی جائیں اور چھپاکر شائع کی جائیں - یہ کام بظاہر عظیم الشان اور قوم کی موجودہ حالت کے لحاظ سے غیر ممکن معلوم ہوتا ہے لیکن

فی الحقیقت ایسا نہیں ہی۔ اگر چار کرور مسلمانوں میں سے ۱۰۰ مسلمان بھی آمادہ ہو جائیں اور ایک
قلیل مقدار چندی کی دینا گوارا کریں تو اِس کام کا انجام پانا کچھ مشکل نہیں۔ حیدرآباد میں دائرۃ المعارف
الدکنیہ کے نام سے جو انجمن قائم ہے اور جسکے ایک معزز ممبر نواب اقبال یار جنگ بہادر ہیں ہمکو امید
ہی کہ وہ ہماری گزارش پر توجہ کریگی ہم شکر گزاری کیساتھ اُسکی علمی فیاضیون کو تسلیم کرتے ہیں لیکن
ہمکو اِس سے زیادہ فیاضیون کی ضرورت ہے اور ہم کو امید ہے کہ دائرۃ المعارف اور زیادہ
توجہ اور اہتمام سے اِس مقصد پر متوجہ ہوگی۔

زوایا یا خانقاہین

زوایا یا خانقاہیں

خانقاہیں جنکو یہان تکیہ اور تکایا کہتے ہیں نہایت کثرت سے ہیں۔ اخیر رپورٹ جو چھپ ہوئی
ہی اُس میں ۳۰۵ خانقاہوں کے نام مع تفصیل مقام و دیگر حالات کے درج ہیں۔ لیکن خانقاہ کے
لفظ سے وہ معنی مقصود نہیں جو ہمارے ملک میں مستعمل ہیں اِن ممالک میں یہ ایک عجیب فیاضانہ
طریقہ ہی جو درحقیقت حیرت انگیز ہے۔ تمام بڑے بڑے شہروں میں ہر ملک اور ہر فرقہ کیلئے جدا جدا
خانقاہیں ہیں۔ اُس ملک اور فرقہ کا مسافر وہان اُنکلتا ہی تو بغیر کسی قسم کی روک ٹوک کی خانقاہ میں
جا سکتا ہی۔ اور جب تک چاہی قیام کر سکتا ہی۔ کھانا اور ایک وقت کی چائے مفت ملتی ہی یہ فیاضی
یہان تک عام ہی کہ باوجود بُعد مسافت اور بے تعلقی کے قسطنطنیہ۔ دمشق۔ بیت المقدس۔ حلب
موصل۔ دیار بکر۔ اِن تمام مقامات میں ہندوستانیوں کے لئے جدا خانقاہیں ہیں اور اُنکے لئے
گوشت اور جنس کی ایک مناسب مقدار مقرر ہے۔

یہ خانقاہیں امرا اور رئیسوں نے قائم کی ہیں اور اِس قدر جائداد وقف کر دی ہی جس سے مقررہ
مصارف ہمیشہ ادا ہوتے رہتے ہیں۔ ہر خانقاہ میں ایک شیخ ہوتا ہی جسکو معقول تنخواہ و خوراک
ملتی ہی اور خانقاہ کا تمام انتظام اُس سے متعلق رہتا ہے میں نے متعدد خانقاہوں کی سیر کی
بعض بعض کی عمارات خوش فضا اور موزوں ہی کھانے کی نوعیت اور مقدار بھی کافی ہی۔ خاص قسطنطنیہ کی
خانقاہوں کے سالانہ مصارف کا تخمینہ چار پانچ لاکھ سے کم نہیں کیا جا سکتا۔ درحقیقت ترکوں
کی فیاضی کا یہ بہت بڑا ثبوت ہی اور اِسمین شبہہ نہیں کہ جس زمانہ میں یہ طریقہ قائم ہوا تھا

اُس عہد کے لحاظ سے نامناسب بھی نہ تھا۔

تم نے عربی تاریخوں میں پڑھا ہوگا کہ تمام ممالک اسلامی میں سیاحوں اور طالبعلموں کا آنا جانا بندھا رہتا تھا وہ انہیں خانقاہوں اور زاویوں کی بدولت تھا۔ ابن بطوطہ کو اپنے عالمگیر سفر میں اسی طریقہ کی وجہ سے مدد ملی تھی۔ چنانچہ اُس نے سفرنامے میں ان زاویوں کو نام بنام لکھا ہے لیکن یہ قدرتی بات ہے کہ جب کسی قوم کے بُرے دن آتے ہیں تو مفید تدبیریں مضر بنجاتی ہیں۔ مسلمانوں کو سیر و سیاحت۔ جغرافیانہ تحقیقات۔ تحصیل علم کا مذاق نہ رہا۔ اس لئے اب یہ طریقہ کاہلی مفت خوری۔ دریوزہ گری کا ایک ذریعہ رہ گیا ہے اور قومی زندگی کو نقصان پہنچا رہا ہے۔ میں نے اکثر خانقاہوں میں خود جا کر دیکھا کئی کئی برس کے آئے ہوئے مسافر پڑے ہیں۔ نہ کسی قسم کا شغل ہے نہ کچھ کام ہے اگلے وقتوں کے عہدیوں کا جو حال سنا کرتے تھے یہاں آنکھوں سے نظر آتا ہے۔ شیوخ جنکو خانقاہوں کا انتظام سپرد ہوتا ہے اور تمام نقد و جنس انکے اہتمام میں رہتی ہے عموماً خائن اور بددیانت ہیں۔ خود نہایت آرام و عیش سے بسر کرتے ہیں اور مسافروں کے لئے جو مقدار مقرر ہے اُس کا آدھا تہائی۔ چوتھائی بھی انکو نہیں دیتے۔ ہندی خانقاہ کے شیخ ایک کشمیری صاحب ہیں اونھوں نے کئی بیویاں کرلی ہیں۔ خانقاہ سے الگ ایک مکان بنوالیا ہے۔ اکثر وہاں رہتے ہیں۔ ڈھائی سیر گوشت جو روزانہ خانقاہ کے لئے مقرر ہے وہ قریباً کل حضرت کے تصرف میں آتا ہے اور مسافروں کو معمولی کھانا بھی نصیب نہیں ہوتا۔ خانقاہ کی عمارت جا بجا سے ڈھے چلی ہے۔ صحن میں کوڑے کرکٹ کا ڈھیر لگا رہتا ہے مختصر یہ کہ وحشت اور ویرانی کی پوری تصویر ہے۔ میں نے اور جن خانقاہوں کو دیکھا وہ اگرچہ ہندی خانقاہ سے ہر بات میں بہتر تھیں۔ لیکن دیانت اور راست بازی کا کہیں پتہ نہیں ملتا اسطرح کئی لاکھ سالانہ کی رقم نہایت بری طرح برباد ہوتی ہے۔

خانقاہوں قومی زندگی کو نقصان پہنچا

مساجد جامع۔ اور مشہور مقامات

جامع مسجدوں کی کثرت اور انکی خوبی عمارت اور عظمت و شان کے سوا سے قسطنطنیہ دنیا میں اپنا نظیر نہیں رکھتا۔ محمد فاتح کے عہد سے جو اس دارالخلافہ کا پہلا تخت نشین تھا آجتک جس قدر فرمانروا گذرے ہر ایک کی بجز چند کے ایک جامع مسجد موجود ہے اور بڑی شوکت و شان

گی ہے ان میں سے جامع فاتح - جامع سلیمان - جامع بایزید - جامع والدہ سلطان - جامع سلطان احمد
جامع ایا صوفیہ زیادہ ممتاز ہیں اور ان سب میں **جامع ایا صوفیہ** اور بھی زیادہ عالیشان اور
پُر شوکت ہے - ان مسجدون کی وضع ہمارے یہاں کی مساجد سے بالکل الگ ہے - نہ دالان نہ محراب ین
نہ صحن صرف ایک گنبد ہوتا ہے لیکن اس قدر وسیع کہ کئی ہزار آدمی اُس میں آسکتے ہیں - اگرچہ ہندوستان
کے مذاق کے لحاظ سے ان مسجدون کو خوبصورت اور موزون نہیں کہہ سکتے تاہم گنبد کی بے انتہا
وسعت اور عمارت کا ارتفاع انسان کو دفعۃً متحیر بلکہ مرعوب اور حیرت زدہ کر دیتا ہے ہر مسجد میں
کئی کئی سو بتیون کے آہنی جھاڑ ہیں - معلوم ہوتا ہے کہ جھاڑ کا رواج بہت قدیم زمانہ سے ہے
اسپین کی عربی تاریخون میں ثریا کے لفظ سے غالباً اسی قسم کے جھاڑ مراد ہیں - البتہ اتنا فرق ہے کہ
وہاں شیشے اور بلور کے ہوتے تھے یہان لوہے کے ہیں - عموماً تمام مساجد میں ایک خاص التزام
ہے اور اس سے قیاس ہوتا ہے کہ سلاطین ترک کو مذہب تسنن میں نہایت غلو تھا - اور بات بات
میں اس کا اظہار کرتے تھے عموماً ہر مسجد میں چار بڑی بڑی ڈھالیں چارون کونوں پر ہوتی ہیں اور
اُنپر آب زر سے نہایت خوشخط اور جلی حرفون میں ابوبکرؓ - عمرؓ - عثمانؓ - علیؓ لکھا ہوتا ہے بالکل اس طرح
جس طرح زیب و آرائش کے لئے دیوارون پر اُستادون کے لکھے ہوئے قطعے لٹکاتے ہیں -

مسجدونکی آراستگی

تمام مسجدین پر تکلف اور آراستہ ہیں معمولی چٹائی اور جمعہ و عیدین کو عمدہ و بیش قیمت قالین
کا فرش بچھتا ہے - مسجد کے ایک طرف کچھ زمین چھوٹی ہوتی ہے جسمین وضو کرنے کے لئے سقاوہ
بنا ہوتا ہے - میں نے اس بات کو نہایت پسند کیا کہ یہاں حوض کا مطلق رواج نہیں -

جامع ایا صوفیہ

جامع ایا صوفیہ جو سب سے زیادہ عالی شان ہے اور تمام مسجدین اسی کے نمونے پر بنی ہیں دراصل
ایک بہت بڑا گرجا تھا جسکو قسطنطین نے ۳۲۵ء میں تعمیر کیا تھا - سات برس تک اسکی تعمیر جاری رہی
اور سو معمار اور دس ہزار مزدور کام کرتے تھے محمد فاتح نے کسی قدر تغیر کر کے اسکو مسجد بنا لیا
ابن بطوطہ نے اسکو گرجا ہونے کی حالت میں دیکھا تھا - وہ لکھتا ہے کہ یہ رومیون کا سب سے
بڑا گرجا ہے اور چونکہ کوئی غیر شخص اسکے اندر نہیں جا سکتا اس لئے میں اندر کی کیفیت نہیں
بیان کر سکتا - باہر سے اسکی یہ صورت ہے کہ ایک میل کا احاطہ ہے اور تمام زمین میں رخام کا
فرش ہے بیچ میں ایک نہر ہے جسکے دونون کنارے پر ایک ہاتھ بلند رخام کی دیوار ہے اس دیوار

میں عمدہ پچی کاری کا کام ہے اور نہایت عمدہ بیل بوٹے بنے ہیں۔ گرجے کا دروازہ چاندی اور سونے کے پتروں سے منڈھا ہوا ہے۔ لوگوں کے بیان سے ظاہر ہوا کہ کئی ہزار پادری اور رہبان اس گرجے میں دن رات رہتے ہیں۔

ابن بطوطہ نے جو صورت بیان کی افسوس اب وہ باقی نہیں رہی - احاطہ جس میں نہر تھی مسجد سے بالکل باہر ہے اور قہوہ خانہ بن گیا ہے۔

واقعی یہ عمارت عجیب و غریب حیرت افزا ہے بیچ کے گنبد کا قطر ۱۰۵ فٹ اور چھت کا ارتفاع ۱۸۰ فٹ ہے ۱۰۰ استون ہیں اور کل سنگ سماق اور رخام کے ہیں۔ ان ستونوں کا قطر تین تین چار چار ہاتھ سے کم نہیں دروازہ جو قسطنطین کے زمانہ کا ہے اور تانبے کا ہے اس پر قدیم زمانے کی تصویریں بنی ہیں اور ابتک قائم ہیں چھت پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم کی جو تصویریں تھیں انکے آثار اب بھی موجود ہیں۔

قابل دید مقامات بہت ہیں مثلاً یونانیوں کے معابد قدیم۔ سلح خانہ۔ خزانہ یعنی جہاں تمام سلاطین عثمانیہ کی پورے قد کی تصویریں مع اصلی لباس و اسلحہ و جواہرات کے ہیں۔ توپوں کے ڈھالنے کا کارخانہ۔ موزہ خانہ۔ یعنی عجائب خانہ قدیم۔ جہاں نہایت قدیم زمانے کے پتھر اور کتبے ہیں۔ اس میں اسکندر یونانی کا سنگین تابوت بھی ہے وغیرہ وغیرہ لیکن میں اکثر مقامات کو نہ دیکھ سکا اس لئے انھیں پر اکتفا کرتا ہوں جسکی خود میں نے سیر کی۔

ترس خانہ - یعنی جہازوں کے بنانے کا کارخانہ بہت بڑا عظیم الشان کارخانہ ہے اور چونکہ حربی صیغہ سے تعلق ہے محکمہ بحریہ کی تحریری اجازت کے بغیر کوئی شخص وہاں جا نہیں سکتا۔ خوش قسمتی سے محکمہ بحریہ کے ایک معزز عہدہ دار ہمارے دوست شیخ علی ظبیان کے شناسا تھے اونھوں نے مہربانی سے ایک عہدہ دار کو ساتھ کر دیا۔ جس نے ہمکو تمام کارخانے کی بخوبی سیر کرائی۔ یہ صاحب عربی خوب سمجھتے تھے اور بولتے تھے اور اس وجہ سے ہم ہر ایک بات کو تفصیلاً دریافت کر سکتے تھے یہ کارخانہ مختلف حصوں میں منقسم ہے۔ جس کا صدر مقام ایک بہت بڑی مستطیل دو منزلہ عمارت ہے جہاں بڑے بڑے انجن ہیں اور انکے ذریعے سے سینکڑوں کلیں چلتی ہیں۔ ہمارے رہنما نے اول ہم کو اوپر کے درجے کی سیر کرائی پہلے ایک بڑے کمرے میں لے گئے۔ وہاں چند معزز افسر ایک لمبی میز کے گرد بیٹھے ہوئے ایک جہاز کا نقشہ تیار کر رہے تھے۔ نقشہ جب تیار ہو جاتا ہے تو

دوسرے آفس میں بھیجدیا جاتا ہے جہاں اُس نقشے کے موافق جہاز کا مختصر سا نمونہ تیار کیا جاتا ہے۔ یہ نمونہ لکڑی کا ہوتا ہے اور باوجود مختصر ہونے کے جہاز کی پوری تصویر ہوتا ہے۔ یہ نمونہ اول سلطان کے ملاحظہ میں پیش ہوتا ہے اور منظوری کے بعد اسی کے نمونہ کے موافق جہاز تیار کیا جاتا ہے۔ ان نقلی جہازوں کے دقائق اور نکتے تو میں کیا سمجھ سکتا تھا لیکن بظاہر نہایت دقت نظر اور اُستادی کا کام معلوم ہوتا تھا۔

تارپیڈو کی کشتیاں

ان چیزوں کو دیکھکر ہم نیچے اُترے۔ یہاں سینکڑوں کلیں چل رہی تھیں اور جدا جدا کام ہو رہے تھے ایک طرف پرزے ڈھل رہے تھے۔ ایک طرف لوہے کی موٹی موٹی سلاخوں پر سینکڑوں من کا گھن پڑتا تھا اور چادریں بنتی جاتی تھیں۔ اس عمارت کے آگے ایک بہت بڑا لمبا احاطہ ہے وہاں ایک جہاز تھا جو بالکل تیاری کے قریب تھا۔ صرف چادر چڑھانی باقی تھی۔ ہم نے یہاں تارپیڈو کی بہت سی کشتیاں دیکھیں جو اسی کارخانہ سے تیار ہوئی تھیں اور سمندر میں ڈالی گئیں تھیں۔ ان جہازوں میں اوپر کے درجے میں کوئی چیز نہیں ہوتی سارا جہاز لکڑی کا ایک وسیع تختہ نظر آتا ہے۔ آلاتِ حرب اور ہر قسم کی ضروری چیزیں یعنی باورچیخانہ خوابگاہ کھانے کا کمرہ بغرض جو کچھ ہوتا ہے وہ اندر ہوتا ہے ہمارے رہنما نے ہمکو ایک کشتی کی سیر بھی کرائی۔ لیکن چونکہ اندر جگہ بہت کم ہوتی ہے تھوڑی دیر میں ہمارا دم گھٹنے لگا اور ہم جلد باہر نکل آئے نہایت قابل تعریف بات یہ ہے کہ اتنا بڑا عظیم الشان کارخانہ صرف ترک چلاتے ہیں۔ تمام افسر اور کاریگر اور ملازم ترک ہیں۔ صرف ایک یوروپین معمولی درجے کا ملازم ہے اور وہ بھی قدامت کے لحاظ سے بحال رکھا گیا ہے۔ انجن بھی یہاں تیار ہوتے ہیں اور ترکوں کا بیان ہے کہ یوروپ کے بنے ہوئے انجنوں سے کسی بات میں کم نہیں ہوتے ایک افسر نے مجھسے کہا کہ اس قسم کے تمام کاموں میں ہمکو یوروپ کی احتیاج نہیں۔

مقتولان ینگ چری

مقتولان ینگ چری۔ ترکوں کی تاریخ میں ینگ چری کا لفظ نہایت امپارٹنٹ لفظ ہے سلطان ارخان نے جو سلاطین ترک میں دوسرا تخت نشین تھا ۷۶۳ھ ہجری میں حکم دیا کہ اسیران جنگ میں جو ہر سال اس غرض سے گرفتار ہو کر آتے تھے ایک خاص تعداد منتخب ہو کر ایک فوج تیار ہو حاجی بکتاش نے جو سلطان کا مرشد تھا اس فوج کا نام ینگ چری رکھا جسکے معنی ترکی زبان میں فوج جدید کے ہیں

فتوحات کی کثرت سے اس فوج میں اضافہ ہوتا گیا یہاں تک کہ دو تین نسل کے بعد یہی فوج حکومت کی دست و بازو بن گئی یہ عجیب بات ہے کہ اگرچہ یہ گرفتاران جنگ عموماً عیسائی نسل سے ہوتے تھے اور فوج میں داخل ہو کر بھی مدتوں اپنے قدیم مذہب پر قائم رہتے تھے تاہم ترکی حکومت کے ساتھ انکو یہ اخلاص تھا کہ خود ترکوں کو اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا تھا ترکوں نے جو ایک مدت تک یورپ کو اپنا صید گاہ بنا رکھا تھا وہ انہیں جانبازوں کی بدولت تھا سنہ ۱۸۲۶ء میں جب سلطان محمود نے یورپ کے اصول پر فوج کو مرتب کرنا چاہا تو ان لوگوں نے بغاوت کی۔ سلطان نے ایک جدید فوج پہلے سے تیار کر رکھی تھی۔ اہل شہر نے بھی شاہی جدید فوج کا ساتھ دیا۔ غرض خاص قسطنطنیہ میں ایک سخت معرکہ ہوا۔ ینگ چری فوج بالکل برباد ہو گئی۔ اسکے ساتھ شاہی فوج کو بھی نقصان پہونچا اور وزیر اعظم اور شیخ الاسلام جان سے مارے گئے۔

یہ مکان اسی معرکہ کی عبرت انگیز یادگار ہے۔ وزیر اعظم شیخ الاسلام اور ینگ چری فوج کے تمام بڑی بڑی نامور افسروں کی پورے قد کی مورتیں ہیں سپاہیوں اور سپہ سالاروں کی پر رعب شکلیں قدیم زمانہ کا لباس اور اسلحہ حرب۔ سکوت اور خاموشی کا عالم یہ تمام باتیں جمع ہو کر کچھ ایسا ہیبت انگیز سماں پیدا ہو گیا ہے کہ دن کو وہاں جاتے ڈر لگتا ہے دو پہلوانوں کو میں نے دیکھا سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق۔ سر پر خود چہرہ پر جھلم ہاتھوں میں آہنی دستانے۔ بدن میں زرہ اور چار آئینہ ٹخنوں تک کے آہنی موزے غرض آنکھوں کے سوا جسم کا کوئی حصہ نظر نہیں آتا تھا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ کردی جوان ہیں جو خاص پائگاہ کی خدمت پر مامور تھے۔ میرے تخمینہ میں ایک من لوہے سے کم بوجھ انکے بدن پر نہ تھا۔ تعجب ہے کہ اس قدر وزن کے ساتھ وہ لڑتے کیونکر تھے۔ افسروں کے لباس عجیب و غریب قسم کے ہیں۔ بعض بعض کی پگڑیاں ہاتھ ہاتھ بھر اونچی ہیں یہاں ہر وقت کا پہرہ رہتا ہے اور ٹکٹ حاصل کرنے کے بغیر کوئی شخص وہاں جا نہیں سکتا۔

عجائب خانہ

موزہ خانہ یعنی عجائب خانہ۔ عجائب خانہ دو ہیں ایک سرکاری جہاں نہایت قدیم زمانے کے پتھر اور کتبے اور اس قسم کی یادگار چیزیں ہیں۔ سکندر یونانی کا سنگی بت بھی ہے۔ افسوس ہے کہ مجکو اس کی سیر کا اتفاق نہیں ہوا۔

دوسرا کسی عیسائی سوداگر نے قائم کیا ہے عمارت اور تمام چیزیں معمولی ہیں جو کچھ سیر کے قابل ہے

وہ دنیائے مختلف حصوں کے آدمیوں کی مورتیں ہیں۔ یہ مورتین اس خوبی سے بنائی ہیں کہ بالکل اصلی معلوم ہوتی ہیں ایک عورت دیکھی جسکے ہونٹ نہایت موٹے تھے اور نیچے کے ہونٹ میں آر پار چھید کرکے لکڑی کی گلی ڈالی تھی معلوم ہوا کہ یہ وہاں کا زیور ہے۔ پہلے تو مجکو نہایت تعجب ہوا۔ پھر خیال آیا کہ ہمارے ملک میں ناک کان چھید کر نتھ اور بالیان وغیرہ پہناتے ہیں تو ہونٹوں نے کیا قصور کیا ہے کہ اس زینت سے محروم رکھے جائیں۔

ایک درد انگیز تماشا

یہان میں نے ایک عجیب درد انگیز تماشا دیکھا۔ جس کا اثر دیر تک میرے دلپر رہا ایک جداگانہ کمرے میں چند عورتین ہیں جو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہیں ایک شکنجہ میں دابی جارہی ہے ایکسکی پیٹھ پر جلتے ہوئے لوہے کی پٹری رکھدی ہے کہ گردن سے لیکر کمر تک چار چار انگل کھال اتر گئی ہے اسی طرح اورون کو عجیب عجیب طریقے سے اذیت دیجارہی ہے۔ یہ عورتین صورت اور وضع ولباس سے دولتمند اور شریف معلوم ہوتی ہیں اکثر کمسن اور خوبصورت و نازک اندام ہیں سخت تعجب ہوتا تھا کہ کن ظالم ہاتھوں نے ان حسن کی دیبیوں پر ہاتھ اوٹھانے کی جرارت کی ہوگی! دریافت سے معلوم ہوا کہ اسپین میں جب اسلامی حکومت برباد ہوکر عیسائیوں کی سلطنت قائم ہوئی تو عموماً مسلمان تبدیل مذہب پر مجبور کئے گئے اور چونکہ اسلام کا اثر آسانی سے دلوں سے مٹ نہ سکتا تھا۔ ان کو انواع و اقسام کی اذیتیں دیجاتی تھیں اور بیکسی اور کمزوری کے لحاظ سے عورتون پر زیادہ ظلم کیا جاتا تھا۔ یہ مظلوم عورتیں اسی عبرت انگیز واقعے کی یادگار ہیں۔ اسوقت مجکو خیال ہوا کہ آہا! یہی عیسائی ہیں جو ہمکو طعنہ دیتے ہیں کہ **اسلام** بزور شمشیر پھیلا!!!

میں یہ معمہ نہ سمجھا کہ عجائب خانے کے بانی نے جو عیسائی ہے ان تصویروں کو کس غرض سے یہاں رکھا ہے۔ کیا وہ عیسائیوں کا پرفخر کارنامہ دکھانا چاہتا ہے اور حکومت ترکی جو اس سے تعرض نہیں کرتی تو کیا اپنی بے تعصبی کا ثبوت دینا چاہتی ہے؟ میں تو اس بات کو نہایت ناپسند کرتا ہوں کہ دنیا کی مختلف قوموں میں جو ناگوار واقعات کسی قدیم زمانے میں پیش آئے۔ دوبارہ منظر عام پر لائے جائیں

سیرگاہیں

قسطنطنیہ اور اُسکے اطراف وجوار میں کثرت سے عجیب پرلطف قدرتی سیرگاہیں ہیں اور

غنیمت یہ ہی کہ شہر دالے اس نعمت کے قدر شناس بھی ہیں۔ ہر سیر گاہ کیلئے ایک خاص دن مقرر ہے اُس دن وہاں عجیب پر لطف مجمع ہوتا ہی۔ افسوس ہی کہ ہمارے ملک والے قدرتی مناظرہ کے مذاق سے آشنا نہیں ورنہ خاص ان سیر گاہوں کے دیکھنے اور انسے مزہ اٹھانیکے لئے لوگ قسطنطنیہ کا سفر کرتے اور یہ کوئی عجیب بات نہ خیال کی جاتی۔ ان میں سے میں نے دو تین کی سیر کی اور ان کے مختصر حالات لکھتا ہوں۔

خونکر صوی

خونکر صوی۔ قسطنطنیہ کی تمام سیر گاہوں میں سب سے زیادہ پر لطف اور دلفریب ہی اسی بنا پر اسکو سلطان المعظم کے نام سے منسوب کیا ہے۔ خونکر۔ فارسی لفظ خونگر کی تحریف ہی ترکی میں خون کا مالک یا خون ریز بادشاہ وقت کو کہتے ہیں۔ اور صوی کے معنی پانی اور چشمہ کے ہیں اس بنا پر خونگر صوی کا لفظی ترجمہ دو شاہی چشمہ، ہے یہ مقام شہر سے بیس پچیس میل کے فاصلہ پر ہے پہاڑوں کا ایک سلسلہ دور تک چلا گیا ہے اور نہایت شاداب اور سر سبز ہے۔ اس میں ایک قطعہ نہایت موزوں نکل آیا ہے جو پہاڑ کی بلند سطح پر واقع ہی خاص جس جگہ تماشائیوں کا مجمع ہوتا ہی وہ نہایت پر لطف مقام ہے سایہ دار درختوں کی دو رویہ قطاریں ہیں۔ جہاں تک نظر کام کرتی ہی سبزہ ہی سبزہ نظر آتا ہے ایک طرف آبشار ہے جسکا پانی ایک حوض میں جمع ہوتا جاتا ہی درختوں کے نیچے جا بجا دو دو چار چار آدمیوں کی ٹکڑیاں ہوتی ہیں چا‌ر اور قہوہ کا دور چلتا ہی۔ حوض پر باجا بجتا ہے اور فرنچ اور ترکی گانا ہوتا ہے بھانڈ نقلیں کرتے ہیں۔

پانچ چھ زینے چڑھ کر پہاڑ کی اصل چوٹی ہی اور وہ نہایت مسطح اور سایہ دار ہی یہ خاص عورتوں کی بیٹھنے کی جگہ ہی اور کثرت سے ٹرکش لیڈیاں جمع رہتی ہیں نازک اندام عورتوں کیلئے بیس تیس میل کی مسافت۔ پہاڑ کی چڑھائی۔ گھوڑی یا خچر کی سواری کچھ کم تکلیف کی بات نہیں۔ لیکن یہ جگہ کچھ ایسی دلآویز ہے کہ سب تکلیفیں اسکے لئے گوارا کی جا سکتی ہیں۔

مقری کوئی

مقری کوئی۔ یہ ایک قہوہ خانہ ہی جو عین سمندر کے کنارے پر ہے اور نہایت پر فضا مقام ہے موجیں بار بار کٹہرے سے آکر ٹکراتی ہیں اور عجیب مزہ آتا ہی۔ یہاں ایک خاص بات یہ ہی کہ چھ سات یہودی عورتیں ایک بلند چبوترہ پر بیٹھکر عربی گیت گاتی ہیں چونکہ میں نے اس سے پہلے عربی راگ نہیں سنا تھا مجھپر ایک خاص اثر ہوا سب ملکر ساتھ گاتی تھیں اور دف کی قسم کا ایک باجا بجاتی جاتی تھیں

محرم

قسطنطنیہ کا محرم

یہاں کا محرم بھی ایک قابل ذکر چیز ہے۔ اہل عجم جو مختلف تعلقات کی وجہ سے یہاں بود و باش رکھتے ہیں اُنکی تعداد پچاس ساٹھ ہزار سے کم نہیں ہے۔ بہت سے سرکاری محکموں میں ملازم ہیں بہت سے تاجر۔ پیشہ ور۔ اور مزدور ہیں۔ اگرچہ یہ لوگ شہر کے تمام حصوں میں پھیلے ہوئے ہیں لیکن کثرت سے جہاں رہتے ہیں وہ والدہ خانہ نام ایک محلہ ہے محرم کے زمانے میں دھوم دھام کی مجلسیں اور نوحہ و بکا کا ہنگامہ زیادہ تر یہیں ہوتا ہے مجلسوں میں یہاں سوز اور تحت اللفظ کا دستور نہیں صرف حدیث خوانی ہوتی ہے۔ اور درحقیقت مجلس عزا کا مقصود بھی یہی ہے۔ عام طریقہ یہاں کا یہ ہے کہ اول ممبر کے قریب ایک شخص کھڑے ہو کر زبانی جناب میر اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے فضائل اور مناقب کے متعلق اشعار پڑھتا ہے پھر ایک مستعد عالم ممبر پر بیٹھکر حالات کربلا کو وعظ کے طور پر نہایت خوبی اور صفائی سے بیان کرتا ہے۔ مجکو اس بات سے بہت خوشی ہوئی کہ ترک عموماً ان محفلوں میں ادب اور خلوص کے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ ترکوں کے لحاظ سے بجز ایک دو موقع کے اور تمام مجلسوں میں وعظ جو ہوتا ہے ترکی ہی زبان میں ہوتا ہے۔

ماتم کے عجیب و غریب طریقے

ماتم کے چند طریقے ہیں اور بعض نہایت عجیب اور موثر ہیں۔ ادنے درجے کا ماتم یہ ہے کہ نہایت زور سے چھاتی پیٹتے ہیں یہاں تک کہ اُس جگہ کا گوشت اُبھر آتا ہے۔ دوسرا طریقہ زنجیروں سے ماتم کرنا ہے تیس تیس چالیس چالیس آدمیوں کا حلقہ ہوتا ہے اور سینہ یا پشت پر اس زور سے زنجیریں مارتے ہیں کہ دور تک آواز جاتی ہے۔ تیسرا طریقہ تلواروں سے ماتم کرنیکا ہے اور وہ شب شہادت کیساتھ مخصوص ہے ماتم کرنے والے ہاتھوں میں ننگی تلواریں لئے صف باندھکر کھڑے ہوتے ہیں اور عجیب جوش و خودرفتگی کے عالم میں یا حسین کہے جاتے ہیں اور سر و پیشانی اور شانوں پر تلواریں مارتے جاتے ہیں زخموں سے خون کی چھینٹیں اُڑ اُڑ کر تمام بدن پر پڑتی ہیں اور حلقہ ماتم گویا لڑائی کا میدان بن جاتا ہے۔ اس عبرت انگیز ہنگامہ کے دیکھنے کے لئے خلقت کا نہایت اژدحام ہوتا ہے اور مشکل سے وہاں تک رسائی ہوتی ہے۔

سلاملق یا موکب سلطانی اور عید الضحےٰ

قسطنطنیہ میں سلاملق سے زیادہ کوئی چیز پراثر اور دلچسپ نہیں ہے۔ سلاملق ترکی لفظ ہے

جس کا لفظی ترجمہ سلام کرنا ہے۔ چونکہ اس موقع پر فوج اور سرداران فوج سلطان کے سلام کو آتے ہیں اس لئے اس رسم کو سلاملق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ سلطان عام طور پر قصر شاہی سے کبھی باہر نہیں نکلتے۔ صرف نماز جمعہ پڑھنے کیلئے جامع مسجد میں تشریف لاتے ہیں اور وہیں نماز کے بعد یہ رسم ادا ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسوقت جو شان و شوکت اور عظمت و جلال ظاہر ہوتا ہے زبان یا قلم کے ذریعے سے اسکی تصویر کھینچنی مشکل اور سخت مشکل ہے باوجودیکہ مہینہ میں چار بار اور سال میں اڑتالیس دفعہ یہ موقع پیش آتا ہے اور اس وجہ سے اسکو ایک معمولی چیز خیال کیا جاتا ہے تاہم ہمیشہ تماشائیوں کا یہ ہجوم ہوتا ہے کہ لوگ درختوں اور آدمیوں کے کندھوں پر چڑھکر تماشا دیکھتے ہیں یورپ کے اکابر اور سیاح جو قسطنطنیہ کی سیر کو آتے ہیں اس موقع کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ موکب ہمایونی کی گذرگاہ پر ایک بالاخانہ ہے معزز لوگوں کو ٹکٹ لیکر وہاں بیٹھنے کی اجازت ملتی ہے چنانچہ ہر جمعہ کو ان معزز تماشائیوں کا ایک معتدبہ مجمع موجود رہتا ہے۔ میرے زمانہ اقامت میں ہنگری کے بڑے بڑے ارکان سلطنت قسطنطنیہ کی سیر کو آئے تھے اور اس مجمع میں شریک ہوئے تھے۔

میں ہندوستان میں یہ حالت سن چکا تھا۔ اس لئے قسطنطنیہ پہونچکر اول اسی کی سیر کا ارادہ کیا۔ ایک شامی عرب کو جنسے حال میں ملاقات ہو گئی تھی ساتھ لیا اور جامع حمیدیہ پہونچا۔ وہاں پہونچکر دیکھا تو دور دور تک سپاہیوں کے پرے جمے ہیں اور موکب ہمایوں تک نظر کی رسائی ہی مشکل ہے مجبوراً واپس آیا حسین حسیب آفندی جو کسی زمانے میں بمبئی ٹرکش کانسل تھے اور اب قسطنطنیہ میں پولیس کمشنر ہیں وہ مجکو اس ذریعہ سے جانتے تھے کہ محاربہ روس میں میں نے بحیثیت سکرٹری انجمن تین ہزار کی رقم انھیں کے ذریعہ سے قسطنطنیہ کو روانہ کی تھی۔ اسی تعارف کی بنا پر میں انکی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ نہایت مہربانی سے پیش آئے اور کہا کہ جمعہ کے دن جامع حمیدیہ میں آنا تمہارے لئے میں ٹکٹ لے رکھوں گا لیکن بدقسمتی سے (اور سچ پوچھئے تو خوش قسمتی سے) جب میں وہاں پہونچا تو وہ موجود نہ تھے دیر تک مسجد کے دروازے پر انکا انتظار کرتا رہا۔ قریباً ایک بجے جب سلطان کی آمد آمد کا غل ہوا تو فوجیں دور دور تک پھیلکر ہلال کی شکل میں صف آرا ہو گئیں اور تمام رستے رک گئے میں مایوس ہو کر مسجد میں داخل ہوا اور افسوس کرتا تھا کہ یہ جمعہ بھی خالی گیا تھوڑی دیر گذری تھی کہ ایک گرج کی سی آواز آئی اور تمام میدان گونج اٹھا۔ معلوم ہوا کہ سلطان کی سواری قریب آپہونچی اور یہ "پادشاہم چوق یشا" کا نعرہ تھا

۱؎ اسکا لفظی ترجمہ یہ ہے ہمارا بادشاہ بہت زندہ رہے ۱۲

جو ترکون کا قومی نعرہ ہی یہ نعرے پے درپے تین بار بلند ہوئے کوکبہ سلطانی مسجد تک آپہونچا اور نعرونکی گونج ابھی تھم نہیں چکی تھی کہ موذن نے جو سلطان کے مشاہدۂ جمال کا انتظار کر رہا تھا اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا دونوں آوازین ملکر دلپر عجیب اثر کرتی تھین سلطان کھلی ہوئی گاڑی پر سوار تھے چونکہ مسجد کا صحن داخل مسجد نہیں ہی یعنی وہان نماز نہیں پڑہتے اور جوتے پہنکر جا سکتے ہیں گاڑی صحن تک آئی اور دیوار کے قریب آکر ٹھہری۔ مسجد دو منزلہ ہی اور اوپر کی مسجد میں گیلری بنی ہی جو خاص سلطان کی نماز پڑھنے کی جگہ ہی سلطان گاڑی سے اُتر کر اوپر کی منزل میں گئے اور اُن کے جانے کے ساتھ گیلری کے دریچون پر اطلسی پردے چھوڑ دئے گئے کہ اُنپر کسی کی نگاہ نہ پڑ سکے۔

لوگ اطمینان کے ساتھ بیٹھ چکے تو خطیب نے خطبہ شروع کیا۔ افسوس ہی کہ خطیب ترک تھا عرب نہ تھا اِسلئے اُسکے لہجہ میں وہ اثر اور کیفیت نہ تھی جو عرب کے ساتھ مخصوص ہے۔ تاہم جب دوسرا خطبہ شروع ہوا اور اُس نے سلطان المعظم کی طرف اشارہ کر کے پر جوش آواز میں یہ الفاظ پڑھے اللھم انصر ھذا السلطان السلطان ابن السلطان الخاقان ابن الخاقان السلطان عبد الحمید خان تو عجیب کیفیت پیدا ہوئی میرا یہ حال تھا کہ آنکھ سے متصل آنسو جاری تھے اور دیر تک بے اختیار زبان سے دعائیہ الفاظ نکلتے رہے عین اِس موقع پر ایک بارگی پندرہ بیس شخص جنکے ہاتھوں میں عرض حال اور درخواستین تھین اُٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ لوگ سلطان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر دعائیں دیتے جاتے تھے اور عرضیان پیش کرتے جاتے تھے۔ عرض بیگی ان کاغذوں کو لیکر جمع کرتا جاتا تھا۔ بعضونکو مین نے دیکھا کہ سلطان کی طرف اشارہ کر کے زمین تک جھکے اور زمین کو ہاتھ سے چھو کر ہاتھ کو چوما اگرچہ یہ تمام باتین خطبہ کے داب اور سکون کے خلاف تھیں تاہم کیفیت سے خالی نہ تھیں دریافت سے معلوم ہوا کہ جن لوگونکو کسی طرح سلطان المعظم تک رسائی کا امکان نہیں ہوتا وہ اِس ذریعے سے اظہار مطلب کرتے ہیں اور چونکہ سلطان کا مزاج قدرتی طور پر رحیمانہ اور فیاض ہی اِس طریقے کو بند نہیں کیا جاتا

نماز کے بعد اتفاق سے حسین حسیب آفندی ملے اور شکایت کی کہ مین تمکو ڈھونڈتا پھرتا تھا کہاں غائب ہو گئے تھے؟ بارخانہ کا ٹکٹ تو اب نہیں مل سکتا لیکن مین تمہارے لئے اُس سے زیادہ عمدہ موقع نکالتا ہوں۔ نماز پڑھ کر تمام لوگ باہر چلے گئے تو سلطان گیلری سے اُترے اور ایک زینہ پر جہان سے سلاملق کی بخوبی سیر ہو سکتی تھی اور سلطان کو کوئی شخص نہیں دیکھ

سکتا تھا آکر ٹھیرے۔ افسران فوج اور پاشا صحن کے داہنے طرف صف باندھکر کھڑی ہوگئیں
حسیب نے مجکو اسی صف میں لاکر کھڑا کردیا۔ اور لوگوں سے کہا کہ یہ ہماری مہمان ہیں ایک مصری افسر
(حسن اخلاق کی وجہ سے) پیچھے ہٹ گیا اور میرے لئے جگہ خالی کردی۔

تھوڑی دیر کے بعد فوجوں کی آمد شروع ہوئی۔ ایوان شاہی سے مسجد تک وسیع اور ڈھلوان
سڑک ہے۔ فوجیں جو دور دور تک ہلال کی صورت میں صف آرا کھڑی تھیں۔ ایوان شاہی کے
سامنے سے گذرتی ہوئی مسجد کے صدر دروازے سے داخل ہوتی تھیں اور دوسرے دروازے سے
نکلجاتی تھیں۔ صفوں کی ترتیب۔ سوار۔ پیادہ۔ بحری۔ بری۔ توپچی۔ برق انداز۔ ترک۔ کرد
عرب کے جدا جدا دستے۔ موزون اور باقاعدہ رفتار زرق برق اسلحے مختلف اور خوشنما وضع کی
وردیاں۔ فوجوں کا پے درپے آنا اور وفادارانہ جوش کیساتھ اپنے شاہنشاہ کے سامنے سے
گذرنا۔ ایسا عجیب غریب سمان تھا جو کسی طرح بیان نہیں ہوسکتا۔ عربوں کا رسالہ جو امیر جبل
کا ردہے۔ انکے سروں پر عمامے تھے اور سبز شملے ہوا میں اڑکر عجب لطف دکھلاتے تھے متصل
تین گھنٹے تک یہ فوجی دریا لہریں لیتا رہا اور کم وبیش دس ہزار فوجیں گذریں اخیر میں سلطان کے
دونوں شہزادے آئے اور عجب شان سے آئے۔ فوجی لباس تھا اور کمر سے تلواریں بندھی تھیں
اگرچہ دس دس بارہ بارہ برس کا سن تھا۔ لیکن جس انداز سے وہ گھوڑوں پر سوار تھے اور انکے چہروں
سے جرات اور شان کا اظہار ہوتا تھا بیان میں نہیں آسکتا شہزادے بھی جاچکے تو سلطان
زینے سے اترے اور افسران فوج اور پاشاؤں کی صفیں جن میں میں بھی شامل تھا دفعۃً سلام
جھکیں میں ابتدا سے محو حیرت تھا اور آنکھوں کو ٹکٹکی لگ گئی تھی پہلے سے ارادہ تھا کہ سلطان
کی زیارت ہوگی تو نہایت نیازمندی کے ساتھ آداب بجالاؤں گا لیکن ازخود رفتگی کا یہ عالم ہوا
کہ تمام صف کی صف دیر تک رکوع میں رہی اور میں اسی طرح ٹکٹکی باندھے کھڑا رہا۔ البتہ زبان
پر دعائیہ الفاظ جاری تھے اور وہ بھی قصداً نہیں بلکہ ایک بے اختیاری حالت تھی۔

پانچ چار قدم پیادہ چلکر سلطان گاڑی پر سوار ہوئے۔ افسروں نے دوبارہ سلامی دی
اور وہ عجیب غریب سمان دفعۃً آنکھوں سے چھپ گیا ع دیدہ من باز بجوا ہم ہنوز۔ سلطان جس
وقت زینہ سے اتر کر گاڑی کی طرف بڑھے ہماری صف سے ان تک صرف تین چار قدم کا

فاصلہ تھا اور اس وجہ سے میں اچھی طرح اُنکو دیکھ سکا۔ سلطان کا حلیہ یہ ہے قد میانہ بلکہ کچھ نکلتا ہوا بدن چھریرہ۔ چہرہ کتابی۔ صورت سے وقار اور متانت ٹپکتی ہی بلکہ یہ خیال ہوتا ہی کہ کسی فکر میں ہیں لباس بالکل سادہ یعنی سیاہ بانات کا کوٹ اور معمولی ٹرکش ٹوپی تھی۔

سلاملق کی رسم

ترکون میں سلاملق کا طریقہ ایک مدت سے چلا آتا ہے اور رسوم سلطنت کا ایک جزو بن گیا ہی اس سے فقط شاہانہ جاہ وجلال کا اظہار مقصود نہیں ہی بلکہ بڑا فائدہ یہ ہی کہ ہر ہفتہ میں فوج کے ایک بڑے حصہ کا جائزہ ہوجاتا ہی اور اس طرح کل فوجین جو پائے تخت اور اُسکے اطراف میں رہتی ہیں سال میں چند بار ملاحظۂ سلطانی سے گذر جاتی ہیں۔ سلطان وقت فوج کی حالت کا کافی اندازہ کر سکتا ہی اور فوج کے دل میں بادشاہ کی طرف سے جوش اور وفاداری کے خیالات تازہ ہوجاتے ہیں میں یہ تماشا دیکھکر قیامگاہ پر واپس آیا تو دل جوش اور اثر سے معمور تھا شاعرانہ جذبات کی تحریک سے خودبخود جستہ جستہ مصرعے زبان پر آتے جاتے تھے۔ قلم اور کاغذ لیکر بیٹھا اور کچھ اشعار قلمبند کئے پھر خیال آیا کہ عید کے دن اس سے بھی کچھ بڑھکر سامان ہوگا اُسکو بھی دیکھ لون تو لکھوں چنانچہ تمہید کے جس قدر اشعار اُس وقت تک موزوں ہوگئے تھے لکھکر چھوڑ دئے تمہید کے آخر کے ان اشعار سے۔

دیں کہ بپرسید کہ زان جلوہ گاہ	تا چہ بود حاصل چشم و نگاہ

اس شعر تک۔

بزم چو از جلوۂ زیبا پر است	دامنِ چشم ز تماشا پر است

یہی پُراثر اور پرجوش نظارہ مراد ہے۔

عید کا جلوس

عید کے دن سلاملق نہ تھی اور اس وجہ سے فوج کی تعداد کم تھی۔ لیکن شان وشوکت جاہ وجلال۔ جوش واثر سلاملق سے بھی کچھ بڑھ کر تھا۔ قریباً آٹھ بجے فوجوں کی آمد شروع ہوئی اور گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تک تانتا بندھا رہا۔ اسکے بعد بہت سی خالی گاڑیاں آئیں۔ لوگونکو تعجب تھا کہ اس سے کیا مقصود ہی یکایک دور سے پیادہ صفین نمودار ہوئیں معلوم ہوا کہ تمام وزرا۔ پاشا افسران فوج اور بڑے بڑے عہدہ دار ملکی سلطان کے جلوس میں پیادہ پا آرہے ہیں یہ صفیں سڑک کے دونوں جانب متصل آدہ میل تک تھیں اور اُنکی وضع اور لباس سے عجیب شان وشوکت کا اظہار ہوتا تھا شانون پر زرین پھول۔ دامن اور آستیون پر کلابتونکی تحریر سینے

مرصع اور طلائی تمغوں سے ڈھکے ہوئے۔ ان سب پر آفتاب کا عکس۔ تمام میدان جگمگا اُٹھا۔ یہ صف جا چکی تو سلطان کا جمال جہان آرا نظر آیا جناب ممدوح گھوڑے پر سوار تھے۔ لباس بالکل سادہ تھا۔ چند بڑے بڑے نامور فوجی افسر رکاب میں تھے۔ گھوڑا آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا تھا اور ہر قدم پر اس زور سے بادشاہم چوق یشا کا نعرہ بلند ہوتا تھا کہ میدان گونج اُٹھتا تھا۔

میں یہ سمان دیکھکر واپس آیا تو قلم دوات لے کر بیٹھا کہ جو کچھ خود دیکھا ہے دوسرونکو بھی دکھا سکوں۔ لیکن افسوس اور سخت افسوس ہے کہ قلم نے بالکل کوتاہی کی۔ جو تصویر میں نے کھینچی ہے وہ بالکل نامکمل تصویر ہے۔

مثنوی عیدیہ

جون ۶ سنہ ۱۸۹۲

مقام قسطنطنیہ

قاصد فرخندہ من بان تعال
متعک اللہ بحسن المآل

پیش رسیدت سفرے ناگزیر
گرم زجا خیز و رہ ہند گیر

زود رود فکر دو عالم مکن
در نفسے راست کنی۔ ہم مکن

دیدہ براہ اند عزیزان ہند
جملہ گرامے گہر کان ہند

چون تو درآن بزم کشی زمزمہ
دائرہ گردند بگردت ہمہ

تا ز حدیث تو شود بہرہ مند
ہر یکے از جائے جہد چون سپند

جملہ بدین حرف کہ اے نیکخوئے
حرفے از ان یار سفر کردہ گوئے

تا بچہ حال است و چسان ست خود
رفت چہا بر سرش از نیک و بد

بر روش دیدہ دران میزید
یا کہ چو بہمان و فلان میزید

از پس این محنت و رنج شگرف
از سفر روم چہ بر داشت طرف

بزم خوشی بود تماشا چہ کرد
کار بسے بود از انہا چہ کرد

در صف دانش طلبان چون نشست
زان چمن تازہ بدامن چہ بست

سطے چو شود مرحلۂ پرس وجوئے
کاے ہمہ گنجینہ کشایان فن
از کرم داور بالا و پست
ہم بہمان طرز وروش میزیم
گرچہ خودم باسر و سامان نیم
نیست سرِ انجمن آرائیے
وینکہ بپرسید کہ زان جلوہ گاہ
ہی چہ توان گفت کہ ذوق سخن
گرچہ نخواہم کہ نشینم خموش
گرچہ بعرض سخن آمادہ ام +
بگذر ازین حرف و مکرر مپرس
خوان سخن گر نہ خود آراستم
تندمیے بود خرابم ہنوز +
باتو چہ گویم کہ چہا دیدہ ام +

از من آوارہ بیاران بگوئے
صدر نشینان ہمہ خوان فن
حال من آن گونہ کہ بایست ہست
زندہ ام و فارغ و خوش میزیم
نازکش حاجب و دربان نیم
این منم و گوشۂ تنہائیے +
تا چہ بود حاصل چشم و نگاہ
ہر نفسم مے بردازخویشتن +
فرصت آن کو کہ بیایم بہوش
مست ز کیفیت این بادہ ام
خواب خوشی دیدم و دیگر مپرس
عذر بنہ محو تماشاستم
دیدہ من باز و بخوابم ہنوز +
شعبدہ ہا پیش نظر چیدہ ام

بزم چو از جلوۂ زیبا پر است
دامنِ چشم ز تماشا پر است

مہر چو از جیب افق سر کشید
دیدہ پر از خواب چو برخاستند
طفل کہ این شیوہ نداند درست
شیوہ و آئین طرب تازہ گشت
مژدہ رسید این کہ شہ چارہ ساز
تا برد از خوان کرم توشۂ +
بسکہ عنان طلب انگیختند +

خاست زہر ناحیہ گلبانگ عید
پیر و جوان جملہ تن آراستند
مادرش از مہر تن و روئے شست
کوچۂ و بازار پر آوازہ گشت
زود برآید باد ائے نماز
خلق برون ریخت زہر گوشۂ
طفل و جوان بر سر ہم ریختند

یک نظر راه تماشا نیافت — نقش قدم هم بزمین جا نیافت

جمله بصد شوق و بصد آرزوے — سوئے بشکطاش نهادند روے

سرمهٔ خاک رهِ شه خواستند — جا بگذرگاه سپه خواستند

از دو سوئے راه بکسب شرف — خلق بآئین ادب بست صف

مهر چو در هر جهت افشاند نور — کوکبهٔ شاه عیان شد ز دور

گشت روان از پئے هم خیل و فوج — موج تو گوئی که شکستی بموج

بود شعار همه از هم جدا — هر همه را رایت و پرچم جدا

پرتو آن اسلحهٔ تابناک — نور همی ریخت بدامان خاک

باهمه تمکین چو گذشت این گروه — گشت به یکبار زمین پر شکوه

غلغله برخاست که بادا نوید + — مهر جهان تاب خلافت دمید

داغ نه جبههٔ خورشید و ماه — حضرت خاقان خلافت پناه

قاعدهٔ دولت و دین را مدار + — آئینهٔ رحمت پروردگار +

پیکر لطف و کرم کبریائے — سایهٔ یزدان شه کشورکشائے

خسرو لشکرشکن و قلعه گیر — شاه فلک عتبهٔ و گردون سریر

فاتحهٔ دولت و طغرائے دین — زیب ده افسر و تاج و نگین

شاه فلک کوکبه عبدالحمید — ایّده الله بنصر مزید

فرّهٔ شاهی ز جبین آشکار + — حاشیه بوسان به یمین و یسار

مرکب شه پیش چو بگذاشت پائے — خلق به یکبار در آمد ز جائے +

طلعت شه باز چو پرتو فگند — بانگ دعا گشت ز هر سو بلند

شور برآمد که بود تا جهان + — باد بکام تو زمین و زمان +

چرخ بدان مایه که گردنده است — زنده بمان کز تو جهان زنده است

زیب و طراز همه عالم توئی + — سایهٔ یزدان بجهان هم توئی +

جمله بدانند که در غرب و شرق — هست ترا تاج خلافت بفرق

آن توئی امروز کہ در روزگار ٭
تازگی بدر و حنین از تو ہست
جز تو کہ ہست اے شہ انجم سپاہ
فرۂ دین نبوی از تو ہست ٭
شرع بجاہ تو چو شد ارجمند
ہست بر و دولت و دین را قرار
زیب و طراز حرمین از تو ہست
آنکہ بود شرع نبی را پناہ ٭
بازوئے اسلام قوی از تو ہست
باد بفرمان تو چرخ بلند ٭
سکۂ اقبال بنام تو باد ٭
ہرچہ بگیتی ست بکام تو باد

ترکوں کے اخلاق و عادات و طرز معاشرت

قسطنطنیہ میں میں اگرچہ متصل تین مہینے تک رہا لیکن زبان کی اجنبیت کی وجہ سے ترکوں سے میرا میل جول بہت کم تھا۔ میرے ہم صحبت اور میرے احباب جسقدر تھے شام کے عرب تھے اس لئے ترکوں کے اخلاق اور عادات کے متعلق میری واقفیت سرسری اور اجمالی ہے میں نے اکثر کالج اور اسکول اور بعض صنعت وغیرہ کے کارخانے دیکھے۔ چند معزز عہدہ داران ملکی سے ملا اور اُنکے یہاں دعوتیں کھائیں۔ قہوہ خانوں میں کبھی کسی سے ملاقات ہوگئی۔ ٹرامواے اور ریل پر کسی سے تعارف ہوگیا۔ غرض اس قسم کے موقعے تھے جن میں مجکو ترکوں کے اخلاق و عادات کا تجربہ ہوا اور اس باب میں میں جو کچھ لکھونگا ان ہی واقعات کی بنا پر ہوگا۔

ہرچند میری واقفیت کے ذریعے اس قدر محدود ہیں تاہم بعض امور کی نسبت مجکو بالکل یقین ہے کہ اُنکے متعلق میری جو رائے قائم ہوئی ہے وہ قطعاً صحیح ہے اور اُس میں ذرا بھی غلطی کا احتمال نہیں۔ ان میں سب سے مقدم ترکوں کی مہمان پرستی اور عام خوش اخلاقی ہے کچھ شبہہ نہیں کہ ترکوں کے اخلاق نہایت وسیع اور فیاضانہ ہیں غرور و نخوت۔ ترفع اور کم بینی۔ ان میں نام کو نہیں ہے امیر و غریب۔ مزدور و عہدہ دار و شریف جاہل و عالم۔ ہر درجے کے لوگوں سے مجکو سابقہ پڑا لیکن خوش اخلاقی اور فیاض طبعی میں گویا سب ایک ہی مکتب کے شاگرد اور ایک ہی سانچے کے ڈھلے تھے۔ غازی عثمان پاشا جن کو پلونا کے واقعہ نے تمام دنیا میں روشناس کر دیا ہے اور

ترکوں کی مہمان پرستی اور خوش اخلاقی

اور درویش پاشا جن کا پوتا سلطان کی دامادی کا شرف رکھتا ہے اس مرتبے کے لوگ ہیں جیسے ہندوستان میں گورنر جنرل یا کمانڈر انچیف۔ میں دونوں سے ملا ہوں اور وہ جس تواضع اور خوش اخلاقی سے پیش آئے اس کا اثر ابتک میرے دل میں ہے۔

ایک عام بات یہ ہے کہ بازار میں چلتے چلتے تم جس شخص سے گو وہ کسی رتبہ کا آدمی ہو راستہ پوچھو وہ نہایت مہربانی سے تمہاری طرف متوجہ ہوگا اور تم کو راستہ بتائے گا۔ بعض موقعوں پر مجکو نہایت تنگ اور پیچدار گلیوں سے گذرنے کا اتفاق ہوا۔ اور راستہ کے بھول جانے کی وجہ سے دیر تک حیران رہا۔ اتفاقاً کوئی ترک آنکلا تو اس نے راستہ بتانے پر اکتفا نہیں کی بلکہ ساتھ ہولیا اور جہاں مجکو جانا تھا وہاں تک پہونچا کر واپس آیا۔

فیاضی اور مہمان نوازی

فیاضی اور مہمان نوازی ترکوں کی عام صفت ہے اور نہایت ادنی درجے کے لوگ بھی نہایت سیر چشم اور فیاض ہیں۔ یہ عام طریقہ ہے کہ دو چار چشم آشنا کسی ہوٹل یا قہوہ خانے میں اتفاق سے مل گئے تو قہوہ وغیرہ میں جو کچھ خرچ ہوگا ایک شخص سب کی طرف سے دیدے گا گویا تمام لوگ اس شخص کے مہمان ہوتے ہیں اور وہ میزبان ہوتا ہے خونگر صوی جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے میں اسکی سیر کو گیا تو خوجے آفندی ساتھ تھے۔ چونکہ یہ مقام قسطنطنیہ سے بیس پچیس میل ہے اور میرے ساتھ اور بھی چند احباب تھے۔ جہاز اور گاڑی کا کرایہ اور نفقہ وغیرہ میں ۶؎ خرچ ہوئے۔ یہ کل رقم خوجے آفندی نے ادا کی۔ میرے شامی احباب کو جو خود مقتدر اور فیاض طبع تھے آفندی صاحب کا زیر بار احسان ہونا گوارا نہ تھا لیکن ملک کے رواج کی وجہ سے زیادہ اصرار نکر سکے۔

ایک دفعہ میں درویش پاشا کے مکان پر گیا وہاں چند اور بزرگ تشریف رکھتے تھے سب سے تعارف ہوا اور دیر تک صحبت رہی۔ چونکہ اس وقت تک میں نے ترکی بوٹ کا استعمال نہیں شروع کیا تھا اور انگریزی بوٹ پہنکر مکان کے اندر جانا یہاں معیوب ہے میں نے دروازے ہی پر بوٹ اتار دیا تھا۔ ترکوں کے نزدیک بوٹ کا پاؤں میں نہ ہونا بدسلیقگی میں داخل ہے اس لئے کسی کسی کو خیال ہوا۔ حاضرین میں سے ایک بزرگ جو اسکول کے ماسٹر اور معمر آدمی تھے چپکے سے اٹھے اور ایک سلیپر لاکر میرے سامنے رکھدیا۔ ان بزرگ کا نام کاظم آفندی تھا

نوجوان آدمی ہیں ریاضی میں انکی تصنیف حضور سلطانی میں پیش ہو چکی ہے۔ رخصت ہونے کے وقت مجھ سے فرمایا کہ ہندوستان پہونچکر یاد رکھئے گا کہ قسطنطنیہ میں کاظم بھی آپکا ایک نیازمند تھا

حسین حسیب آفندی جو پولیس کمشنر اور معزز رتبے کے آدمی ہیں ملاقات کے ساتھ اس لطف و مہربانی سے پیش آئے کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ اصرار کرکے کھانا کھلایا کوٹھی اور پائیں باغ کی سیر کرائی پردہ کراکے زنانہ مکان کے تمام کمرے دکھائے۔ رخصت ہونے لگا تو فرمایا کہ مجکو بھی کچہری جانا ہی ساتھ ہی چلیں گے چنانچہ اپنی گاڑی پر بٹھا کر دور تک ساتھ لائے۔ لطف یہ کہ اسوقت تک میرے ذریعہ تعارف بجز اسکے اور کچھ نہ تھا کہ میں ہندوستان کا رہنے والا ہوں اور مسلمان ہوں۔ اس قسم کے واقعات سے قطعاً ثابت ہوتا ہے کہ ترکون کے اخلاق نہایت عام ہیں۔ اور اسکے لئے وسیلہ و تعارف عزت و جاہ کی سفارش کی کچھ ضرورت نہیں۔

ترکون کی معاشرت

ترکون کی معاشرت کا طریقہ نہایت پسندیدہ اور قابل تقلید ہے۔ امرا اور معزز عہدہ دار ایک طرف معمولی حیثیت کا آدمی بھی جس صفائی اور خوش سلیقگی سے بسر کرتا ہے ہمارے ملک میں بڑے بڑے امیروں کو وہ بات نصیب نہیں میں نے دس ہزار کے تنخواہ دار سے لیکر بیس روپیہ کی آمدنی والون تک کے مکانات دیکھے ہیں اگرچہ دونون حالتوں میں نہایت تفاوت تھا اور ہونا چاہیے تھا تاہم خوش سلیقگی اور ترتیب و صفائی میں برابر برابر تھے۔

مکانات کی وضع اور ترتیب

ڈرائنگ روم کا قدیم طریقہ یہ تھا اور متوسط حیثیت والوں میں اب بھی جاری ہے کہ دیوار سے متصل قریباً دو ہاتھ چوڑے اور دیوار کے طول کی برابر لمبے چبوترے بنے ہوتے ہیں اور انپر گدا بچھا ہوتا ہے۔ اب اگرچہ میز و کرسی کا زیادہ رواج ہے۔ تاہم چونکہ معزز ترکون کے یہاں علما اور درویشون کی اکثر آمد و رفت رہتی ہے ایک آدہ کمرہ اس طریقہ پر بھی ضرور مرتب رہتا ہی میں نے عثمان پاشا اور درویش پاشا کے عالیشان مکانوں میں بھی اس وضع کے متعدد کمرے دیکھے زمانہ حال میں یورپین طریقہ زیادہ مروج ہے ترکون نے اس میں اپنی طرف سے کچھ اصلاحیں کی ہیں اور وہ درحقیقت قابل تعریف اصلاحیں ہیں ڈرائنگ روم میں (جو اکثر عمدہ ٹرکش قالین سے آراستہ ہوتا ہی) اس سرے سے اس سرے تک مٹرک کے طور پر کارپٹ وغیرہ کی ہاتھ ہاتھ بھر چوڑی پٹیاں بچھی ہوتی ہیں کمرے میں جو لوگ آتے جاتے ہیں انہی پر سے گذرتے ہیں۔ اِدھر اُدھر پانوں نہیں رکھ سکتے ترکون کا بوٹ

اگرچہ خاک آلودہ نہیں ہوتا لیکن اس طریقے سے فرش اور بھی صاف و پاک رہتا ہے۔

کھانیکا طریقہ

کھانا یورپین طریقے پر یعنی میز و کرسی پر کھاتے ہیں۔ البتہ بعض باتوں میں فرق ہی اور میری دانست میں وہ اصلاح طلب ہیں۔ عام دستور یہ ہی کہ جب تمام لوگ میز کے گرد کرسیوں پر بیٹھ جاتے ہیں تو نوکر ہر شخص کے آگے سادہ رکابیاں چن دیتا ہے۔ اسکے بعد باری باری مختلف کھانوں کی رکابیاں آتی ہیں اور میز کے بیچ میں رکھی جاتی ہیں۔ تمام لوگ ایک ہی رکابی میں کھاتے ہیں۔ چھری کانٹا بھی ہوتا ہے لیکن زاکثر کھاتے ہاتھ سے ہیں۔ میں نے حسین حسیب آفندی پولیس کمشنر اور درویش پاشا کے یہاں کھانا کھایا درویش پاشا کے بیٹے احمد پاشا جو سلطان المعظم کے سمدھی ہیں میز پر ہمارے ساتھ تھے اور اسی طریقے سے کھاتے تھے لوگوں نے بیان کیا کہ اب یہ طریقہ متروک ہوتا جاتا ہی اور حال کے تعلیم یافتہ بالکل یورپین طریقے پر کھاتے ہیں

مکانات کے دروازونکا ہمیشہ بند رہنا

ہندوستان کے برخلاف عام دستور ہے کہ مکانات کے دروازے ہمیشہ بند رہتے ہیں اندر ایک کھٹکہ ہوتا ہے جو دروازہ بند کرنیکے وقت خود بخود لگ جاتا ہی باہر کی طرف ایک کڑا ہوتا ہی۔ کوئی شخص کسی سے ملنے کو جاتا ہے تو کڑے سے دروازے کو کھٹ کھٹاتا ہے۔ آواز سنکر نوکر یا صاحب خانہ کواڑ کھولدیتا ہے۔ امرا کے یہاں دروازہ کے بیرونی رخ پر پیتل کا پھول لگا ہوتا ہے اسکے دبانے سے اندر گھنٹی بجتی ہے اور نوکر کو خبر ہو جاتی ہے یہ طریقہ نہایت عام ہے یہاں تک کہ غریب سے غریب آدمی کے دروازے بھی کھلے نہیں رہتے۔ اگرچہ دراصل سردی سے بچنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہی لیکن اس سے طرز معاشرت میں خود بخود نہایت تہذیب و اصلاح پیدا ہو گئی ہی ہر شخص لاتدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا کی تعمیل پر مجبور ہے۔

لباس

ترکوں کا لباس جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں بالکل یورپین ہے۔ البتہ بوٹ میں ایک اختراع کی گئی ہے۔ اور وہ واقع میں قابل تعریف ہی۔ یہ بوٹ چرمی جراب اور سلیپر کا مجموعہ ہے جراب بالکل بوٹ کی شکل کی ہوتی ہے۔ لیکن ایڑی نہیں ہوتی سلیپر میں اندر ایڑی کے پاس ایک کھٹکا لگا ہوتا ہے جراب پہنکر جب اسکو پہنتے ہیں تو جراب اسمیں اٹک جاتی ہی اور دونوں ملکر خاصہ بوٹ بنجاتا ہے۔ بازار میں دونوں پہنے پھرتے ہیں لیکن فرش پر سلیپر اتار دیتے ہیں صرف جراب رہجاتی ہے اور چونکہ وہ گرد سے پاک ہوتی ہے فرش پر دھبہ نہیں پڑتا۔

طریقہ ملاقات

ملاقات کا طریقہ نہایت مہذب اور پسندیدہ ہے۔ تم کسی سے ملنے جاؤ اور دروازہ کھٹکھٹاؤ

تو اُسی وقت نوکر آکر دروازہ کھولدیگا۔ مکان میں اسی غرض سے ایک خاص کمرہ فرش فروش سے آراستہ رہتا ہی۔ نوکر تمکو وہان بٹھادیگا اور قہوہ یا چائے پیش کریگا اِسکے بعد صاحب خانہ کو اطلاع ہوگی وہ ملاقات کے کمرے میں بیٹھےگا اور تم کو وہیں بلائے گا بڑے بڑے معزز افسرون کی ملاقات کا یہی طریقہ ہے۔ انگریزوں کی طرح احاطے کے باہر برانڈے میں ٹہلنا اور دیر تک انتظار کرنا نہیں پڑتا۔

سلام کرنیکا عجیب طریقہ ہی پہلے سینہ پر ہونٹو نپر۔ پہر پیشانی پر ہاتھہ رکھتے ہیں ان اعضا کا ہاتھہ سے چھُو لینا ضرور نہیں صرف محاذات کافی ہی۔ اگراس طریقہ پر سلام کرنے میں ہاتھہ کو تین منزلین طے کرنی پڑتی ہیں۔ لیکن مشاقی کی وجہ سے تینون مرحلے اس جلدی سے طے ہوتے ہیں کہ معمولی سلام سے زیادہ عرصہ نہیں لگتا۔ اِس ایجاد میں یہ فائدہ ہے کہ قد کو جھکانا نہیں پڑتا۔ اور ایشیائی تعظیم و ادب بھی ہاتھہ سے نہیں جاتا۔ مجلس میں سلام کرنیکا جو طریقہ ہی وہ زیادہ تکلف آمیز ہی یعنی بیٹھہ جانیکے بعد حاضرین میں سے ہر شخص کی طرف الگ الگ مخاطب ہوکر سلام کرنا پڑتا ہے بالکل اِسی طرح جیسا لکھنؤ میں دستور ہے معلوم نہیں ترک جیسے سپاہیوں کو یہ لکھنوانہ تکلف کس نے سکھایا۔ ترکون کی معاشرت میں مجکو جو چیز سب سے زیادہ پسند ہے وہ یہ ہی کہ باوجود نفاست پسندی اور عالی دماغی کے فضول شان و شوکت کا نام نہیں بڑے بڑے وزرا امرا بازار میں نکلتے ہیں تو معمولی حیثیت سے نکلتے ہیں۔ میں نے بارہا وزیر اعظم کی سواری دیکھی ہی صرف دو تین سوار ساتھہ ہوتے ہیں۔ سپہ سالار کل علی رضا پاشا کے ساتھہ پانچ سوار سے زیادہ نہیں ہوتے۔ مکانات اور تمام معاشرت کی چیزون میں بھی سادگی پائی جاتی ہے۔ عثمان پاشا۔ درویش پاشا۔ زکی پاشا جس حیثیت کے لوگ ہیں اسی لحاظ سے اُنکے مکانات کو کم از کم حیدر آباد کا فلک نما اور بشیر باغ ہونا چاہیے تھا لیکن وہ ہمارے مولوی مہدی علی صاحب کی کوٹھی کے برابر بھی نہیں۔ نوکر چاکر بھی کثرت سے نہیں ہوتے جیسا ہمارے یہاں کے نواب اور فرضی شاہزادوں کے یہاں دستور ہے حق یہ ہے کہ ترک اس بات پر جہاں تک فخر کرین بجا ہے کہ اُنھوں نے چھہ سو برس تک سلطنت کے سایہ میں پل کر سپاہیانہ پن نہیں چھوڑا۔ ورنہ عباسی۔ فاطمی۔ اموی (اندلس والے) تیموری تو۔ سو ہی دو سو برس میں۔ اچھے خاصے رنگیلے بن گئے تھے ٭

عورتون کی تعلیم و تربیت

ترکون کی تہذیب و ترقی میں جو چیز سب سے زیادہ قابل قدر اور قابل تقلید ہے وہ عورتون کی تعلیم

وتربیت وطریقۂ معاشرت ہی۔ دنیا کی دو بڑی قومیں یعنی یورپین اور ایشیا ٹک اس مسئلہ میں افراط اور تفریط کے انتہائی کناروں پر واقع ہیں اور اس وجہ سے دونوں کی حالت قابل اعتراض ہی ترکوں نے ایسا معتدل طریقہ اختیار کیا ہے جو دونوں کی خوبیوں کا جامع اور دونوں کے عیوب سے خالی ہی ترکش عورتیں تعلیم یافتہ ہیں لیکن۔ بیشرمی۔ شوخی بیجا آزادی رقاصی کی (اور وہ بھی غیر مردوں کے ساتھ اُنکو تعلیم نہیں ہوئی ہے۔ وہ پردے کی پابند ہیں۔ لیکن جاہل۔ دنیا سے بیخبر۔ مکان کے قفس میں بند۔ حیوان انسان نما نہیں ہیں۔

لڑکیوں کی تعلیم کیلئے سرکاری اور خانگی مدرسے کثرت سے ہیں اور پردہ وحفاظت کا ایسا عمدہ انتظام ہے کہ شرفا کو اپنی لڑکیوں کے بھیجنے میں کچھ تامل نہیں ہوتا۔ علمی مضامین کے ساتھ فرنچ زبان بھی درس میں داخل ہی اور بعض بعض مدرسوں میں موسیقی کی تعلیم بھی ہوتی ہے۔ معلمات کی تعلیم کے لئے ایک خاص مدرسہ ہے جسکی مہتمم رفیقہ خانم ہے یہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم یافتہ خاتون ہے اور سلطان کی حضور سے اسکو درجہ دوم کا تمغہ عنایت ہوا ہے صنعتی مدارس میں ایک مدرسہ کے ساتھ ایک بورڈنگ بھی ہی جسکی مہتمم ایک فرنچ لیڈی مادام بانلی ہی بورڈنگ کا سکرٹری ایک تعلیم یافتہ ترک ہی جس کا نام حسن آفندی ہے صنعت کا ایک اور بڑا مدرسہ اسکیدار میں ہے جسکی معلّمہ اول خیریہ خانم ہے۔

ان مدارس کی وجہ سے تعلیم اس قدر عام ہوگئی ہے کہ زمانہ حال میں بمشکل ایسی عورت ملسکتی ہے جس نے مناسب درجے تک تعلیم نہ پائی ہو۔ بہت سی عورتیں مضمون نگار ہیں اور مشہور اخبارات میں اُنکے آرٹکل نکلتے رہتے ہیں۔ جودت پاشا کی لڑکی فاطمہ خانم مشہور مصنفہ ہی حال میں اسکی ایک نہایت عمدہ ناول شایع ہوئی ہے جس کا نام زنانؔ اسلام ہی عربی زبان میں اسکا ترجمہ بھی ہوگیا ہی اور بیروت میں چھاپا گیا ہے۔ اور بھی چند عورتیں ہیں۔

عورتوں کو چلنے پھرنے میں عام آزادی حاصل ہے۔ ہر درجے اور ہر رتبے کی عورتیں بازار میں نکلتی ہیں سیرگاہوں کو جاتی ہیں۔ دعوت کے جلسوں اور علمی مجلسوں میں شریک ہوتی ہیں لیکن باوجود اس آزادی کے حفظ واحتیاط کے دائرے سے سرمو تجاوز نہیں ہوتا ہر مجمع میں عورتوں کی سوسائٹی مردوں سے الگ رہتی ہے اور کوئی عورت کسی غیر مرد سے بجز خاص حالتوں کے بات تک نہیں کرسکتی۔

ؔ اب یہ کتاب اردو میں ترجمہ ہو کر محمدن پریس علی گڈہ میں طبع ہوچکی ہے ۱۲

عورتوں کا لباس

لباس بالکل یورپین ہے۔ لیکن جب باہر نکلتی ہیں تو نہایت ڈھیلا ڈھالا ریشمی گون پہن لیتی ہیں جو گردن سے لیکر پاؤن تک ہوتا ہی اور اوپر سے نیچے تک ٹبن لگے ہوتے ہیں اس سے بجز چہرے کے اور تمام جسم اس طرح ڈھک جاتاہے کہ بدن کی ہیئت تک نہیں معلوم ہوتی سر پر قصابہ ہوتا ہے اور چہرہ ایک رومال سے چھپاتی ہیں جو ناک کی جڑ سے تھوڑی تک ہوتا ہے۔ دونون آنکھیں اور ناک کی جڑ اور کسی قدر آنکھوں کے نیچے کی سطح کھلی رہتی ہے یہ رومال باریک ململ کے ہوتے ہیں کوئی شخص پاس سے آنکھ جماکر دیکھے تو چہرہ کا رنگ معلوم ہوسکتا ہے۔ لیکن ایسی جرارت کون کرسکتا ہے۔

ایک دفعہ میں عاشر آفندی کے کتب خانہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک ترک صاحب بھی تشریف رکھتے تھے جن سے میری جان پہچان ہوگئی تھی۔ اتفاق سے وہیں انکی دونوں جوان لڑکیاں جن میں سے ایک کی شادی ہوچکی تھی اُن سے ملنے کے لئے آئیں۔ اُنھون نے مجکو دونوں سے انٹرڈوس کرایا۔ جس احترام اور متانت و شرم سے وہ معصوم خاتونیں میرے سامنے کھڑی تھیں مجکو یہہ معلوم ہوتا تھا کہ عورتیں نہیں بلکہ عفت و عصمت کی دیبیاں ہیں۔

قسطنطنیہ مین ہندوستانی

ہندوستان میں کسی کو یہ خیال بھی نہ ہوگا کہ قسطنطنیہ میں ہندوستانی حضرات بھی تشریف رکھتے ہیں۔ خود مجکو یہ گمان نہ تھا۔

ہندوستانیوں کا اصلی مرکز تو ہندی زاویہ ہی جس کا ذکر مین اوپر کرچکا ہوں وہاں اکثر ہندوستانی آنکلتے ہیں۔ لیکن عموماً وہ گداپیشہ ہوتے ہیں انکے سوا تین چار شخص ہیں جو مستقل طور پر سکونت رکھتے ہیں اور انکی حالت اور حیثیت بھی بُری نہیں انکے نام اور مختصر حالات لکھتا ہوں

نصرت علیخان

نصرت علیخان۔ یہ بزرگ اپنے تئیں دلّی کا کہتے ہیں۔ اُنھون نے قسطنطنیہ میں ایک اخبار بھی نکالا تھا۔ لیکن چونکہ اسکے مضامین انگریزی حکومت کے خلاف ہوتے تھے۔ انگلش سفیر نے باز پرس کی اور اخبار بند ہوگیا اب محکمہ تعلیم میں نوکر ہیں۔ ڈیڑھ سو ماہوار تنخواہ ہی ایک ترکی عورت سے شادی کرلی ہے اس سے دو چھوٹی چھوٹی لڑکیاں ہیں۔ خود سیاہ فام ہیں۔ لیکن لڑکیاں گوری چٹی ہیں۔

مرزا محمد بیگ۔ یہ بزرگ ملک اودہ کے رہنے والے ہیں۔ شاہی فوج مین معزز عہدہ پر مامور تھے غدر پہلے مکہ معظمہ چلے گئے تھے اب دس پندرہ برس سے قسطنطنیہ میں رہتے ہیں۔ سلطان نے ڈیڑھ سو ماہوار وظیفہ مقرر کردیا ہے۔ خوش اخلاق اور شریف الطبع آدمی ہیں۔

حسن آفندی۔ بدرالدین طیب جی بیرسٹرایٹ لا ساکن بمبئی کے عموزاد بھائی ہیں ہندوستانی اشیا کی تجارت کرتے ہیں پہلے انکا کارخانہ بڑے فروغ پر تھا۔ چنانچہ اور مصارف کے علاوہ آٹھ سو ماہوار صرف دوکان کا کرایہ تھا۔ لیکن اب فیشن کے بدلجانے سے ان چیزوں کی قدر نہیں رہی اور کارخانہ شست ہوگیا۔ تاہم خوشحالی سے بسر کرتے ہیں۔ مکان اور فرنیچر قسطنطنیہ کے لحاظ سے بھی اعلیٰ ہی ایک باغ بھی تیار کرایا ہی۔ تمام لوگ اُنکی عزت کرتے ہیں۔ سلطان کے یہاں سے ٹمل بھی ملا ہے انگریزی بخوبی جانتے ہیں نہایت خوش اخلاق۔ فیاض۔ روشن ضمیر نیک طبع آدمی ہیں ہندوستانیون سے انکو عجیب اُنس اور محبت ہی۔ اور یہ حب لوطنی ہی میرے اور اُنکے تعارف کا ذریعہ ہوئی ایک دفعہ مین بازار میں پھر رہا تھا۔ آفندی موصوف سامنے سے گذرے مجکو دیکھکر بے اختیار بڑھکر پوچھا آپ ہندوستانی تو نہیں ؟، اس وقت میرا لباس عربی تھا۔ طرہ یہ کہ جواب مین اتفاقاً زبان سے بجائے ہان کے نعم کا لفظ نکلا۔ تاہم میرا ہندی ہونا کیونکر چھپ سکتا تھا وہ گلے سے لپٹ گئے اور بولے کہ آپ تو ہماری چیز ہیں ہم سے بچکر کہاں چلے تھے میں جب تک وہان رہا اکثر میرے مکان پر تشریف لاتے تھے کئی دفعہ دعوت کی اور اپنے گھرلے گئے معلوم نہیں یہ مہمان نوازی ان کی طینت کا خمیر ہے یا قسطنطنیہ کی آب و ہوا کا خاصہ ہے اُن کا پتہ یہ ہے قسطنطنیہ۔ مجوہر بدستاندہ حاجی حسن علی آفندی ہندی۔

میں نے پتہ اس غرض سے لکھا ہی کہ کوئی صاحب قسطنطنیہ کا قصد کرین توان سے ضرور ملیں ان سے بڑھکر کوئی غمخوار نہیں ملسکتا۔

قسطنطنیہ کے احباب

نہایت ناشکری ہوگی کہ اگر مین قسطنطنیہ کی پرلطف داستان ختم کردون اور اُن محبت کیش دوستون کا نام نہ لون جو اس چند روزہ اقامت میں میرے یار غمگسار بن گئے تھے اور جلوت وخلوت میں ہمدم وہمراز رہتے تھے۔ چنانچہ شیخ عبد الفتاح اور شیخ علی ظبیان کے سوا جنکا ذکر

اوپر گذر چکا ہے باقی دو ستون کے نام اور مختصر حالات لکھتا ہون۔

فواد بک

فواد بک۔ مکتب ملکیہ کے ایک ممتاز طالب علم ہیں دمشق کے قریب حصبایہ ایک موضع ہے جہان حضرت خالد بن الولید کی نسل سے ایک خاندان آباد ہے۔ یہ لوگ دولتمند ہیں اور اس کے ساتھ ملکی اثر رکھتے ہیں۔ چنانچہ ٹرکی حکومت کی طرف سے ابتک اُن اضلاع کا جو حاکم مقرر ہوتا تھا اسی خاندان سے انتخاب کیا جاتا تھا۔ فواد سے میری ملاقات عزیزانہ تعلق کی حد تک پہونچ گئی تھی اُنکے ایک بھائی سامی بک اُنھین دنوں قسطنطنیہ آئے اور مین نے جو مکان کرایہ پر لیا تھا اسی کے ایک کمرہ مین فروکش ہوئے وہ مکتب الحقوق میں داخل ہونیکی تیاری کرتے تھے اور چونکہ امتحان داخلہ میں منطق کا بھی امتحان ہوتا ہے مجھسے درخواست کی کہ مین مختصر طور پر اُنکو منطق کے تمام مسائل عبور کرا دوں اگرچہ میرا ہرج اوقات تھا تاہم اُنکی خاطر سے مین نے اُنکو اور اُنکے ساتھ دو تین اور طالب العلم کو ایسا غوجی پڑھائی حسن اتفاق یہ کہ امتحان داخلے میں وہ لوگ پاس بھی ہو گئے اسیطرح دوستی اور محبت کا رشتہ اور بھی مضبوط ہو گیا۔ شام کو ہمیشہ ہم تین چار آدمی ایک قہوہ خانے مین جو عین لب دریا ہی ساتھ بیٹھا کرتے تھے اور عجیب لطف و مزے کی صحبت رہتی تھی کبھی کبھی مغرب کے بعد کشتی کرایہ کرتے اور سمندر کی سیر کرتے پھرتے فواد کو گانا آتا ہی مزے مین آکر عربی گیت گایا کرتے ایکدن مجھسے فرمائش کی کہ کوئی ہندی چیز سناؤ مین نے بہتیرا کہا کہ "بھائی مین مولوی آدمی ہون مجھکو گانے سے کیا واسطہ"، لیکن وہ کب ماننے تھے آخر مجبور ہو کر مین نے اردو کے دو تین شعر آواز کو گھٹا بڑھا کر پڑھے اور کہا کہ ہندی مین یون ہی گاتے ہیں۔

عبدالسلام آفندی

عبدالسلام آفندی۔ بیت المقدس میں سادات کا ایک مشہور خاندان ہے یہ اُس کے ایک معزز ممبر ہیں بیت المقدس کے مفتی جنکا ذکر آگے آئے گا اسی خاندان سے ہیں یہ پہلے جنٹ مجسٹریٹ تھے کسی وجہ سے معزول ہو گئے اور اسی فکر میں یہان آئے ہیں۔ نہایت لائق فائق تعلیم یافتہ زندہ دل آدمی ہیں۔ ایک مدت تک میں اور یہ ایکساہی مکان میں رہے اور اس وجہ سے زیادہ میل جول ہو گیا۔ اکثر علمی بحثین کیا کرتے تھے فلسفہ حال سے واقف اور اُس کے معترف تھے اُنکا خیال ہے کہ قرآن شریف کا کوئی مسئلہ فلسفہ حال سے مخالف نہیں اکثر اسی امر کے متعلق گفتگو کیا کرتے تھے میں اُنکی مسافر نوازی اور اسلامی ہمدردی کا ازبس ممنون ہون

ایک مشکل موقع پر اُنھوں نے میرے ساتھ جو تعجب انگیز ہمدردی کی اُسکا ذکر مناسب موقع پر آئیگا

خواجہ آفندی

خواجہ آفندی معزز آدمی ہیں - درویش پاشا کی بھتیجی ان سے بیاہی ہے اور پاشائے موصوف انکو نہایت عزیز رکھتے ہیں - انھیں کے مکان میں یہ رہتے ہیں - میں چند بار اِنسے ملا - فارسی بہ تکلف بول لیتے ہیں - نہایت خوش اخلاق اور منکسر المزاج آدمی ہیں - ہمیشہ چائے اپنے ہاتھ سے بناکر پلاتے تھے - ایک بار میری قیامگاہ پر بھی تشریف لائے اور دیر تک بیٹھے رہے خونگر صوی کی سیر مجکو انھیں نے کرائی تھی -

ملا محمد آفند

ملا محمد آفند - موصل کے رہنے والے ہیں - عربی بقدر ضرورت پڑھی ہے - فارسی اچھی طرح بول سکتے ہیں - انکی معاش کا کوئی ذریعہ نہیں مجبورانہ ایک تکیہ میں رہتے ہیں اور فقر و فاقہ سے بسر کرتے ہیں - بااین ہمہ نہایت باحمیت اور غیرتمند ہیں - میں نے جب ترکی سیکھنے کا ارادہ کیا تو ایک دوست نے انکا نام لیا اُسوقت تک مجکو اِنسے بالکل تعارف نہ تھا اس لئے میں نے ۲۰ روپیہ ماہوار پر انکو مقرر کرنا چاہا - یہ رقم انکے لئے عطیۂ غیبی تھی - لیکن جب انکو معلوم ہوا کہ میں صرف تحقیقات علمی کے لئے یہان آیا ہون تو معاوضہ لینے سے انکار کیا - اور مفت پڑھاتے رہے اکثر میری قیام گاہ پر آکر پڑھا جایا کرتے تھے ٹوٹی پھوٹی ترکی جو مین نے سیکھی انہیں سے سیکھی افسوس ہے کہ اب وہ بھی محفوظ نہیں رہی -

ان دوستوں کے سوا اور بہت سے چشم آشنا احباب پیدا ہوگئے تھے جنکا ذکر چندان ضروری نہیں

غازی عثمان پاشا کی ملاقات اور تمغہ مجیدی کا عطا ہونا

یہ وہی نامور جنرل ہے جس نے پلونا میں جو بیس ہزار روسیوں کو مجروح اور آٹھ ہزار تہ تیغ کئے تھے جسکے مقابلے میں شہنشاہ روس نے اپنی کل فوجی قوت صرف کردی تھی اور خود سپہ سالار بنکر گیا تھا جس نے باوجود فوج کی کمی اور رسد کی قلت کے روس کی مجموعی طاقت کا مدت تک مقابلہ کیا اور میدان جنگ میں زخمی ہوکر گرفتار ہوا تو خود شہنشاہ روس نے اسکی کمر مین تلوار باندھی اور مہینوں تک اپنا مہمان رکھا یہ واقعات اُسی زمانہ میں اخبارات کے ذریعہ سے تمام ہندوستان میں مشہور ہوگئے تھے اور بچہ بچہ اِس نامور بہادر کے نام سے واقف ہوگیا تھا قسطنطنیہ میں اگرچہ کسی فوجی

افسر سے نہیں ملا اور نہ ملنا چاہا۔ لیکن یہ کیونکر ممکن تھا کہ ایسے نادرہ روزگار کے دیکھنے کا شوق دل میں نہ ہوتا۔

پاشائے موصوف اگرچہ اس رتبہ کے آدمی ہیں کہ ٹرکی میں کوئی شخص ان سے بڑھکر بلکہ انکے برابر بھی نہیں۔ اور اس لحاظ سے مجکو اُن تک رسائی کی کم امید ہو سکتی تھی۔ تاہم شوق کی بیتابی نے نمانا اور میں ایک مترجم کو ساتھ لیکر اُنکے مکان پر گیا۔ گھنٹی بجانے پر دروازہ کھُلا۔ دربان نے اندر جانے کی اجازت دی قاعدہ کے موافق ملاقاتیون کے کمرہ مین جاکر بیٹھا ایک معزز ترک وہان تشریف رکھتے تھے۔ نہایت مہربانی سے پیش آئے اور مزاج پرسی کے بعد قہوہ منگایا۔ تھوڑی دیر کے بعد اطلاع ہوئی پاشائے موصوف زنانے میں تھے۔ کہلا بھیجا کہ ذرا دیر میں آتا ہوں۔ قریباً دس منٹ کے بعد ایک ملازم آیا اور مجکو بالاخانہ پر لے گیا ایک خوبصورت کمرہ آراستہ تھا ہم وہاں بیٹھے تھوڑی دیر کے بعد پاشائے موصوف تشریف لائے جن صاحب کو میں نے مترجمی کیلئے ساتھ لیا تھا سررشتہ تعلیم کے ایک افسر تھے اُنھوں نے آگے بڑھکر حسب قاعدہ پاشائے موصوف کے دامن کا کنارہ چوما اور مودبانہ طور سے پیچھے ہٹے۔ میں نے طریقہ سنت کے موافق سلام کیا۔ پاشائے موصوف نے سلام کا جواب دیا اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا مزاج پرسی کے بعد نام اور مقام پوچھا مترجم نے کہا کہ وہ ہندوستان کے علما میں سے ہیں اور تحقیقات علمی کی غرض سے آئے ہیں " یہ سُنکر نہایت مہربانی اور توجہ ظاہر کی اور دیر تک مسلمانوں کے حالات پوچھتے رہے رخصت ہو کر میں اُٹھا تو خود بھی اُٹھے اور کہا کہ آپ دوبارہ تشریف لائیں تو مجکو خوشی ہوگی۔

پاشائے موصوف پست قامت ہیں۔ دُھرا بدن ہے رنگ گورا چمکتا ہوا ہے چہرے سے ہیبت اور شجاعت ٹپکتی ہے عمر ۶۰۔ ۷۰ کے بیچ میں ہے لیکن بڑھاپے کا مطلق اثر نہیں ہے۔ فارسی بقدر ضرورت جانتے ہیں اور چونکہ ایک مدت تک یمن کے گورنر رہ چکے ہیں عربی بے تکلف بول سکتے ہیں پلونا کے واقعہ کے بعد سلطان نے انکو کمانڈر انچیف اور صیغہ جنگ کا وزیر کر دیا تھا لیکن چونکہ اس عہدہ کی وجہ سے وہ سلطان کی خدمت میں ہمیشہ حاضر نہیں رہ سکتے تھے سلطان نے اس عہدہ پر فواد پاشا کو مقرر کر دیا اور اُنکو مابین کی افسری دی جسکی وجہ سے وہ زیادہ تر سلطان کی خدمت میں حاضر نہیں رہتے ہیں سلطان کو پاشائے موصوف سے زیادہ کسی عزیز و قریب یا نوکر اور عہدہ دار پر اعتماد نہیں

ہے اور اسی وجہ سے انکو اپنے پاس سے جدا نہیں کرتے - جمعہ و عید کو جب مسجد مین تشریف لاتے ہیں تو انکے ساتھ گاڑی میں عثمان پاشا کے سوا اور کوئی شخص نہیں ہوتا ہی -

دوسری دفعہ میں ملاقات کو گیا تو پہلے سے کمرے میں آبیٹھے - میں اندر داخل ہوا تو کرسی سے اٹھکر دو ایک قدم بڑھے اور پہلے دن کی طرح ہاتھ ملایا اسکے بعد مین جب اُنسے ملا تو اُسی طریقہ سے ملے پاشائے موصوف مجھپر نہایت مہربان ہوگئے تھے - جب میری روانگی کا زمانہ قریب آیا اور مین نے اُنسے کہا کہ اب میں یہاں دو چار دن کا مہمان ہون تو فرمایا کہ ایک دو دن جانے سے پہلے مجھسے مل لینا اسی اثنا میں اُنھون نے سلطان سے میرے لئے تمغہ مجیدی عطا ہونیکی درخواست کی اور وہ منظور ہوگئی لیکن مجکو اسکی کچھ اطلاع نہ تھی ایک دن دوپہر کے وقت مین اپنے مکان میں سو رہا تھا کہ میرے ایک دوست دوڑے ہوئے آئے اور جگا کر کہا کہ یا شبلی واللہ لقد طلع لک النیشان مجکو ایک گونہ تعجب ہوا اور میں نے کہا کہ یون ہی کہتے ہو - آخر تمکو معلوم کیونکر ہوا؟ بولے کہ تمام اخبارات میں چھپ گیا ہے - میں اُسی وقت اٹھا اور ایک قرأت خانے میں جاکر اخبار دیکھے تو واقعی وہ خبر صحیح تھی اُسی وقت مجکو خیال پیدا ہوا کہ مین انگریزی رعیت ہون اس لحاظ سے انگلش سفیر کو اسکی اطلاع دینی ضرور ہے دوسرے دن میں سفیر کے پاس گیا - اتفاق سے وہ مکان پر نہ تھے مین اپنا کارڈ چھوڑ آیا دوسرے دن تمام احباب مبارکباد کو آئے - میں نے ایک مختصر جلسہ دعوت ترتیب دیا - شیخ علی ظبیان عبد السلام افندی - فواد سامی - شریف - اور دیگر احباب شریک جلسہ تھے - دعوت کی صبح کو عثمان پاشا کی وداعی ملاقات کو گیا - تمغہ کی خبر ایسی عام ہوگئی تھی کہ پاشائے موصوف کے مکان پر پہونچا تو سب سے پہلے دربان نے کہا کہ وہ تمغہ مجیدی مبارک ہا مجکو تعجب ہوا کہ اسکو کیونکر خبر ہوگئی معلوم ہوا کہ یہاں امرا و پاشاؤن کے نوکر چاکر عموماً پڑھے لکھے ہوتے ہیں اور فرصت کے اوقات میں اخبارات پڑھا کرتے ہیں پاشائے موصوف نے ملاقات کیساتھ تمغہ کی مبارکبادی تمغہ میز پر سامنے رکھا ہوا تھا - بکس سے نکالکر پہلے اُنھون نے آنکھون سے لگایا وہ سلطان کی ادنے سے ادنے چیز کی بھی ترکی لوگ اس حد تک تعظیم کرتے ہیں) پھر مجکو حوالے کیا - میں سر و قد کھڑا ہوگیا اور سلطان کو دعا دی کچھ دیر کے بعد رخصت کے ارادے سے اٹھا تو پاشائے موصوف نے فرمایا ذرا دیر اور تشریف رکھیے یہ کہکر دوبارہ قہوہ منگوایا اور ادھر اودھر کی باتین کرتے رہے اخیر میں فرمایا کہ بس آپکی تشریف آوری کا ممنون ہون چلتے چلتے

کہاکہ ہندوستان پہونچکر تمام مسلمانون اور
بالخصوص علما اور فضلا کی خدمت میں میرا
سلام پہونچانا اور کہنا کہ عثمان آپ لوگو نسے دلی محبت
رکھتا ہی میں نے نہایت خلوص اور جوش کیساتھ
شکریہ ادا کیا۔ پاشاے موصوف نے مجکو اپنی عکسی
تصویر عنایت کی اور اُسپر دست مبارک سے
یہ الفاظ لکھے "شبو فوٹوغرافم شبلی النعمانی
آفندی یہ ہدیۃ المشعر محرم الحرام سنہ ۱۳۱۰ ہجری
یعنی میں نے اپنا یہ فوٹوغراف شبلی نعمانی کو
ہدیہ دیا " یہ تصویر اس وقت میرے پاس موجود ہی اور میں اسکو ایک بڑا تبرک اور نشان فخر
سمجھتا ہوں۔ جو میرے خاندان اور میری نسل میں ہمیشہ یادگار رہے گا تمغہ کیساتھ جو فرمان عطا ہوا
اُسکی نقل ذیل میں ہے۔

نقل فرمان بخط فارسی

ہندوستانن علی گڈہ نام محلندہ کائن دار المعلمین معلم اول شبلی النعمانی آفندی نن
شایان تلطفات سنیہ شاہانہ م اولدلغنہ بناءً اشرف افزائے سنوح وصدور اولان
امر و فرمان معالی عنوان بادشاہانہم موجب عالیسی اوزرہ کند وسنہ مجیدی نشان
ذیشانک دردنجی رتبہ سندن برقطعہ سی عنایت واحسان قلنمش اولدیغنی متضمن اشبو
برات عالیشانم تصدیر اولندی حرر فی الیوم الرابع عشر من شہر محرم الحرام سنہ عشر وثلث مائۃ

ترجمہ

شبلی النعمانی آفندی جو دار المعلمین علی گڈہ واقع ہندوستان کا معلم اول ہی چونکہ شاہانہ
تلطفات کا مستحق خیال کیا گیا اِسلیئے اسکو تمغہ مجیدی درجہ چہارم کے عطا ہونیکے لیے
حکم واجب الاصدار صادر ہوا اور اسکی سند کے لئے یہ فرمان عالیشان صادر ہوا۔ تحریر ۱۴ المحرم الحرام ۱۳۱۰ھ
یہ عجیب اتفاق کہ میں نے تمغہ کو قسطنطنیہ۔ بیروت مصر۔ کسی مقام میں کبھی استعمال نہیں کیا

تمت نسخہ بلاغت تصنیف ضرب الوثی حرر فی یوم الجمعہ عشرہ شہر محرم الحرام سنہ ۱۲۸۹ہ حسینو وخجانہ ۵۵

ہندوستان میں پہونچکر خیال ہوا کہ گورنمنٹ سے اجازت حاصل کرکے استعمال کروں چنانچہ جناب ہریسن صاحب مجسٹریٹ علی گڈھ نے باضابطہ چھٹی کے ذریعہ سے گورنمنٹ میں سفارش کی وہان سے جواب آیا کہ رزولیوشن مورخہ ۲ مئی ۱۸۹۶ء ملاحظہ طلب ہے اس رزولیوشن کا حاصل یہ ہی کہ گورنمنٹ انگریزی کی کوئی رعیت کسی دوسری سلطنت کا کوئی نشان یا تمغہ استعمال یا قبول نہیں کرسکتی تا آنکہ پہلے جناب ملکہ معظمہ سے اجازت نہ حاصل کیجائے - اس حکم کی تعمیل کیموافق میں تمغہ کو استعمال نہیں کرتا

سلطنتہائے غیر کے تمغون کے متعلق گورنمنٹ کا رزولیوشن

قسطنطنیہ سے روانگی ۲۶ محرم ۱۳۰۹ھ

قسطنطنیہ میں میں پورے تین مہینے مقیم رہا - اخیر اخیر طبیعت اُچاٹ ہوچلی تھی یہانتک کہ میں سلطان کی جشن تخت نشینی کا بھی انتظار نکرسکا - قسطنطنیہ میں ہر سال صفر کی آٹھوین تاریخ جو سلطان کی تخت نشینی کی رات ہی بڑی دھوم دھام سے جشن ہوتا ہی تمام شہر مین چراغان کیا جاتا ہی شہر کے تمام باشندے اپنے اپنے مکانوں میں بڑے تکلف اور اہتمام سے روشنی کرتے ہیں - اور چونکہ یہ طریقہ سلطان کے ساتھہ خلوص اور محبت کی دلیل ہی امرا اور پاشاؤن کے یہاں حد سے زیادہ اہتمام ہوتا ہی شیخ علی ظبیان نے مجھسے کہا کہ پچھلے سال درویش پاشا کے مکان میں چودہ ہزار رومی گلاس روشن کیے گئے تھے سڑک پر جسقدر مکانات ہیں اُنکے دروازون پر روشنی کے حرفوں میں یہ عبارت لکھی ہوتی ہے بادشاہم چوق یشا یعنی "ہمارا بادشاہ بہت زندہ رہے" یہ طریقہ مسلمانوں کیساتھہ مخصوص نہیں ہی بلکہ فرنچ - جرمن - انگریز - اور یورپ کی قومیں جو یہان مقیم یا خوش باش ہیں اُنکے دروازون پر بھی یہ فقرہ روشنی کے حرفون میں لکھا ہوتا ہے -

سلطان کی تخت نشینی کا جشن

مجکو نہایت افسوس ہی کہ میں یہ پر لطف اور پر جوش تماشا نہ دیکھہ سکا برخاستگی طبیعت کیساتھہ کچھہ ایسے اسباب جمع ہوگئے تھے کہ زیادہ ٹھہرنا ممکن نہ تھا - لوگوں نے یہ بھی کہا کہ ترکی حکومت میں ہر جگہ یہ جشن ہوتا ہی - تم جہاں کہیں ہوگے یہ سیر دیکھہ سکوگے لیکن یہ ظاہر ہے کہ دار السلطنت میں جو شان و شوکت اور اہتمام ہوتا ہی وہ دوسرے مقامات میں کیونکر ہو سکتا ہی طرہ یہ کہ مجکو بدقسمتی سے اس جشن کی معمولی سیر بھی دیکھنی نصیب نہ ہوئی - کیونکہ اس تاریخ کو عالم آب میں تھا یعنی جہاز پر سوار تھا اور آبادی سے دور آچکا تھا -

روانگی کے وقت احباب کی مشایعت

یاد ہوگا کہ میں جب قسطنطنیہ میں داخل ہوا تھا تو یکہ و تنہا تھا۔ لیکن واپسی کے وقت دوستوں کا ایک گروہ ساتھ ہے تمام احباب بندرگاہ تک ساتھ آئے ہیں رخصت کے وقت بڑی گرم جوشی سے بغلگیر ہوتے ہیں اور دعائیہ الفاظ کے ساتھ خط و کتابت اور دوستانہ مراسم جاری رکھنے کا وعدہ لیتے ہیں جہاز پر پہونچا تو حسن ہندی پہلے سے میرے انتظار میں وہاں موجود تھے انسے ملکر نہایت خوشی ہوئی دیر تک لطف و محبت کی باتیں رہیں۔ شام کے قریب جہاز نے لنگر اٹھایا۔ شیخ علی ظبیان جو اسی جہاز پر اپنے وطن دمشق کو جا رہے تھے میرے ہمسفر اور مونس و غمگسار تھے جہاز وڈس۔ سمرنا۔ سائپرس ہوتا ہوا بیروت پہونچا۔ ایک دن جہاز پر عجب برہمی اور بے لطفی ہوئی۔

جہاز پر ایک ناگوار واقعہ

سائپرس میں دو شہر ہیں لنرنکہ اور لمونہ دونوں جگہ جہاز لنگر کرتا ہے۔ لنرنکہ میں جو لوگ جہاز پر سوار ہوئے ان میں سائپرس کا ایک رئیس تھا اور چونکہ اسکو صرف لمونہ تک جانا تھا۔ تیسرے درجے کی چھت پر ہمارے دوست شیخ علی ظبیان کے بستر کے قریب آبیٹھا شیخ موصوف باوجود فضل و کمال کے تنک مزاج آدمی ہیں رئیس مذکور نے انکے بستر پر کوئی چیز رکھدی۔ اتنی بات پر یہ برہم ہوگئے وہ غریب تو چپ رہا لیکن اس کا نوکر جو صورت سے قوی اور تنومند معلوم ہوتا تھا ضبط نہ کرسکا۔ بات زیادہ بڑھی یہانتک کہ جہاز کے اور مسافر جو اکثر شامی عرب تھے ادھر ادھر سے آکر جمع ہوگئے۔ عربوں کا سہارا پاکر ہمارے دوست زیادہ تیز ہوئے نوکر نے کہا آپ غصہ کیوں کرتے ہیں؟ ہم آپ کی کچھ رعایا نہیں ہیں۔ ہمارا شہر انگریزی حکومت سے تعلق رکھتا ہے۔

ان الفاظ کا اسکے منہ سے نکلنا تھا کہ تمام عرب برہم ہوگئے یہانتک کہ ایک عرب نے کمر پکڑ کر اسکو اٹھا لیا اور کہا کہ مردود! تجکو دریا میں پھینکدیتا ہوں۔ اگرچہ ہجوم کی وجہ سے نہایت کشمکش تھی اور بعض آدمی اوسکو روکتے بھی رہے تاہم وہ لوگوں کو ہٹاتا ہوا جہاز کے کنارے تک پہونچ گیا اور اس زور سے دو تین جھٹکے دئے کہ قریب تھا کہ وہ غریب سمندر میں جا پڑے۔ اسوقت چند آدمیوں نے نوکر کو بزور اسکے قبضہ سے چھڑا کر اشارہ کیا کہ کمبخت جہاز کے کسی گوشہ میں چھپ جا۔ پھر بھی تمام عرب دیر تک غل کرتے اور انگریزی حکومت کی شان میں نامناسب الفاظ کہتے رہے مجکو تعجب ہوتا تھا کہ جہاز کے افسر یہ ہنگامہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے اور مطلق دخل نہیں دیتے تھے۔

ساتویں دن ہمارا جہاز بیروت پہونچا۔ شیخ علی ظبیان جہاز سے اترے۔ میں بھی انکے ساتھ اس

ارادے سے اُترا کہ جہاز کے روانہ ہونے تک واپس آ جاؤں گا شہر میں پہونچکر معلوم ہوا کہ شیخ طاہر مغربی اتفاقات سے آج کل ہیں ہیں شیخ موصوف دمشق میں مدرس ہیں اور اُنکے فضل و کمال کی ان اطراف میں بڑی شہرت ہے۔ میں نے قسطنطنیہ میں ان کے اوصاف سُنے تھے۔ شیخ علی ظبیان نے کہا کہ تمکو ان ممالک میں دوبارہ آنا نہیں ہے شیخ طاہر کی ملاقات کا موقع ہاتھ سے نہیں دینا چاہیئے۔ غرض ان کی صلاح سے میں نے جہاز سے اپنا اسباب اُتروایا اور ایک ہفتہ تک بیروت میں مقیم رہا چونکہ یہ شہر صوبہ دمشق کا اسٹیشن اور اضلاع شام میں تہذیب و تمدن کا مرکز خیال کیا جاتا ہے اس لیے میں اسکے حالات کسیقدر تفصیل کیساتھ لکھتا ہوں

بیروت

یہ نہایت قدیم شہر ہے۔ مورخین اس کے زمانہ تعمیر کی ٹھیک تعین نہیں کر سکتے لیکن اس قدر یقینی ہے کہ حضرت عیسیٰ کی ولادت کے پیشتر موجود تھا سنہ ۲۲۲ عیسوی میں جب اسکندر سفیروس۔ رومتہ الکبرٰے کی مسند حکومت پر بیٹھا تو یہاں قانونی تعلیم کی بہت بڑی یونیورسٹی کی بنیاد ڈالی جو کئی سو برس تک بڑی اوج پر قائم رہی سنہ ۱۳ ہجری میں اسلام کے قبضے میں آیا یہاں تک کہ سنہ ۱۵۱۷ عیسوی میں سلطان سلیم اول نے اسکو فتح کیا اُسوقت سے آج تک ترکوں کے زیر حکومت ہے۔

اس موجودہ ترقی کی ابتدا سنہ ۱۸۴۲ء ہے اور اُسوقت سے آجتک تجارت اور آبادی کو روز افزوں ترقی ہے۔ بیس برس پہلے اسکی مردم شماری چالیس ہزار تھی سنہ ۱۸۷۵ء میں ستر ہزار ہو گئی اور اب ایک لاکھ سات ہزار چار سو ہے جس میں ۳۰۰۰۰ مسلمان ہیں باقی عیسائی اور کچھ یہودی اور دُرزی ہیں۔ شہر کا قدیم حصہ نہایت خراب ہے۔ سڑکیں اور گلی کوچے تنگ اور ناہموار۔ اور مکانات پست اور کم فضا ہیں۔ لیکن جدید حصہ نہایت پر رونق اور خوشنما ہے۔ ہوٹل، سرائیں۔ قہوہ خانے۔ کثرت سے ہیں۔ ایک قہوہ خانہ عین دریا میں ہے اور عجب فضا کی جگہ ہے۔

زبان یہاں کی عموماً عربی ہے۔ عیسائی اور یہود وغیرہ سب عربی بولتے ہیں لباس اور وضع عرب کے قریب قریب ہے لیکن پائجامہ کا بلیوں کے انداز کا ہوتا ہے۔ میانی سونڈ کی طرح زمین پر لٹکا رہتا ہے اور یہ بڑا حسن سمجھا جاتا ہے۔ ایک پاجامہ دس بارہ گز سے کم میں نہیں تیار ہوتا۔ مسلمان۔ عیسائی۔ درزی۔ سب یہی لباس پہنتے ہیں البتہ نئے تعلیم یافتہ کوٹ پتلون پہننے لگے ہیں۔ آب و ہوا کسیقدر مرطوب ہے تاہم مشہور یہ ہے کہ تندرستی کیلئے بہت مفید ہے۔ یہاں تک کہ اور مقامات سے لوگ تبدیل ہوا کے لئے یہاں آتے ہیں شاید ایسا ہی ہو

لیکن تجربہ اس کے خلاف ہے۔ میں جب تک وہاں رہا طبیعت بدمزہ رہی۔ دو تین دن بخار بھی آیا اور علاج کی ضرورت پڑی۔ البتہ **لبنان** جو ایک مشہور پہاڑ ہے اور یہاں سے تین چار میل ہے آب ہوا کے لحاظ سے مشہور جگہ ہے **متنبی** نے اسکی نسبت کہا ہے۔

وعقاب لبنان وکیف بقطعہا

وھی الشتاء وصیفھن شتاء

بیروت
کی
علمی ترقی اور مدارس وغیرہ

بیروت کی علمی ترقی

بیروت میں علمی ترقی اگرچہ تھوڑے زمانہ سے شروع ہوئی ہے لیکن جس تیزی سے یہ شہر ترقی کر رہا ہے اور ترقی کی جس حد تک آج پہونچ چکا ہے اس کے لحاظ سے تمام ممالک اسلامیہ میں قسطنطنیہ کے سوا کوئی شہر اس کا ہمسر نہیں ہے اور بعض خصوصیتوں میں تو اسکو قسطنطنیہ پر بھی ترجیح ہے۔

عربی زبان کیساتھ اعتنا

عیسائیوں کی ایک جماعت نے عربی زبان پر نہایت توجہ کی ہے اور وہ ہر طرح ہماری شکریہ کے مستحق ہیں۔ ان لوگوں نے نہایت کوشش سے دور دور سے عرب کے قدیم دواوین بہم پہونچائے ہیں اور اُن کو چھاپ کر شائع کیا ہے۔ خنساء، عنترہ بن شداد العبسی۔ اسمعیل ابو العتاہیہ۔ ابن ہانی۔ ابو فراس وغیرہ کے دیوان انہیں لوگوں کی بدولت ہم تک پہونچے ورنہ انکا نام و نشان بھی لوگوں کو معلوم نہ تھا۔ عرب کے عیسائی شاعروں کے کلام کے ساتھ اتحاد مذہب کی وجہ سے اور بھی زیادہ اعتنا کیا ہے ان تمام شعرا کے اشعار یکجا جمع کئے ہیں اور انکا ایک سلسلہ چھاپنا شروع کیا ہے۔ تین چار جلدیں چھپ چکی ہیں اور باقی تیار ہو رہی ہیں۔ اسمیں جاہلیت اور اسلام دونوں زمانے کے شعرا داخل ہیں۔ **اخطل نصرانی** جو فرزدق اور جریر کا معاصر اور دولت بنی امیہ کا مشہور شاعر تھا اس کا دیوان نہایت کوشش اور اہتمام سے مستقل طور سے چھاپا ہے۔ یہ دیوان نہایت نایاب و عزیز الوجود تھا یہانتک کہ قسطنطنیہ اور مصر کے کتب خانے بھی اس سے خالی تھے۔ صرف شہنشاہ روس کے کتب خانہ میں ایک نسخہ تھا۔ چنانچہ اس کی نقل و کتابت کا انتظام کیا گیا اور سینٹ پیٹرسبرگ یونیورسٹی کے عربی پروفیسر نے اس کی تصحیح کی۔ یہ قلمی نسخہ جسکو پروفیسر مذکور نے اپنے ہاتھ سے صحیح کیا تھا مجکو دکھلایا گیا۔ اور میں نے ان عیسائیوں کی بلند ہمتی اور ذوق علمی کا دل سے

اعتراف کیا۔ مسلمانوں! تمکو بھی کچھ غیرت آتی ہے۔

ان لوگوں نے خود بھی فن ادب کے متعلق مفید تالیفات کی ہیں چنانچہ روضۃ الادب فی طبقات شعراء العرب۔ مجانی الادب شرح مجانی الادب مشہور اور شائع ہوچکی ہیں تعجب اور سخت تعجب یہ ہے کہ یہاں مسلمان عالموں نے ادب میں جو مفید کتابیں لکھی ہیں وہ بھی انہیں عیسائیوں کی بدولت یعنی عیسائیوں نے اُنکو اجرت اور صلہ دیکر یہ کتابیں تصنیف کرائی ہیں اور اُنکو اپنے اہتمام سے چھاپا اور شائع کیا۔ مقامات بدیعی۔ اور رسائل بدیعی کی شرحیں جو حال میں نہایت خوبی اور اہتمام سے چھپکر شائع ہوئی ہیں اسی طریقہ سے تیار ہوئی ہیں میں نے لوگوں سے پوچھا کہ ان لوگوں کو عربی زبان کیساتھ اس قدر اعتنا کیوں ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ لوگ اپنے تئیں عربی النسل کہتے ہیں اور اس انتساب پر انکو فخر ہے۔

لٹریچر کا مذاق اس قدر عام ہے کہ بچہ بچہ کو شعر و شاعری کا چسکا ہے بہت سے لوگ صاحب دیوان ہیں اور سو سو پچاس پچاس قصیدے لکھنے والے تو سیکڑوں بلکہ ہزاروں ایک مشہور شاعر سے قہوہ خانے میں ملاقات ہوئی معلوم ہوا کہ ۴۰ برس سے مشق سخن میں مصروف ہیں۔ البتہ یہ افسوس ہے کہ مذاق صحیح نہیں۔ غزل اور بیہودہ مدح سرائی کے سوا کسی کا کلام پسند نہیں کرتے۔ میں اکثر صحبتوں میں جاہلیۃ اور ابتداء اسلام کے شعراء کے اشعار پڑھتا تھا تو مجکو بدمذاق خیال کرتے تھے۔

علوم جدیدہ اور نئے مذاق کو بہت کچھ ترقی ہے۔ فلسفہ و صنائع و فنون جدیدہ کی اکثر کتابیں ترجمہ ہوگئی ہیں۔ بڑے بڑے کالجوں اور اسکولوں میں جو نصاب تعلیم ہے اور جو یہاں کے انٹرنس اور ایف اے و بی اے کے برابر ہے عموماً عربی زبان میں ہے صرف ڈاکٹری کی تعلیم فرنچ زبان میں ہوتی ہے جسکی وجہ ان لوگوں نے مجھسے یہ بیان کی کہ اس فن کے متعلق روز بروز تجربہ کو ایسی ترقی ہوتی جاتی ہے اور اس کثرت سے نئی نئی کتابیں تصنیف ہوتی جاتی ہیں کہ ترجمان کا ساتھ نہیں دے سکتا فلسفہ و علوم جدیدہ کا بڑا ماہر اور مصنف پروفیسر فانڈیک ہے۔ جو امریکہ کا رہنے والا ہے اور ایک مدت سے بیروت میں رہتا ہے۔ اس نے عربی زبان میں علوم جدیدہ کا ایک مرتب سلسلہ تیار کردیا ہے جس کا نام نقش فی الحجر ہے۔ اسکے سوا اور بہت سی مستقل کتابیں لکھی ہیں عربی زبان میں انسائیکلوپیڈیا بالکل موجود نہ تھا۔ اس ضرورت کو پروفیسر بطرس نے پورا کیا۔ اس نے ۱۸۷۵ء عیسوی میں اسکی ابتدا کی اور اول کی چند جلدیں لکھیں لیکن چونکہ اُس کا انتقال ہوگیا اس کے سلیم آفندی نے تکمیل کا ارادہ کیا اتفاق یہ کہ وہ بھی مرگیا۔ اب پروفیسر مذکور کا

تاریخ تصنیفات

دوسرا بیٹا نجیب آفندی باقی جلدیں تیار کر رہا ہے دس ضخیم جلدیں اس وقت تک شائع ہو چکی ہیں۔

تاریخ اور متعلقات تاریخ پر نہایت مفید کتابیں لکھی گئی ہیں اور چونکہ یہ لوگ عربی زبان کیساتھ یورپ کی زبانوں سے بھی بخوبی واقف ہیں ان کی تصنیفات میں وہ جامعیت ہوتی ہے جو یورپ والوں کی تصنیفات میں نہیں ہوتی چنانچہ آثار الادہار جس جامعیت اور تحقیق سے لکھی گئی ہے اس دعوی کی شاہد عادل ہے البتہ یہ افسوس ہے کہ ان عیسائیوں کی تصنیفات میں مذہبی تعصب کا رنگ پایا جاتا ہے چنانچہ صناجۃ الطرب اور اصول المعارف وغیرہ میں اس قسم کی بے اعتدالیاں صاف محسوس ہوتی ہیں۔

یہ مصنفین اکثر لبنان کے رہنے والے ہیں جنمیں سے بہت سے لوگ بیروت میں آرہے ہیں۔ ان لوگوں نے اس کوہستان لبنان میں عجیب علمی مذاق پھیلا دیا ہے اگرچہ یہ لوگ عموماً زمیندار یا کاشتکار ہیں اور ضرورت کیوقت انہو کاروبار میں مصروف رہتے ہیں لیکن جسوقت انکو ان ضرورتوں سے ذرا بھی فرصت ملجاتی ہے علمی اشغال میں مصروف ہو جاتے ہیں اسکا نتیجہ یہ ہے کہ باوجودیکہ علم یہاں ذریعہ دولت نہیں تاہم اس علاقہ میں کثرت سے اہل علم اور مصنفین پیدا ہوئے اور اب بھی موجود ہیں۔ خاص لبنان کی علما اور شعرا کی حال میں ایک مستقل کتاب لکھی گئی ہے لیکن افسوس اور سخت افسوس ہے کہ یہ تمام علمی ترقی اور تصنیف و تالیف جو کچھ ہے عیسائیوں کے ساتھ مخصوص ہے مسلمان ان چیزوں کو ہاتھ بھی نہیں لگاتے۔

مدارس یہاں کثرت سے ہیں جنمیں سے مشہور مدارس کا نقشہ ذیل میں درج ہے۔

نام مدرسہ	مذہب	بورڈنگ اور فیس کا خرچ سالانہ	تعداد طلبا	تاریخ افتتاح مدرسہ
اسرائیلیہ	اسرائیلیہ	۳۰ پونڈ	۹۷	سنہ ۱۸۷۵ء
اعدادیہ	اسلام	۲۰ پونڈ	۱۵۰	سنہ ۱۸۸۲ء
اکابریجیہ	روم آرتھوڈکس	مفت	۰	۰
بطریرکیہ	رومن کیتھولک	۵ پونڈ	۱۳۷	سنہ ۱۸۶۶ء
الحکمۃ	مارونیہ	۰	۲۲۵	سنہ ۱۸۷۶ء
راہبات	لاٹین	مفت	۱۱۵	۰
الکلیۃ السوریۃ العلمیۃ یعنی مدرسہ علمی یونیورسٹی	انجیلیہ	۱۷ پونڈ	اسکا مفصل حال آگے آئے گا	سنہ ۱۸۶۵ء
[illegible]	انجیلیہ	۲۴ پونڈ		۰
[illegible]	لاٹین	۳۰ پونڈ	۰	۰

عورتوں کی تعلیم کے مدارس بھی کثرت سے ہیں جنمیں سے مشہور مدارس یہ ہیں -

نام مدرسہ	مذہب	بورڈنگ اور فیس کا خرچ سالانہ	تعداد طلبہ	تاریخ افتتاح مدرسہ
باکورۃ الاحسان	روم آرتھوڈکس	۱۵ پونڈ	۰	۰
رہبات پراسٹنٹ	انجیلیہ	۳۰ پونڈ	۲۵۰	۰
ایضاً	ایضاً	مفت	۵۰۰	۰
عازریات یتامی	لطین	"	۰	۰
عاوریات محبہ	"	۱۵ پونڈ	۰	۰
عازریات ناصریہ	"	۳۰ پونڈ	۰	۰
سوریہ امیرکانیہ	انجیلیہ	۱۴ پونڈ	۰	۰

مسلمانوں کی تعلیمی حالت کو اور قوموں کی تعلیمی ترقی سے جو نسبت ہے وہ ذیل کی نقشے سے معلوم ہوگی

تعداد ابتدائی مدارس	تعداد ثانوی مدارس	[illegible]	زنانہ معلمین کی تعداد	تعداد طلبا ذکور	تعداد طلبا اناث	قوم
۲۱	۳	۵۰	۲۰	۲۰۰۰	۵۰۰	مسلمان
۴۲	۳۳	۳۳۷	۱۵۰	۶۷۳۰	۵۶۶۵	عیسائی یہود وغیرہ

مسلمان طالب علموں کی یہ تعداد گو کافی نفسہ کم ہے لیکن یہ امر اور بھی زیادہ افسوس کے قابل ہے کہ اس تعداد میں بھی زیادہ تر ادنی درجے کی تعلیم والے شامل ہیں - ورنہ اعلی تعلیم کے لحاظ سے انکی تعداد اس قدر کم ہے کہ گویا کچھ بھی نہیں کسقدر افسوس کی بات ہے کہ یہ شہر اسلامی حکومت کا مرکز اور مسلمانوں اور عیسائیوں میں یہاں حاکم و محکوم کی نسبت ہے تاہم تہذیب و تمدن میں مسلمانوں کو عیسائیوں سے کچھ نسبت نہیں تعلیم کی جو حالت ہے وہ نقشہ بالا سے معلوم ہوئی ہوگی تصنیف و تالیف کا حال اوپر گذر چکا اخبارات مطابع - تجارت - وغیرہ میں اس سے بھی زیادہ بدتر حالت ہے فاعتبروا یا اولی الابصار

الکلیۃ السوریۃ العلمیۃ

بیروت میں اگرچہ (جیسا کہ اوپر مذکور ہوا) بہت سے اسکول و کالج ہیں لیکن یہ کالج یونیورسٹی ہے

اور اسی وجہ سے اس کا نام کلیہ سوریہ ہی کلیہ کا لفظ یہاں یونیورسٹی کے معنے میں اطلاق کیا جاتا ہے اور سوریہ ملک شام کو کہتے ہیں یعنی شام کی یونیورسٹی۔ میں نے اس کالج کو تفصیل کیساتھ دیکھا اور اسی وجہ سے اس کے حالات کسی قدر تفصیل کیساتھ لکھتا ہوں یہ کالج ۱۸۷۵ء میں رومن کیتھولک پادریوں نے قائم کیا۔ پروفیسر اور ٹیچر قریباً ساٹھ ہیں جن میں سے اکثر کالج ہی کے احاطے میں سکونت رکھتے ہیں میں جب اس کالج کے دیکھنے کو گیا تو شیخ علی ظبیان اور عبدالباسط آفندی ساتھ تھے کالج کے دروازے پر پہونچے تو عبدالباسط آفندی نے ہمکو وہیں ٹھیرایا اور خود اندر گئے تھوڑی دیر کے بعد واپس آئے۔ ان کے ساتھ ایک متین شخص تھا۔ اس نے ہمارا استقبال کیا اور ہمکو ساتھ لیکر چلا۔ کالج کی عمارت دو منزلہ ہے نیچے کے درجے میں چھاپہ خانہ ہے اور یہ وہی چھاپہ خانہ ہے جس نے عمدگی طبع کی وجہ سے بیروت کو تمام دنیا میں روشناس کر دیا ہے جس شخص نے ہمارا استقبال کیا اسکا نام الیاس ہے اور چھاپہ خانہ کا تمام اہتمام اسی سے متعلق ہے الیاس نے پہلے ہمکو مطبع کی سیر کرائی۔ تمام کام کل کے ذریعے سے ہوتے ہیں رولر کاغذ کو خود کھینچ لیتا ہے حرف پر سیاہی لگ جاتی ہے۔ کاغذ دو رخہ چھپتا ہے اور زمین پر گراتا جاتا ہے۔ حرف بھی یہیں ڈھالے جاتے ہیں چنانچہ الیاس نے ہمارے سامنے چند حرف ڈھالے۔ یہاں کے کارخانے کے حرفوں کی ایسی شہرت ہو گئی ہے کہ دور دور سے مانگ آتی ہے۔ لیکن یہ تعجب ہے کہ جو صفائی اور خوشخطی یہاں کی مطبوعہ کتابوں میں ہوتی ہے اور کہیں نہیں ہوتی میں نے الیاس سے اسکی وجہ پوچھی اس نے کہا کہ یہاں حروف کی خوبی کے علاوہ اور بھی بہت اہتمام کیا جاتا ہے۔ فرمہ اتار نیکے بعد پھر دیگر ایک آلہ سے اس ترکیب سے دبایا جاتا ہے کہ حرفوں کا ابھار بالکل جاتا رہتا ہے اور کاغذ چکنا اور صاف ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس نے ہمکو دونوں طرح کے فرمے دکھائے اصلاح کیا ہوا فرمہ بعینہ پتھر کا چھپا ہوا معلوم ہوتا تھا میں نے صفائی طبع اور حرفوں کی موزونی کی بہت تعریف کی الیاس نے کہا کہ اصل میں اس تعریف کا مستحق الوالضیا ایک ترک ہے جس نے یہ حرف ایجاد کئے ہیں۔ البتہ ہمنے اسکو جلا دی۔

جلد سازی — مطبع ہی میں جلد سازی کا بھی کارخانہ ہے نہایت عمدہ مطلا و مذہب جلدیں تیار ہوتی ہیں یہاں تک کہ شام و مصر سے فرمائشیں آتی ہیں۔ میں نے یہاں ہاتی دانت کے پٹھے دیکھے جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔

کالج — چھاپہ خانہ سے فارغ ہو کر ہم نے کالج کو دیکھنا چاہا چونکہ اس کام کے لئے کالج کے کسی پروفیسر کا رہنما ہونا ضرور تھا الیاس نے پہلے پروفیسر الطون سے ہماری ملاقات کرائی۔

یہاں ایک نہایت معقول طریقہ ہے اور اس قابل قدر ہے کہ ہمارے ملک میں اسکی تقلید کیجائے کالج کے

ملازم اور پروفیسر وغیرہ جو کالج میں سکونت رکھتے ہیں اُنکے مروں کے صدر دروازے پر ایک چھوٹی سی تختی لٹکتی رہتی ہے اس تختی پر جدا جدا سطروں میں صبح سے شام تک کے کاموں کی تفصیل لکھی ہوتی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب خانہ کس وقت کہاں ہوتا ہے اور کیا کام کرتا ہے؟ مثلاً پہلی سطر میں لکھا ہے لکچر روم دوسری میں کھانے کا کمرہ۔ تیسری میں سیر و تفرج۔ وعلی ہذا۔ تختی کی پیشانی پر ایک سوئی لٹکتی رہتی ہے صاحب خانہ جس وقت جس کام میں مصروف ہوتا ہے سوئی کو اُس سطر کے سامنے تختے پر اٹکا دیتا ہے جس میں کام اور کام کا موقع کا ذکر ہے۔ جو شخص ملاقات کو آتا ہے اول اُسکی نگاہ تختی پر پڑتی ہے اور اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ صاحب خانہ اسوقت کہاں ہے اور کس کام میں ہے؟ مجکو معلوم نہیں کہ یہ طریقہ کالجوں کیساتھ مخصوص ہے یا ہر طبقہ میں رائج ہے۔ بہر حال یہ عمدہ طریقہ اس قابل ہے کہ ہر جگہ اسکی تقلید کیجائے۔

پروفیسر انطون

غرض الیاس نے ہمکو پروفیسر انطون سے ملایا۔ پروفیسر مذکور نہایت قابل اور لائق شخص ہے فرنچ زبان خوب جانتا ہے۔ عربی علم ادب کا اُستاد ہے۔ دیوان اخطل جو حال میں چھپا ہے اُسکی تصحیح اور اہتمام سے چھپا ہے۔ دیوان مذکور پر اُس نے جو حاشیے چڑھائے ہیں وہ مستقل شرح کی برابر ہے۔ اور اسی سے اُس کی وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے کالج کا ہفتہ وار اخبار جو عربی زبان میں نکلتا ہے اور جس کا نام البشیر ہے اسی کی اڈیٹری میں نکلتا ہے ہمنے اسکی وجہ سے کالج کی ایک ایک عمارت اور آلات وغیرہ کی حقیقت یہ ہے کہ یہ کالج یہاں کے عیسائیوں کے لیئے باعث فخر اور تمام مسلمانوں کے لیے موجب رشک ہے مصر و شام کا تو کیا ذکر ہے قسطنطنیہ کا بھی کوئی کالج اسکی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ عمارت اسقدر شاندار موزوں اور خوبصورت ہے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ اوپر کی منزل کا فرش بالکل سنگ مرمر کا ہے اور سنگ سیاہ کی پچے کاری ہے۔ کمرے نہایت کثرت سے ہیں پروفیسر اور ٹیچر جو ۶۰ سے زیادہ ہیں اور شب و روز کالج ہی میں رہتے ہیں سب کے لیئے الگ الگ کمرے ہیں۔ ایک عالیشان کمرہ جو نہایت عمدہ فرنیچر اور ساز و سامان سے آراستہ ہے اور جس کے بیچ میں مستطیل میز اور گرد بہت سی خوبصورت کرسیاں بچھی ہیں پروفیسروں اور اُستادوں کے لیئے مخصوص ہے۔ فرصت کے اوقات میں وہ لوگ یہاں آ بیٹھتے ہیں اور دوستانہ صحبت رہتی ہے۔ اس میں ایک چھوٹا سا کتب خانہ بھی ہے جسکا جی چاہتا ہے کوئی کتاب اُٹھا لیتا ہے اور اُس سے دل بہلاتا ہے مجکو اسوقت خیال آیا کہ ہمارے کالج میں یہ بڑی کمی ہے کہ اس قسم کی کوئی عمارت نہیں جہاں تمام اساتذہ گھڑی دو گھڑی مل بیٹھا کریں۔ حالانکہ اس قسم کی صحبت دل بہلانے کے سوا قومی مذاق کے لیے نہایت مفید ہے

عمارت کی خوبی

مدرسین کی تعداد

کالج میں سائنس اور علوم جدیدہ کی تعلیم نہایت اعلیٰ درجہ پر ہوتی ہے اور اس غرض سے نہایت بیش قیمت آلات اور نایاب چیزیں مہیا کی گئی ہیں۔ بہت سی الماریاں ہیں جن میں عجیب عجیب مختلف رنگ اور صورت کے پتھر اور حجرے مٹی کے ٹکڑے ہیں یہ نادر چیزیں طبقات الارض کی تعلیم کے لیے دور دور مقامات سے مہیا کی گئی ہیں۔ نباتات کا الگ کمرہ ہے اور بہت وسیع ہے۔ پروفیسر الطون نے مجھ سے کہا کہ ان نباتات کی حفظ و پرداخت میں نہایت اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ پروفیسر مذکور نے ایک قسم کی گھانس دکھائی اور کہا کہ یہ ہندوستان کے سوا اور کہیں نہیں پیدا ہوتی اور وہیں سے منگوائی گئی ہے۔

کالج کا کتب خانہ

کالج کیساتھ بورڈنگ بھی ہے اور اسی وضع کا ہے جیسے قسطنطنیہ کے بڑے بڑے کالجوں کے بورڈنگ ہیں۔ کالج کی لائبریری اگرچہ بہت بڑی نہیں ہے لیکن کتابیں نادر اور کمیاب جمع کی گئی ہیں۔ جو کتابیں چھپی نہیں اور اُنکے قدیم نسخے نہیں مل سکتے۔ یورپ و ایشیا کے مشہور کتب خانوں سے اُنکی نقل و استنساخ کا انتظام کیا ہے۔ ابن رشیق قیروانی کی کتاب العمدہ جو اپنے باب میں بےمثل اور نادر کتاب ہے میں نے اسی کتب خانہ میں دیکھی۔ اس کالج میں عربی زبان اور فرنچ کی تعلیم لازمی ہے۔ باقی زبانیں اختیاری ہیں۔ چنانچہ ترکی کی ایک جرمن کی ایک انگریزی کی پانچ لاٹین و یونانی کی سات کلاسیں ہیں یہ عجیب بات ہے کہ اگرچہ بانیان مدرسہ عموماً عیسائی ہیں اور عیسائی بھی رومن کیتھولک جنمیں بہ نسبت اور فرقوں کی تعصب زیادہ ہوتا ہے تاہم ادب کے نصاب میں قرآن مجید کا انتخاب بھی شامل ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید کا فصاحت و بلاغت میں بےمثل ہونا انکو بھی مسلم ہے علوم جو پڑھائے جاتے ہیں ان میں فلسفہ حال و علوم طبیعہ کے علاوہ موسیقی و تصویر کشی کا فن بھی داخل ہے

طالبعلموں کی تعداد

طلبا کی تعداد ۵۰۰ اور ۶۰۰ کے درمیان میں ہے جن میں مسلمان صرف ۸ یا ۱۰ ہیں۔

کالج کی عمارت باوجود اسکے کہ بیروت میں تمام چیزیں نہایت ارزاں ہیں دس لاکھ فرنک میں تیار ہوئی ہے اور یہ کل رقم پادریوں کی ایک جماعت نے ادا اور مہیا کی ہے۔

طبی کالج

اس کالج کیساتھ میڈیکل (طبی) کالج بھی ہے لیکن اس کی عمارت کسی قدر فاصلہ پر ہے پروفیسر الطون نے ہمکو اسکی بھی سیر کرائی۔ عمارت نہایت وسیع اور بلند اور آلات نہایت بیش قیمت اور کثرت سے ہیں تشریح کی کمری میں جو بہت لمبا ہے اور وسیع انسان کے ایک ایک عضو کی تصویر موم کی بنی ہوئی ہے اور اس خوبی و صفائی سے بنائی ہے کہ نقلی ہونیکا گمان بھی نہیں ہوتا۔ ایک ایک عضو کی متعلق جسقدر

امراض ہیں اسی تعداد کے موافق ہر عضو کے نمونے ہیں۔ چنانچہ ایک خانہ میں کم وبیش ۲۰ آنکھیں ہیں کسی میں پھلی ہے کسی میں ناخنہ ہے کسی کی پلکیں جھڑ گئی ہیں۔ میں نے ہندوستان کا کوئی میڈیکل کالج نہیں دیکھا ہے۔ لیکن مجھکو کافی یقین ہے کہ تمام ہندوستان ایک کالج بھی اس سے بڑھکر اسکی برابر بھی نہ ہوگا۔

پروفیسر انطون نے ہمارے لئے جو تکلیف اٹھائی اور جس توجہ اور اخلاق سے وہ تمام کمروں اور چیزوں کی ہمکو سیر کراتا رہا۔ یہ نہایت ناشکری ہے کہ میں اس موقع پر اس کا دلی شکریہ نہ ادا کروں معلوم ہوتا ہے کہ پروفیسر مذکور مجھ سے ملکر خوش ہوا چنانچہ اس ہفتہ میں البشیر کا جو پرچہ نکلا اس میں ایک اڈیٹوریل نوٹس میرے متعلق تھا جسکی عبارت یہ ہے۔

جتمعنا فی ھذہ الایام علی حضرۃ العالم الشیخ شبلی نعمانی المعلم الاول للعلوم العربیۃ فی بلدۃ علیگڈہ من بلاد الھند فرأیناہ فیہ رجلا کثیر المعارف وھو حایز النشان المجیدی من الرتبۃ الرابعۃ اقام فی الاستانۃ العلیۃ مدۃ ۱۳ شھر وحضر الی بیروت وتوجہ ھذہ النھار الی زیارۃ بیت المقدس ثم منھا الی مصر ثم الی بلاد الھند۔

انجمنیں اور اخبارات اور رسالے

جمعیات اور اخبارات

ہماری زبان میں انجمن کا لفظ جس معنی میں بولا جاتا ہے اسکے مقابل میں یہاں جمعیۃ کا لفظ ہے مصر وغیرہ میں بھی یہی لفظ مستعمل ہے۔ انجمنیں یہاں کثرت سے ہیں اور انکے مقاصد نہایت مفید ہیں لیکن تعجب اور سخت تعجب یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک بھی نہیں بعض مشہور انجمنوں کا نقشہ ذیل میں درج ہے جس سے انکے مقاصد بھی معلوم ہونگے۔

نام انجمن	مذہب	مقصد	بانی انجمن
مجلس ملی	روم آرتھوڈکس	رفاہ عام	مطران عفرئیل
تعلیم مسیحی	ایضاً	مذہبی	ایضاً
قدیس بولس پیغمبر رسول	روم آرتھوڈکس	مذہبی	ایضاً
خیریہ	ایضاً	اعانت فقرار	خواجہ سلیم
مرضیٰ	ایضاً	غریبوں کا معالجہ	خواجہ نجیب

نام انجمن	مذہب	مقصد	بانی انجمن
دفن الموتی	ایضاً	لاوارث اور غریب اشخاص کی تجہیز و تکفین	خوری یعقوب
زہرۃ الاحسان	ایضاً	فن ادب	سیدہ طریفہ
خیریہ	مارونیہ	اعانت فقرار	خواجہ نہایۃ
دائرہ علمیہ	مارونیہ	ترقی علوم	مظہران یوسف
اخویہ مار مارون	ایضاً	فن ادب	سلیم آفندی
یوحنا مارون	ایضاً	رفاہ عام	خواجہ خلیل
خیریہ	رومن کیتھلک	اعانت فقرار	بشارہ خوری
دیر القمر	″	″	خواجہ نخلہ
شمس البر	مسیحی	ادب	سلیم آفندی کساب
باکورۃ السوریۃ (یعنی شام کی صبح)	*	ادب	سیدہ حنہ عتیق
الانجیلیۃ	الانجیلیہ	رفاہ عام	خلیل آفندی سرکس

اس فہرست سے ظاہر ہوگا کہ عیسائی مذہب کی جس قدر شاخیں ہیں سب کی الگ الگ انجمنیں ہیں لیکن مسلمانوں نے اس فضول کام کو سرے سے ہاتھ نہیں لگایا ہے۔

اخبارات و رسالے جو یہاں سے نکلتے ہیں اُن میں البشیر۔ بیروت۔ تقدم۔ ثمرات الفنون۔ السیح المنیر۔ الصفا۔ لسان الحال۔ المصباح۔ الہدیۃ النشرۃ الاسبوعیہ حدیقۃ الاخبار۔ زیادہ مشہور ہیں۔ ان میں بیروت اور ثمرات الفنون کے سوائے اور تمام اخباروں کے مالک اور اڈیٹر عیسائی ہیں چونکہ مطبع کو یہاں آزادی نہیں اس لیئے ان اخبارات میں معمولی خبروں کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ البتہ علمی رسالے بڑی آب و تاب سے نکلتے ہیں اور خصوصاً الصفا اور المقتطف تو اس شان کے پرچے تھے کہ یورپ کے میگزینوں کی برابری کرتے تھے۔ افسوس ہے کہ الصفا بند ہوگیا اور المقتطف نے اپنا مقام بدل دیا یعنی اب قاہرہ سے نکلتا ہے۔

رصد خانہ

یہاں ایک مختصر سا رصد خانہ بھی ہے جس کو پروفیسر فان ڈیک امریکانی نے سنہ ۱۸۷۴ء میں قائم کیا تھا۔ اس میں رصد کے متعلق اکثر ضروری آلات موجود ہیں۔ ہر روز جو امور رصد سے معلوم ہوتے ہیں اُسکی اطلاع بذریعہ تار کے قسطنطنیہ بھیجی جاتی ہے اور وہاں سے یورپ وغیرہ میں شائع ہوتی ہے اسکا اہتمام اب مسٹر رابرٹ کے ہاتھ میں ہے جو مدرسہ امیر کانیہ میں ریاضیات کا پروفیسر ہے

عام حالات اور بیروت کے احباب

بیروت کے علما

میں اوپر لکھ آیا ہوں کہ بیروت میں قیام کرنے کا اصلی سبب شیخ طاہر مغربی سے ملنا تھا چنانچہ عبد الباسط الانسی کے ذریعہ سے ان سے ملاقات ہوئی اور دیر تک علمی صحبت رہی دو تین دفعہ اور ملاقاتیں ہوئیں ایک بار فرودگاہ پر بھی تشریف لائے شیخ موصوف ابھی جوان ہیں لیکن علم وفضل کی وجہ سے لوگ اُنکی بہت عزت کرتے ہیں۔ میں نے اُنکے کمال کا جس چیز کو جوہر سمجھا اور جس کا مجکو خود تجربہ ہوا وہ یہ تھا کہ شیخ موصوف اور علما کی طرح محدود خیال کے آدمی نہیں ہیں نئے خیالات سے آشنا ہیں کسی قدر فرنچ بھی جانتے ہیں فرانس کی سیر کی ہے۔ قومی ہمدردی کا مادہ ہے مسلمانوں کے تنزل سے بے خبر نہیں ہیں اگر یہ مذاق ان ممالک کے عام علما میں پیدا ہو جائے تو ترقی کی واقعی اُمید ہو سکتی ہے۔ شیخ موصوف دمشق کے مدرسے میں مدرس ہیں وہ صاحب تصانیف بھی ہیں اور ریاضی کے فن میں انکی بعض تصنیفات چھپکر شائع بھی ہو چکی ہیں۔

شیخ طاہر مغربی

بیروت کے اور علما اور اہل کمال سے بھی نیاز حاصل ہوا میں معمولاً عبد الباسط الانسی کی دوکان پر بیٹھا کرتا تھا وہاں اکثر اہل علم اور ارباب مناصب آ نکلتے تھے اور ان سے ملاقات و تعارف ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ شہر میں زیادہ چرچا ہوا تو بعض بعض حضرات میری قیام گاہ پر بھی تشریف لائے۔ ان میں شیخ عمر جیلی اور ایک اور صاحب جنکا نام اب یاد نہیں رہا میرے حال پر نہایت عنایت فرماتے تھے شیخ عمر جیلی مشہور رسالہ الصفا کے مالک اور مہتمم ہیں اور نہایت فیاض اور خوش اخلاق ہیں۔ دوسرے صاحب جو طالب علم ہیں منطق کی تحصیل کی غرض سے تشریف لائے۔ میں نے تنگی وقت کا عذر کیا۔ تاہم وہ اکثر تشریف لاتے تھے اور فن ادب کے تذکرے رہتے تھے ایک دن مجھ سے پوچھا کہ متنبی کی نسبت آپ کی کیا رائے ہے میں نے

شیخ عمر جیلی

کہا کہ لہ حسنات و سیات. بولے لہ ،،والحسنات یذھبن السیات،، مجکو انکا یہ لطف جواب نہایت پسند آیا۔

ایک دن عبدالباسط الانسی نے میری دعوت کی اور بیروت کے اکثر مشہور علما کو مدعو کیا۔ شیخ عبدالقادر جزائری جو الجزائر کا بادشاہ تھا اور ایک مدت تک فرانس کے ساتھ معرکہ آرا رہا اسکے بھتیجے شیخ عبدالرحمن الجزائری مدت سے یہاں رہتے ہیں اور سلطان کے یہاں سے وظیفہ پاتے ہیں وہ بھی تشریف رکھتے تھے نہایت معمر اور صاحب علم ہیں عبدالباسط الانسی کے مکان میں چھوٹا سا پائیں باغ ہے سب لوگ وہاں بیٹھے بنچ اور کرسیوں کی نشست تھی۔

دعوت میں مدعو ہونا

تھوڑی دیر کے بعد سب لوگ کھانے کے کمرے میں گئے کھانا انگریزی طریقے پر تھا یعنی میز اور کرسیاں تھیں۔ اور ایک کھانا ہو چکتا تھا تو دوسرا لایا جاتا تھا۔ ایک ڈش کے بعد دوسری ڈش آتی تھی۔ میں نے شیخ طاہر مغربی سے کہا کہ ہندوستان میں ایسا اتفاق ہوتا تو من تشبہ بقوم کا فتویٰ لگایا جاتا۔ بولے کہ اُن ممالک میں یہی مناسب ہو کیونکہ وہاں اسلامی حکومت نہیں رہی۔ اس لیے رسم و رواج اور مذہبی تعصبات کا گو وہ صحیح نہوں، قائم رکھنا ضروری ہو تاکہ مذہب کا عام اثر کم نہونے پائے۔ لیکن اسلامی ممالک میں ان فضول باتوں کی کچھ ضرورت نہیں، یہ صحبت دیر تک رہی اور بڑے لطف سے گزری۔ کھانے بھی نہایت لذیذ اور خوشگوار تھے۔

طبیعت کی ناسازی

چونکہ یہاں کی آب و ہوا مرطوب ہی میری طبیعت برابر بدمزہ رہی۔ ایک دن بخار بھی آگیا عبدالباسط آفندی کے چچیرے بھائی عبدالرحمن الانسی یہاں کے مشہور ڈاکٹروں میں ہیں اور مصر کے میڈیکل کالج میں اعلیٰ درجہ کی تعلیم پائی ہے۔ علاج کی غرض سے میں اُنکی خدمت میں حاضر ہوا، اُنھوں نے نہایت مہربانی کی اور کہا کہ ،،آپ جب قیامگاہ پر تشریف لیجائیں گے تو دوا وہیں پہونچ جائیگی،، چنانچہ دو گھنٹے کے بعد ایک آدمی دوا کی شیشی لیکر آیا اور کہا کہ اگر اس سے آرام نہو تو ڈاکٹر صاحب کو اطلاع دیجئے گا۔ دوا سریع الاثر ہونے کے ساتھ خوش مزہ بھی تھی۔ بخار اسی دن جاتا رہا۔ ڈاکٹر صاحب نے اگرچہ یورپ کے طریقہ پر تعلیم پائی ہی۔ لیکن ایشائی بلکہ اسلامی مہمان پرستی کا اثر اس قدر باقی ہو کہ فیس درکنار دوا کی بھی قیمت لینی گوارا نہ کی۔

اس بخار نے بڑا حرج یہ کیا کہ طرابلس کی سیر مفت میں جاتی رہی۔ اندنوں طرابلس کے بعض علما اتفاق

سے وہاں آ گئے تھے۔ ایک صحبت میں ان سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ ان لوگوں نے نہایت اصرار کیا کہ ہمارے ساتھ طرابلس چلو طرابلس مشہور اسلامی شہر ہے۔ اور بعض اسلامی خصوصیتوں کے لحاظ سے بڑا یادگار مقام خیال کیا جاتا ہے۔ بیروت سے صرف دو دن کی راہ ہے۔ کافی وقت تھا کہ میں وہاں جا کر جہاز کی روانگی تک واپس آ جاتا میں نے ہر طرح تیاری بھی کر لی تھی لیکن عین وقت پر بخار آ گیا اور یہ حسرت دل کی دل ہی میں رہ گئی۔

اس سے زیادہ بدقسمتی یہ کہ احباب نے بھی ساتھ چھوڑا شیخ علی طبیان جو کئی مہینے تک انیس و ہمدم رہے تھے صرف میری وجہ سے بیروت میں مقیم تھے دمشق سے ان کے والد ماجد کا خط آیا اور انکو مجبوراً جانا پڑا۔ رات کے آٹھ بجے روانگی کا وقت تھا۔ رخصت کے وقت گلے ملکر میرے شانوں کو بوسہ دیتے تھے (یہاں یہ عام دستور ہے)، اور یہ شعر پڑھتے تھے۔

تمتع من شميم عرار نجد فما بعد العشية من عرار

یعنی اب نجد کے عرار (ایک پھول کا نام ہے) کی خوشبو سے لطف اٹھانا ہو تو اٹھا لو ورنہ آج کی رات کے بعد پھر عرار نصیب نہیں ہونے کا۔

مغنی کا بیہودہ طریقہ

بیروت میں میں نے جس چیز کو نہایت ناپسند کیا وہ ایک مکان ہے جسکو مغنی کہتے ہیں۔ یہ نہایت نامہذب۔ اور مخرب اخلاق چیز ہے اور معلوم نہیں کہ ایک اسلامی حکومت نے اس کو کیوں کر جائز رکھا ہے۔ عین سڑک پر ایک عالیشان دو منزلہ مکان ہے اوپر کی منزل میں ایک وسیع کمرہ ہے جس میں ترتیب کے ساتھ بہت سی کرسیاں بچھی ہیں صدر کی جانب ایک بلند مستطیل چبوترہ ہے بہت سی یورپین لیڈیاں اس پر بیٹھکر گاتی بجاتی ہیں ایک دور ختم ہو جاتا ہے تو لیڈیاں چبوترے سے اتر کر کمرے میں ٹہلتی ہیں اور معشوقانہ انداز کے ساتھ تماشائیوں کے پاس سے گذرتی ہیں۔ جسکو منظور ہوتا ہے اشارہ سے انکو بلاتا ہے اور وہ بڑے ناز و انداز سے اسکے پہلو میں آ کر بیٹھ جاتی ہیں۔ نہایت بیحیائی اور بے شرمی کے ساتھ اختلاط شروع ہوتا ہے۔ شراب کا دور چلتا ہے۔ ایک دوسرے کے گلے میں باہیں ڈال کر ٹہلتے ہیں معانقہ۔ بوس و کنار۔ غرض بیحیائی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔

بیروت سے روانگی

بیروت میں میری طبیعت یوں ہی بدمزہ تھی شیخ علی ظبیان۔ اور شیخ طاہر مغربی کے چلے جانے کے بعد اور بھی وحشت ہوئی لیکن جہاز کے انتظار میں چار و ناچار دو تین روز ٹھہرنا پڑا۔ ۱۰ صفر ۱۳۱۱ھ شام کیوقت بیروت سے روانہ ہوا۔ شیخ عبدالباسط اور شیخ عمر جیلی بندرگاہ تک ساتھ آئے اور انہیں کے ذریعے سے اسباب وغیرہ کے انتظام میں نہایت آسانی ہوئی دوسرے دن جہاز یافہ پہنچا۔ جہاز کے لنگر کرتے کیساتھ ملاحوں اور قلیوں کا حملہ ہوا اور اس قدر شور و غل و ابتری پیدا ہو گئی کہ میرے حواس جاتے رہے میرا اسباب ہرچند نہایت مختصر تھا تاہم اسکے بھی حصے بخرے کرنے گئے اور جس ملاح کو جسقدر ہاتھ لگا لیکر چلتا ہوا۔ اور اپنی کشتی میں رکھ آیا میں حیران تھا کہ خود کہاں جاؤں آخر تن بتقدیر ایک کشتی میں بیٹھ گیا کنارے پر پہونچکر دیر تک اس کشتی کا انتظار کرنا پڑا جس میں بقیہ اسباب تھا۔ یہ مرحلہ طے ہوا تو آگے پروانہ راہداری اور معائنہ اسباب کی مصیبت کا سامنا تھا بارے بہزار خرابی دوپہر تک ان جھگڑوں سے نجات ملی اور نماز ظہر کے قریب شہر میں پہونچا۔

یافہ جسکو انگریزی میں جافا کہتے ہیں۔ نہایت قدیم شہر ہے۔ توریت میں اس کا ذکر ہے اور مورخ بلینی کا بیان ہے کہ طوفان نوح سے پہلے موجود تھا ۱۳ سنہ ہجری میں کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کا عہد تھا اسلام کے قبضہ میں آیا چونکہ یہ شہر بیت المقدس کا اسٹیشن ہے یعنی یہیں سے بیت المقدس جاتے ہیں اسلئے ہر قوم اور ہر ملک کے لوگوں کی کثرت سے آمد و رفت رہتی ہے۔ شہر کا حصہ جسکو یورپین آبادی کہا جا سکتا ہے خوبصورت اور پر فضا ہے۔ میوہ جات یہاں کثرت سے ہوتے ہیں۔ انار نہایت عمدہ ہوتا ہے اور بہت سستا آتا ہے۔ ایک بڑی خصوصیت اس شہر کی یہ ہے کہ شہر کے باہر باغوں کا ایک سلسلہ ہے اور متصل دو تین میل تک چلا گیا ہے۔ بیت المقدس یہاں سے ۴۰ میل ہے اب تو ریل جاری ہو گئی ہے لیکن اس وقت شکرم چلتی تھی۔ میں مغرب کے قریب سوار ہوا راہ میں بعض مشہور مقامات (رملہ وغیرہ) آئے لیکن رات کی وجہ سے میں کچھ دیکھ نہ سکا۔

صبح ہوتے ہوتے پہاڑوں کا سلسلہ نظر آیا جو برابر بلند ہوتا چلا گیا ہے۔ سڑک اگرچہ بڑے کج و پیچ سے چکر کھاتی ہوئی گئی ہے لیکن نہایت صاف اور ہموار ہے پہاڑ کا دامن بالکل سرسبز اور شاداب ہے اور عجیب لطف و فضا کا مقام ہے۔ جا بجا عرب بدوؤں کی چھوٹی چھوٹی بستیاں ہیں مکانات اگرچہ

تنگ و مختصر ہیں لیکن بالکل سفید پتھر کے ہیں سبزہ زار ہیں یہ سپیدی نہایت خوشنما معلوم ہوتی ہے۔ یہ سلسلہ دس بارہ میل چلکر ختم ہوا۔ اور بیت المقدس کی آبادی نظر پڑی۔

بیت المقدس اور زاویۃ الہنود

بیت المقدس پہاڑ پر آباد ہے میں ایک ہفتہ یہاں رہا اور مسجد اقصیٰ اور قمامہ وغیرہ کی سیر کی گاڑی سے اتر کر میں سیدھا عبد الرزاق آفندی کے مکان پر گیا اُنھوں نے بے اعتنائی کی (یہ واقعہ کتاب کے خاتمہ میں تفصیل کیساتھ آئیگا) تو ہوٹل میں جانیکا قصد کیا راہ میں ہندیوں کا زاویہ تھا۔ میں نے خیال کیا کہ یہاں کے لوگوں سے ملنا مفید ہوگا۔ چنانچہ زاویہ میں داخل ہوا تو پہلے شیخ زاویہ کا سامنا ہوا۔ یہ شیخ رامپور کے رہنے والے ہیں اور ایک مدت سے یہاں رہتے ہیں۔ بیچارے کچھ لکھے پڑھے نہیں لیکن نہایت معقول اور منتظم آدمی ہیں۔ زاویہ کو نہایت خوش سلیقگی سے درست کیا ہے۔ ایک کمرہ جو ملاقاتیوں کے لئے مخصوص ہے معقول طور پر آراستہ ہے صحن میں پھولوں کی کیاریاں ہیں سلام علیک اور مزاج پرسی کے بعد باتوں باتوں میں جب اُنکو معلوم ہوا کہ میں ہوٹل میں ٹھہرنا چاہتا ہوں تو اُنھوں نے کہا کہ تم کو یہاں مفتی صاحب اور دیگر اہل علم سے ملنا ہے وہ ہوٹل میں ٹھہرنا معیوب خیال کرتے ہیں یہ چنانچہ میں زاویہ ہی میں ٹھہرا لیکن زاویہ کا کھانا اس خیال سے نہیں کھاتا تھا کہ فقرا اور محتاجوں کے لیے مخصوص ہے۔

بیت المقدس۔ مسجد اقصیٰ۔ قمامہ

بیت المقدس کی ابتدائی تاریخ

بیت المقدس کسی خاص عمارت کا نام نہیں بلکہ شہر کا نام ہے۔ لیکن یہاں زیادہ تر قدس کہتے ہیں یہ متبرک شہر اگرچہ حضرت داؤدؑ و سلیمان کی انتساب سے شہرت رکھتا ہے اور گویا اس کے وجود کی تاریخ انہیں انبیا کے عہد سے شروع ہوتی ہے۔ لیکن درحقیقت وہ اس عہد سے شروع ہوتی ہے لیکن درحقیقت وہ اس عہد سے بہت پہلے موجود تھا حضرت عیسیٰؑ سے ۱۰۴۰ برس پہلے حضرت داؤد نے اسکو یبوسیوں سے چھینا اور اپنا پایۂ تخت قرار دیا اس عہد سے آج تک وہ بڑے بڑے تاریخی واقعات کا مرکز رہا ہے۔ شروع اسلام میں مسلمانوں کا قبلہ تھا اور عیسائیوں کا آج بھی ہے۔

موجودہ حالت

موجودہ شہر کی آبادی پچاس ساٹھ ہزار سے زیادہ نہیں۔ مکانات اور عمارتیں معمولی درجے کی ہیں سڑکیں بھی چنداں وسیع نہیں ہیں اور چونکہ اکثر جگہ مسقف بازار ہیں اس لئے زیادہ تنگی اور تاریکی ہے شہر کے گرد پتھر کی شہر پناہ ہے جو سلطان سلیمان اعظم نے ۱۵۴۳ء میں تیار کرائی تھی۔ یہ حالت

قدیم شہر کی ہو لیکن جدید آبادی نہایت پر فضا اور پر رونق ہو سڑک نہایت وسیع اور دونوں طرف عالیشان عمارتیں ہیں۔ بنگلے اور کوٹھیاں کثرت سے ہیں اور احاطے عموماً وسیع اور سبزہ و چمن بندی سے آراستہ ہیں۔ تمام شہر کی زبان اور وضع و لباس عربی ہے قسطنطنیہ کی طرح یہاں بھی بہت سے زاویئے اور تکیئے ہیں ہر قوم اور ہر ملک کے لیئے الگ الگ زاویہ ہو اور مسافروں کو کھانا اور قہوہ ملتا ہو

میوہ جات

آب وہوا نہایت عمدہ ہو میں اگست کے آغاز میں پہونچا تھا تاہم دن کو گلابی جاڑا ہوتا تھا اور رات کو اچھی خاصی سردی پڑتی تھی۔ میوے کثرت سے اور نہایت شیریں ولذیذ ہوتے ہیں اُس وقت انگور کا آغاز تھا جس طرح ہمارے یہاں صبح کے وقت بھٹے گاجریں وغیرہ ٹوکروں میں بھر بھر کر بازار میں لاتے ہیں اور دور تک ڈھیر لگ جاتا ہو بعینہ یہی حالت یہاں انگوروں کی ہو۔ میرا تمام دن یہ شغلہ رہتا تھا کہ انگور کے دانے ٹونگا کرتا تھا۔

مسجد اقصیٰ

یہ وہ مبارک مسجد ہو جس کی بنا حضرت داؤدؑ نے ڈالی اور حضرت سلیمانؑ نے انجام کو پہونچایا مسجد کا احاطہ جس کو حرم کہتے ہیں نہایت وسیع ہے لیکن زیادہ تر ناہموار اور غیر مسطح ہو اور اکثر جگہ خودرو گھاس اور جھاڑیاں ہیں۔ میں نے لوگوں سے اس کا سبب دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ سلطان نے کئی دفعہ اس کی مرمت اور درستی کے لیے رقم کثیر بھیجی۔ لیکن کارپردازوں اور مجاوروں نے اس کا بہت کم حصہ صرف کیا۔ طرہ یہ کہ میں نے خود مجاوروں سے پوچھا تو ایک صاحب نے فرمایا کہ ہاں کچھ رقم مجاوروں کے تصرف میں بھی آتی ہو۔ اور کیوں نہ آئے باورچی کھانا پکاتا ہو تو نمک خواہ مخواہ چکھ لیتا ہو۔

مسجد کی عمارت جس کا طول (۱۰۰۰) گز اور عرض (۷۰۰) گز ہو نہایت خوبصورت پر تکلف اور شاندار ہو۔ چھت ستونوں پر ہو اور (۷۰۰) صرف سنگ رخام کے ستون ہیں۔ جا بجا پچی کاری اور طلائی کام ہو۔ یہ عمارت جس قدر ہو عبد الملک بن مروان کی بنوائی ہو۔ البتہ بنیادوں کی نسبت کہا جاتا ہو کہ حضرت داؤد کے عہد کی ہیں بائیں جانب عمارت اور کسی قدر فاصلے پر ایک وسیع تہ خانہ ہو۔ دس بارہ سیڑھیاں اُتر کر مسطح زمین ملتی ہو۔ یہاں نہایت عالیشان محرابوں کی سات قطاریں ہیں محرابوں کے ستون نہایت چوڑے اور بلند ہیں۔ مجاورین ان محرابوں کو حضرت سلیمان کے عہد کی تعمیر بتاتے ہیں

اور اس قدر تو یقینی ہے کہ اسلام کے قبل کی ہیں۔

حرم مسجد میں اور بہت سے متبرک مقامات ہیں۔ مثلاً قبۃ السلسلہ۔ قبۃ المعراج۔ قبۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لیکن سب میں زیادہ پرشان قبۃ الصخرہ ہے یہاں وہ پتھر رکھا ہوا ہے جسکی نسبت عوام میں مشہور ہے کہ آسمان و زمین کے بیچ میں معلق ہے اور قیامت کے دن عرش مجید اسی پر رکھا جائیگا۔ اہل عرب اس کو صخرہ اور ہمارے ملک کے عوام تخت رب العالمین کہتے ہیں اسمیں شبہ نہیں کہ یہ پتھر نہایت قدیم زمانہ کا ہے اور ہر زمانے میں اسکی نہایت عظمت کی گئی ہے عیسائیوں کا خیال ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے اس پر قدم رکھا تھا چنانچہ سلطان صلاح الدین کے عہد سے پہلے جب اس پر عیسائیوں کا قبضہ ہو گیا تھا تو اُنھوں نے اپنے خیال کیموافق اس نشان پر سونے کا قبہ بنایا تھا مسلمان بھی اس کی نہایت عزت کرتے ہیں لیکن مجکو معلوم نہیں کہ کسی صحیح حدیث میں بھی اسکی کوئی فضیلت مذکور ہے۔

بہر نوع قبہ کی صورت یہ ہے کہ ایک بلند چبوترے پر مثمن برج ہے جسکی بلندی کم و بیش (۱۰۰) فیٹ ہے چھت اور دیواروں پر نہایت عمدہ لاجوردی اور طلائی کام ہے اور باوجودیکہ مدتوں کا بنا ہے تاہم اس قدر روشنی و چمک ہے کہ نگاہ نہیں ٹھہرتی۔ مختصر یہ کہ زیب و زینت کے لحاظ سے علامہ بشاری کا یہ دعویٰ چنداں بیجا نہیں کہ وہ تمام ممالک اسلامیہ میں میں نے ایسی خوبصورت اور پر تکلف کوئی عمارت نہیں دیکھی"۔ چند سیڑھیوں سے اُتر کر غار میں داخل ہوتے ہیں یہاں وہ مقدس پتھر رکھا ہوا ہے غار اسقدر وسیع ہے۔ ساٹھ ستر آدمیوں کی بخوبی گنجائش ہے صخرہ زمیں سے دو قد آدم بلند ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس سے پہلے وہ بالکل ہوا میں معلق تھا ممکن ہے کہ اُس زمانے میں ایسا ہی ہو۔ لیکن موجودہ حالت یہ ہے کہ ایک مدور دیوار ہے اور صخرہ اُسپر اسطرح رکھا ہوا ہے کہ دیوار کی چھت بن گیا ہے۔ مجاورین کا بیان ہے کہ صخرہ کو ہوا میں معلق دیکھکر لوگ اس کے نیچے جاتے ہوئے ڈرتے تھے یہانتک کہ ایک دفعہ ایک عورت کا اسقاط حمل ہو گیا۔ یہ واقعہ شیخ محی الدین اکبر کے عہد میں ہوا تھا۔ شیخ موصوف نے اس کے گرد دیوار کھینچوا دی کہ بظاہر معلق نہ معلوم ہو"۔ مجاورین یہ بھی کہتے ہیں کہ دیوار اس قدر بودی اور اندر سے کھوکھلی ہے کہ کسی طرح صخرہ کا بار نہیں اٹھا سکتی چنانچہ ایک مجاور نے میرے سامنے دیوار تو انگلی سے کھٹ کھٹایا اور ڈھن ڈھن آواز نکلی۔

یہ واقعہ صحیح ہو یا نہ ہو مگر اس میں شبہہ نہیں کہ یہ مقام مدت تک انبیائے کرام کا مسکن اور وحی والہام کا مہبط رہا ہے۔ اس لئے آیات اور تجلیات الٰہی کے جسقدر آثار یہاں موجود ہوں محل تعجب نہیں۔ بیت المقدس اور اُسکے قرب وجوار میں اور بھی بہت سی زیارت گاہیں ہیں مثلاً بیت اللحم جہاں حضرت عیسٰی علیہ السلام تولد ہوئے تھے مقام خلیل جہاں حضرت ابراہیم وحضرت یعقوب۔ وحضرت اسحٰق کی قبریں ہیں۔ وادی جہنم جہاں حضرت مریم مدفون ہیں۔ ایک افسوس ہے کہ بعض اتفاقات کی وجہ سے میں ان مقامات کی زیارت سے مشرف نہ ہوسکا مقام خلیل کے لئے جو بیت المقدس سے پندرہ بیس میل میں ہے میں نے دو تین روز برابر کوشش کی لیکن ان دنوں یہودیوں کا کوئی تیوہار تھا۔ اس لیے سواریاں بالکل ناپید تھیں اور ملتی بھی تھیں تو چوگنے کرایہ پر ملتی تھیں۔

قمامہ

عیسائیوں کا بڑا گرجا

یہ وہی قیامت زا مقام ہے جسکے لئے ایک زمانہ میں تمام یورپ اُمنڈ آیا تھا اور مدتوں تک یہ طوفان بپا رہا تھا۔ یہ ایک نہایت وسیع گرجا ہے اور عیسائیوں کے اعتقاد کیموافق حضرت عیسٰی علیہ السلام اسی مقام میں مصلوب ومدفون ہوئے اور یہیں سے آسمان پر گئے۔ اس مکان کا اہتمام وانتظام اگرچہ عیسائیوں کے ہاتھ میں ہے لیکن چونکہ ٹرکی حکومت میں واقع ہے اور چھ لاکھ اہل یورپ کے مقابلے میں صلاح الدین کی معرکہ آرائیوں کی یادگار ہے اُس کا بواب یعنی کلیہ بردار مسلمان ہے چنانچہ میں جب اس گرجا میں گیا تو اُسی کی رہبری سے تمام مقامات کی سیر کی۔

حضرت عیسٰی کی موت

مکان میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ہر طرف بڑے بڑے رہبان اور قسیس نہایت خضوع وخشوع کے ساتھ عبادت میں مصروف ہیں۔ بواب پہلے مجکو اس مقام پر لے گیا جہاں سے حضرت عیسٰی علیہ السلام (عیسائیوں کے اعتقاد کیموافق) آسمان پر گئے یہ ایک مختصر سا حجرہ ہے صدر کی جانب چبوترے پر حضرت عیسٰی علیہ السلام کی مورت ہے تمام بدن بجز ستر عورت کے برہنہ ہے صورت سے کسی قسم کے تقدس اور شان نبوت کا اظہار نہیں ہوتا میں جب اس حجرے میں گیا تو شمع روشن تھی اور ایک بڑا مشین پادری تصویر کیطرف ٹکٹکی باندھے مراقبہ میں مصروف تھا۔ مراقبہ سے فارغ ہوچکا تو مجھا ورسے اُسکے سر پر تھوڑا سا پانی چھڑکا جسکو اُسنے بڑے ادب اور خشوع سے اپنے چہرہ اور ڈاڑھی پر مل لیا۔ صلیب دیئے جانیکی جگہ بھی شان وشوکت کی ہے لیکن اُنکو دیکھکر عیسائیوں کی سادہ دلی پر سخت افسوس آتا ہے

ایک بلند مستطیل چبوترے پر جو سرتاپا سنگ مرمر کا ہے صلیب کھڑی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہتھیلیوں میں آہنی کیلیں ٹھکی ہیں۔ پانوں کو اوپر تلے لکڑی پر رکھ کر اسطرح میخ ٹھونکدی ہے کہ پانوں کو توڑ کر لکڑی میں نکل گئی ہے اسکے قریب ایک طرف حضرت مریم نہایت غمگین کھڑی ہیں حضرت مریم کا مجسمہ یعنی اسٹیچو نہایت شاندار ہے سونیکی مورت ہے اور لباس کے ساتھ بنائی گئی ہے۔ لباس پیشواز کے مشابہ ہے۔ اس مقام پر بڑی بڑی رہبان اور قسیسین کا مجمع تھا (راہبہ عورتیں) بڑے خضوع و خشوع سے صلیب کی طرف ٹکٹکی باندھے ہاتھ جوڑے کھڑی تھیں۔ مذہبی خیالات بھی کیا ہی عجیب چیز ہیں۔

علما و فضلا کی ملاقات اور بعض دیگر حالات

بیت المقدس کے مشہور اور نامور عالم سید طاہر ہیں جو مفتی شہر ہیں اور مفتی ہی کے نام سے مشہور ہیں۔ چونکہ قسطنطنیہ میں میں نے انکی تعریف سُنی تھی۔ اس لیئے بیت المقدس پہونچکر سب سے پہلے انہیں کی ملاقات کا قصد کیا۔ جوں ہی کمرے میں داخل ہوا مفتی صاحب اور تمام حاضرین تعظیم کو اُٹھے (یہ طریقہ یہاں عام ہے اور ہر شخص کے لیئے برتا جاتا ہے) مزاج پرسی اور مختصر حالات پوچھنے کے بعد ایک صاحب نے فرمایا "لعل حضرتکم من العلماء" یعنی غالباً آپ علما میں سے ہیں میں نے کہا کہ "ولکن من طلاب العلم" یعنی عالم تو نہیں البتہ طالب علم ہوں۔ وہ پہلے سے ایک علمی مسئلہ کے متعلق گفتگو کر رہے تھے اور میرے پہونچنے کی وجہ سے انکی صحبت برہم ہو گئی تھی جب ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ میں بھی کچھ پڑھا لکھا ہوں تو ایک صاحب نے نہایت تہذیب اور معقولیت سے کہا کہ "ہم لوگ ابھی ایک مسئلہ کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو وہ مسئلہ آپ کے سامنے بھی پیش کیا جائے" انکے خاص الفاظ یہ تھے یاحضرۃ الشیخ قد کنا قبل ذالک فی بحث فلو احببتم عرضنا علیکم غرض اُنھوں نے وہ مسئلہ بیان کیا اور وہ یہ تھا کہ "قرآن مجید کی اس آیت میں کہ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ خدا نے آنحضرت کو مخاطب کر کے کہا کہ تو نے یہ واقعہ نہیں دیکھا۔ حالانکہ یہ واقعہ آنحضرت کی ولادت سے سیکڑوں برس پہلے واقع ہوا تھا" میں نے کہا کہ رویت کا اطلاق علم یقینی پر بھی ہوتا ہے۔ خود قرآن مجید میں ہے الم تر کیف فعل ربک باصحاب الفیل عرب جاہلیۃ کے اشعار میں بھی یہ اطلاق جابجا موجود ہے ایک صاحب نے میری تقریر پر اعتراض

کرنا چاہا۔ لیکن مفتی صاحب نے کہا یہ جواب بالکل صحیح ہی اور اسمیں جائے گفتگو نہیں میں جب تک بیت المقدس رہا قریبًا ہر روز اُس پر لطف صحبت میں شریک ہوتا رہا۔

مفتی صاحب تقدس اور شریفانہ اخلاق کی مجسم تصویر ہیں اور اسی کا اثر ہی کہ تمام شہر انکی نہایت عزت کرتا ہی۔ ان کی تنخواہ کل تین سو قرش ہی یعنی تیس پینتیس روپے لیکن شہر میں جو انکا اثر ہی وہ حاکم شہر کا بھی نہیں۔ بڑی خوبی یہ ہی کہ اگرچہ پرانے زمانے کے آدمی ہیں اور نہایت مقدس ہیں تاہم آزاد خیال ہیں اور مذاق حال سے آشنا ہیں۔

لطیفہ ان ممالک میں علما کو عمامہ یا ٹوپی پر ایک سفید دھجی جسکو لفہ کہتے ہیں۔ لپٹنا ضروری امر ہی میں جس دن قمامہ کی سیر کو گیا میرے سر پر صرف ٹوپی تھی عمامہ نہ تھا راہ میں جا رہا تھا کہ ایک صاحب نے جو روشناس ہو گئے تھے دیکھ لیا۔ اور مفتی صاحب کے جلسے میں اس کا تذکرہ کیا چونکہ وہاں کی رسم کے موافق یہ بالکل نئی بات تھی۔ لوگوں میں اسکے چرچے ہوئے یہانتک کہ دوسرے دن جب میں مفتی صاحب کے دربار میں گیا تو ایک صاحب نے بڑے تعجب اور حیرت سے پوچھا کہ سمعنا ان حضرۃ الشیخ خرج من غیر لفہ یعنی ہم نے سنا کہ جناب والا عمامہ و لفہ کے بغیر بازار میں نکلے میں نے کہا ہاں میں عیسائیوں کے گرجے میں گیا تھا اور ایسے مقامات کے بیچ عالمانہ لباس موزوں نہیں ہی یہ سب بول اُٹھے کہ واللہ قد اصبتم یعنے آپ نے بالکل بجا کیا۔

ایک دن میں بخارا والوں کے زاویہ میں گیا۔ اتفاق یہ کہ اُسی دن بخارا کے چند معزز رئیس اور معزز لوگ حج سے پھر کر بیت المقدس کی زیارت کو آئے تھے۔ شیخ زاویہ نے مجکو ان لوگوں سے ملایا۔ صورت اور وضع سے دولتمند اور محترم اور موقر معلوم ہوتے تھے بعض صاحب علم اور فقیہ تھے چونکہ یہ لوگ روس کی حکومت میں رہتے ہیں میں ان سے روسی گورنمنٹ کے متعلق گفتگو کرتا رہا بہت شکایت کرتے تھے اور زیادہ تر اس بات کے شاکی تھے کہ مسلمان بجبر فوج میں داخل کئے جاتے ہیں اور کسی اسلامی حکومت سے جنگ پیش آتی ہی تو مسلمانوں کو اپنے ہی ہم مذہبوں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہی۔

بیت المقدس سے روانگی

بیت المقدس سے روانہ ہو کر یافہ میں آیا اور وہاں سے جہاز میں سوار ہو کر تیسرے دن

اسکندریہ پہنچا۔ جہاز کا لنگر کرنا تھا کہ قلیوں اور ملاحوں کی مصیبت کا سامنا ہوا۔ یہ آفت یوں تو ہر جگہ ہے لیکن اسکندریہ تو اس خصوصیت میں تمام مقامات پر ترجیح ہے۔ بہزار خرابی کنارے پر پہونچا وہاں قلیوں کا ہجوم تھا اور ایک ایک مسافر پر چار چار گرے پڑتے تھے ایک قلی نے زبردستی میرا اسباب اُٹھا لیا مجبوراً میں اس کے ساتھ ہولیا۔ اسکندریہ نہایت قدیم زمانے کی یادگار ہے۔ اور اس لحاظ سے اسکی سیر ضروری تھی لیکن مجکو قاہرہ جانے کی جلدی تھی۔ اس لیے میں نے اسیوقت گاڑی کرایہ کی اور اسٹیشن پہونچا لطف یہ کہ قلی صاحب بھی گاڑی پر بیٹھ لیے اور میرے پہلو میں بیٹھے میری کیا مجال تھی کہ ان کی اس جسارت پر معترض ہوتا۔

اسکندریہ

دریا کے کنارے سے اسٹیشن تک شہر کا جو حصہ نظر سے گذرا نہایت آباد اور پر رونق تھا۔ سڑکیں وسیع اور دونوں طرف نہایت بلند مکانات اور دکانیں تھیں اسٹیشن پر پہونچکر معلوم ہوا کہ ابھی دو تین گھنٹہ کی دیر ہے۔ میں نے کہا لاؤ جبتک ادھر اودھر پھر آؤں۔ پاس ہی ایک جامع مسجد تھی وہاں گیا۔ نہایت شاندار اور خوبصورت ہے۔ وضو کرنیکا حوض وسیع اور خوشنما ہے۔ گرد استنجا خانے اور پاخانے ہیں۔ لیکن صفائی کا اسقدر اہتمام ہے کہ بو اور رائحہ کا نام تک نہیں۔

ریلوے گاڑیوں کی قطع

دس بجے ٹرین روانہ ہوئی۔ یہاں کی گاڑیوں میں بجائے بنچوں کے آہنی کرسیاں ہوتی ہیں اور دو دو اس طرح ساتھ جڑی ہوتی ہیں کہ دونوں کی پشت ملی ہوتی ہے۔ ہر درجے میں آٹھ آدمیوں کی نشست ہوتی ہے۔ چار ایک طرف چار ایک طرف۔ سونے کی کوئی تدبیر نہیں رفع حاجت کا بھی کوئی بندوبست نہیں۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ یورپ میں بھی اسی قسم کی گاڑیاں ہیں۔ البتہ ایک بات نئی ہے اور آرام سے خالی نہیں۔ وہ کہ گاڑی ہی میں خونچے والے جو بسکٹ۔ ڈبل روٹی پنیر اور میوے بیچتے ہیں۔ ہر وقت موجود رہتے ہیں اور چونکہ تمام گاڑیوں میں اس سرے سے اُس سرے تک آمد و رفت ہو سکتی ہے خوانچہ والا ہر وقت پھرتا رہتا ہے اور تمام گاڑیوں میں چکر لگاتا ہے۔

سید صاحب نے اپنے سفر نامے میں یہاں کی ریل کے کارخانے۔ سڑک۔ اسٹیشن لالٹینوں غرض ہر ایک چیز کی نسبت بے سلیقگی اور میلے پن کی سخت ہجو کی ہے۔ اُسوقت شاید یہی حالت ہوگی لیکن اب یہ شکایت نہیں ہو سکتی میں نے اسکندریہ سے قاہرہ اور قاہرہ سے اسمعیلیہ تک ریل میں سفر کیا میرے نزدیک کوئی قابل اعتراض نہ تھی۔

اس سفر میں جسقدر مصر کا میری نظر سے گذرا عجب سرسبز و شاداب تھا۔ جہانتک نگاہ جاتی تھی نہایت سرسبز کھیتیاں نظر آتی تھیں۔ اسکندریہ سے قاہرہ تک جس قسم کی عمدہ پیداوار نظر آئی میں نے ہندوستان میں پچاس ایکڑ زمین بھی ایسی نہیں دیکھی۔ ریل شام کے قریب قاہرہ پہونچی اور میں نے جامع ازہر کے قریب ایک لوکانڈہ (ہوٹل) میں قیام کیا۔

بیروت میں عبدالباسط آفندی نے مجکو ایک خط دیا تھا کہ قاہرہ پہونچکر شیخ عبدالحکیم کے پاس بھجوا دینا۔ شیخ عبدالحلیم۔ عبدالباسط آفندی کے چچیرے بھائی ہیں اور جامع ازہر میں پڑھتے ہیں میں نے وہ خط اُنکے پاس بھجوا دیا۔ وہ دوسرے دن ہوٹل میں تشریف لائے اور کہا کہ "اگر آپ کو یہاں کے علمی حالات دریافت کرنے ہیں اور علما اور شیوخ سے ملنا ہو تو ہوٹل میں ٹھہرنا مناسب نہیں یہاں علما اسکو بہت معیوب خیال کرتے ہیں"۔ چنانچہ انکی ہدایت کیموافق میں جامع ازہر میں گیا اور اُنھوں نے رواق الشامئین میں ایک پر فضا حجرہ میرے لیئے خالی کرا دیا۔ ایک مہینے سے زیادہ میں یہاں مقیم رہا۔ شیخ عبدالحلیم قریبًا ہر وقت میرے پاس رہتے تھے اور میری تمام ضرورتوں کو انجام دیتے تھے۔ وہ میرے رہنما انیس معرّف اور اگر گستاخی نہو تو نوکر اور خادم بھی تھے۔ اور نوکر بھی بے تنخواہ و غرض

قاہرہ کا اجمالی حال

یہ شہر مصر کا دار السلطنت ہے بلکہ حال کے محاورہ میں مصر کا لفظ جب استعمال کیا جاتا ہے تو یہی شہر مراد ہوتا ہے جوہر سپہ سالار فاطمین نے ۳۵۸ھ میں اسکو آباد کرایا تھا اور اُس عہد سے آجتک اسکو روز افزوں ترقی ہے۔ موجودہ مردم شماری ۳۷۴۸۳۸ ہے سڑکیں وسیع اور مکانات عمومًا بلند اور خوش فضا ہیں۔ میں جب اسکے وسیع اور پر رونق بازاروں میں سیر کرتا پھرتا تو بمبئی کا دھوکا ہوتا تھا۔ قہوہ خانہ نہایت کثرت سے ہیں اور بڑی تفریح اور آرام کی چیزیں ہیں۔ لباس اور وضع یہاں کی نہایت بھونڈی اور ناموزوں ہے۔ عوام نیلگوں لمبا کرتہ پہنتے ہیں جسکا چاک کھلا رہتا ہے۔ پاجامہ۔ تہمد وغیرہ بالکل نہیں پہنتے خواص قفطان اور عبا پہنتے ہیں۔ لیکن چونکہ عبا میں کلر نہیں ہوتا گردن کھلی رہتی ہے اور بدنما معلوم ہوتی ہے نئے تعلیم یافتہ کوٹ پتلون کا استعمال کرتے ہیں اور یہ طریقہ روز بروز زیادہ مقبول ہوتا جاتا ہے عورتوں کی وضع اور لباس اس قدر بیہودہ اور بدنما ہے کہ اس سے زیادہ قیاس میں نہیں آسکتا۔ عام عورتیں تو وہی نیلگوں لمبا کرتہ پہنتی ہیں۔ لیکن دولتمند اور نئے فیشن کی

بیگمات جنکا لباس بالکل یورپین ہوتا ہو وہ بھی ایک بدنما نیلگوں برقع اوڑھکر بیچاپایا ہوا نکلتی ہیں برقع
میں ناک کی جڑ سے سینے تک ایک سیاہ دھجی سونڈ کی طرح لٹکتی رہتی ہو۔ اس دھجی کے اٹکانیکے لئے
سونے یا پیتل کی ایک نلکی ہوتی ہو جو پیشانی پر لٹکتی ہے اور بجائے زیور کے استعمال کیجاتی ہو۔

عام آدمیوں کا اخلاق

عام آدمیوں کے اخلاق میں دنارت زیادہ پائی جاتی ہو۔ معمولی سے معمولی چیز کی قیمت چکانے
میں حضرت امام حسین علیہ السلام یا حضرت عبدالقادر جیلانی کا واسطہ دلایا جاتا ہو مرد اور عورت
بکثرت بھیک مانگتے ہیں اور بلا کی طرح لپٹ جاتے ہیں۔

موسم کے لحاظ سے یہ ملک ہمارے ہندوستان کے مشابہ بلکہ اس سے بدتر ہو کچھ عجیب طرح کی
گرمی پڑتی ہو۔ طبیعت ہر وقت مضمحل اور سست رہتی ہو اور کسی کام کے کرنیکو جی نہیں چاہتا۔
مجکو خیال تھا کہ میں یہاں بہت کام کرسکونگا اور اسی وجہ سے بیروت وبیت المقدس میں
کم قیام کیا تھا کہ یہاں زیادہ دنوں تک رہ سکوں لیکن گرمی نے وہ تمام منصوبے غلط کردیئے صبح
کے وقت گھنٹہ دو گھنٹہ کام کرتا تھا باقی تمام دن حجرے میں بیکار پڑا رہتا تھا۔

مصر میں تعلیم کی حالت

ممالک اسلامیہ میں جو مقامات آج کل تعلیم کے مرکز خیال کئے جاتے ہیں قسطنطنیہ اور قاہرہ
ہیں اسی لحاظ سے میں نے ان دونوں مقاموں کی تعلیمی حالت دریافت کرنے میں بہت کچھ کوشش
کی قسطنطنیہ کیطرح یہاں سررشتہ تعلیم کے عہدہ داروں سے ملا۔ سالانہ رپورٹیں پڑھیں متعدد کالجوں
کے پروگرام دیکھے۔ بڑے کالجوں میں خود جاکر اساتذہ کا طریق درس دیکھا۔ ان تحقیقات سے جو باتیں
معلوم ہوئیں انکو ناظرین کے سامنے پیش کرتا ہوں اس موقع پر یہ کہنا بھی ضروری ہو کہ اگر قسطنطنیہ میں
تعلیم کو جو وسعت اور ترقی حاصل ہو مصر اور قاہرہ کو اس سے کچھ نسبت نہیں تاہم مصر کو اس
بات میں ترجیح حاصل ہو کہ یہاں سررشتہ تعلیم کے کاغذات جو عام طور پر شائع ہوتے ہیں زیادہ مرتب اور مفصل
ہیں اور اس لئے میں قسطنطنیہ کی بہ نسبت یہاں کی تعلیمی حالت زیادہ تفصیل اور تحقیق کیساتھ لکھ سکونگا۔

قسطنطنیہ کی نسبت یہاں بھی تعلیم کے دو طریقے ہیں قدیم وجدید یہ دونوں طریقے بالکل مختلف
ہیں اور اس اختلاف نے دونوں کو نہایت سخت نقصان پہونچایا ہو۔ قدیم تعلیم جو ہزار برس پیشتر کی تعلیم کا بگڑا
ہوا خاکہ ہو۔ ملک کی آب وہوا میں سرایت کرگئی اور چونکہ وہ مذہبی پیرایہ میں ہو سلطنت کا اثر

بھی اُس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اسی کا نتیجہ ہی کہ مصر میں اگرچہ ایک مدت سے جدید تعلیم کی بنیاد پڑچکی ہے اور خود گورنمنٹ نے اُسکو خاص اپنے سایۂ عاطفت میں لیا ہے۔ بہت سے لڑکوں کو وظیفہ دیا جاتا ہے اور فی صدی ۸۱ سے کچھ فیس نہیں لیجاتی۔ تمام بڑے بڑے عہدے صرف نئے تعلیم یافتہ لوگوں کو ملتے ہیں۔ یہ سب کچھ ہے تاہم وسعت تعلیم کا یہ حال کہ شہر و اطراف کے تمام چھوٹے بڑے اسکولوں اور کالجوں کو ملا کر طالب علموں کی تعداد دس ہزار بھی نہیں ہے حالانکہ قدیم طریقے پر تعلیم پانے والے صرف جامع ازہر میں دس ہزار سے زائد ہیں اس قدر ضرور ہے کہ جدید تعلیم کا ہر قدم آگے ہے اور قدیم طریقے کا زور روز بروز گھٹتا جاتا ہے سرکاری مدرسوں میں ہر قسم کے طلبا کی تعداد جو ہر سال بڑھتی جاتی ہے اُس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ۱۸۸۷ء میں بورڈروں کی تعداد فیصدی ۷۴ تھی اور ۱۸۸۸ء میں ۵۶ ہو گئی۔ اسیطرح غیر بورڈر ۱۸۸۷ء میں ۷۱ فیصدی تھے اور ۱۸۸۸ء میں ۷۹ ہو گئے۔ ہم اس موقع پر ایک اجمالی نقشہ دیتے ہیں جو ۱۸۸۸ء کی رپورٹ سے مرتب کیا گیا ہے اور جس سے تمام اسکولوں اور کالجوں کی تفصیل اُنکے سالانہ مصارف۔ طالب علموں کی تعداد اور دیگر حالات معلوم ہوں گے۔

نام مدرسہ	مصارف سالانہ موازنہ ۱۸۸۸ء	تعداد طلبا موجودہ جنوری ۱۸۸۸ء	تعداد طلبا جن سے فیس لیجاتی ہے	تعداد فیس	بلا فیس	تعداد وظیفہ یاب	کیفیت
مدرستہ الطب	۱۲۴۸ پونڈ	۱۸۲	۷۹	سالانہ ۴ پونڈ	۴۷	۲۲	پونڈ کم از کم دس
مدرستہ الولادۃ	۸۱۶	۱۱	۰	۰	۱۱	۰	روپیہ کا ہوتا ہے
مہندس خانہ	۰۴۱۴	۳۳	۷	۱۵ پونڈ	۱۲	۱۸	
مدرستہ الحقوق یعنی قانون کا مدرسہ	۲۴۱۴	۶۲	۲۷	۱۵	۱۵	۱۱	
دار العلوم	۱۵۲۶	۳۱	۰	۰	۱	۳۷	ہیں نے جب اس کالج
مدرستہ الترجمہ	۱۴۳۵	۳۰	۳	۶	۲۳	۲	کو دیکھا تو ۴۵
مدرستہ الصنائع	۷۸۱۹	۲۷۰	۱۴	۶	۲۶۰	۰	طالبعلم تھے

التوفیقیه	۹۴۱۸	۲۸۸	داخلیه ۲۵ خارجیه ۲۱	۲۰ / ۱۲	۳	۱۵	داخلیه سے بورڈر
التجهیزیه	۷۷۵۴	۳۳۰	داخلیه ۵۲ خارجیه ۹۰	۱۶ / ۸	۱۸۵	۰	خارجیه سے غیر بورڈر
مبتدیان	۴۲۸۳	۲۵۸	داخلیه ۶۹ خارجیه ۸۱	۱۴ / ۶	۱۱۸	۰	مراد ہیں
اسکندریه	۱۳۶۸	۲۱۴	۱۰۹	۱	۷۶	۰	
المنصوره	۱۲۹۴	۱۴۳	۸۰	۱	۷۱	۰	

پرایوٹ اسکول

ان سرکاری مدرسوں کے سوا ۲۰۱ پرایوٹ اسکول ہیں جنکا طریقہ تعلیم اور کورس بالکل سرکاری مدرسوں کے مطابق ہے اور امتحانات وغیرہ بھی سررشتہ تعلیم کی نگرانی میں ہوتے ہیں سنہ ۱۸۸۹ء میں ان اسکولوں کا خرچ سالانہ ۸۴۳۴ پونڈ تھا جو کم وبیش ایک لاکھ پچیس ہزار روپیہ کی برابر ہے۔ طالبعلموں کی تعداد سنہ ۱۸۸۸ء میں ۶۳ ۲۳ تھی۔

طلبا کی تعداد

مدارس اور طالبعلموں کی تعداد ہر سال ترقی کرتی تھی چنانچہ سنہ ۱۸۹۱ء میں پرایوٹ اسکولوں کی تعداد ۲۰۰ سے ۱۳۰۰ ہو گئی جس میں دس ہزار تیرہ سو طالبعلم تعلیم پاتے ہیں۔ اسی طرح اس سنہ میں سرکاری مدارس کے طالبعلموں کی تعداد ۶۰۳۰ اور فیس کی آمدنی ڈھائی لاکھ سے زیادہ ہو گئی۔[۱]

مصر کی اصطلاح میں تعلیم کے تین درجے قرار دیے گئے ہیں۔

ابتدائی جس میں چار صفیں ہیں۔ اور اسکی کل خواندگی ہمارے یہاں کے مڈل کلاس کی برابر ہے۔

تجہیزی ابتدائی کے بعد شروع ہوتی ہے۔ اس میں پانچ کلاسیں ہیں اور اسکی خواندگی ہمارے یہاں کے انٹرنس کی برابر ہے۔

[۱] خدیو حال کو تعلیم کی ترقی کا نہایت خیال ہے چنانچہ سنہ حال یعنی ۱۸۹۳ء کے اس اجلاس میں جسمیں سلطنت کا بجٹ پیش ہوا تھا۔ خدیو موصوف نے خاص تعلیمات کے صیغے کے متعلق جو گفتگو کی اسکے بعض فقرے یہ تھے سررشتہ تعلیم کی وسعت اور ترقی کی نہایت ضرورت ہے چنانچہ میں نے اس سال رقم سابق پر بارہ ہزار پونڈ تقریباً دو لاکھ روپیہ کا اضافہ منظور کیا تعلیم کی طرف لوگوں کا میلان روز بروز بڑھتا جاتا ہے اس سال بہ نسبت اور سالوں کے پندرہ سو لڑکے کالجوں اور اسکولوں میں زیادہ داخل ہوئے صنعت کے جو مدرسے بند ہو گئے تھے میں نے دوبارہ انکے جاری ہونیکا حکم دیا علی پاشا کی وہ یادداشت جس میں انہوں نے بانسو ابتدائی مکتبوں کا دیہات وقصبات میں کھولا جانا تجویز کیا تھا میں نے اسکی طرف توجہ مائل کی ہے اور میں اس تجویز کو بالکل پورا کرنا چاہتا ہوں۔ " بہرحال آپ لوگ تعلیم کی طرف سے مطمئن رہیے میں اس صیغے کو بہت قوت دوں گا۔

خصوصی یعنی لاکلاس اور دار العلوم وغیرہ۔

مدارس تجہیزیہ میں فرنچ یا انگریزی کی بھی تعلیم ہوتی ہے۔ اور ۱۸۸۹ء سے یہ قاعدہ قرار دیا گیا ہے کہ ان مدرسوں میں تاریخ۔ جغرافیہ۔ علوم طبیعیہ۔ لازمی طور پر فرنچ یا انگریزی زبان میں پڑھائی جائیں۔ ان زبانوں کی ترقی کیلئے سررشتہ تعلیم نے یہ حکم جاری کیا کہ انکی تعلیم صرف یورپین پروفیسروں کے ذریعے سے دلائی جائے اس سے پہلے چونکہ فرنچ کا اثر زیادہ تھا اس لیے فرنچ پڑھنے والے طلبا کی تعداد زیادہ تھی چنانچہ ۱۸۸۹ء میں انکی تعداد ۲۵۰۰ تھی اور انگریزی خوان صرف ۸۰۰ تھے لیکن اب انگریزی خوان کی تعداد دو ہزار سے زیادہ ہے اور فرنچ پڑھنے والوں کی تعداد قریبًا وہی ہے جو ۱۸۸۹ء میں تھی۔

اب ہم بڑے بڑے کالجوں اور بعض اسکولوں کا ذکر کسی قدر تفصیل کے ساتھ کرتے ہیں۔

دار العلوم

مصر اور نہ صرف مصر بلکہ تمام ممالک اسلامیہ میں جو کالج مجکو سب سے زیادہ پسند آیا اور جسکو میں نے مسلمانوں کے درد کیلئے کافی سمجھا وہ یہی کالج ہے اور میرا ہمیشہ یہ خیال ہے اور میں نہایت مضبوطی سے اسپر قائم ہوں کہ مسلمان مغربی علوم میں گو ترقی کے کسی رتبہ تک پہونچ جائیں لیکن جب تک اُن میں مشرقی تعلیم کا اثر نہ ہو انکی ترقی مسلمانوں کی ترقی نہیں کہی جا سکتی۔ بے شبہ مشرقی تعلیم کی موجودہ اسکیم ہے وہ نہایت ابتر اور غیر ضروری ہے لیکن اسی تعلیم میں ایسی چیزیں بھی ہیں جو مسلمانوں کی قومیت کی روح ہیں اور جس تعلیم میں اس روحانیت کا مطلق اثر نہ ہو وہ مسلمانوں کے مذہب۔ قومیت۔ تاریخ۔ کسی چیز کو بھی زندہ نہیں رکھ سکتی۔

جس مصیبت کا ہندوستان میں رونا ہے۔ وہی قسطنطنیہ۔ بیروت۔ اور مصر میں بھی موجود ہے یعنی نئی تعلیم میں قومیت اور مذہبی پابندی کا اثر کم ہے۔ اور پرانی تعلیم اس قابل نہیں کہ دنیا کی موجودہ ضرورتوں کا ساتھ دے سکے۔ صرف ایک یہ دار العلوم ہے جو دونوں ڈانڈوں کو ملانا چاہتا ہے۔ اگرچہ افسوس ہے کہ ابھی پورا کامیاب نہیں ہوا اس کالج کا اول جسکو خیال آیا وہ علی پاشا مبارک مصر کا ایک روشنضمیر ہوا ہے۔ خود مشرقی اور مغربی تعلیم دونوں حاصل کی ہیں اور یورپ کی متعدد زبانیں جانتا ہے۔ وہ کئی دفعہ مصر کے سررشتہ تعلیم کا افسر رہ چکا ہے۔ اسکی تاریخ تصنیفات تمام ممالک اسلامیہ میں پھیلی ہوئی ہیں اور درحقیقت نہایت مفید ہیں۔ اُس نے جامع ازہر کی طرز تعلیم کی بھی اصلاح کرنی چاہی تھی۔ لیکن ازہر کے شیوخ

راضی ہوئے غالباً اس کے بعد اُس نے کالج کی بنیاد ڈالی۔

اول اول اس کالج کا ظاہری مقصد یہ قرار دیا گیا کہ اس کے تعلیم یافتہ۔ مدارس سرکاری کی مدرسی کے لیئے انتخاب کئے جائیں لیکن ۱۸۹۸ء میں گورنمنٹ کی اجازت کے مطابق سررشتہ تعلیم نے یہ قاعدہ منظور کیا کہ اسکے سندیافتہ جج۔ اور قاضی و مفتی مقرر ہوسکیں۔ اس کے ساتھ کورس میں در متعدد علوم اضافہ کئے گئے اور ایک کمیٹی نے جسکا پریسیڈنٹ جامع ازہر کا شیخ الشیوخ تھا اسکے کورس کے لیے کتابیں منتخب کیں۔

اِس کالج میں داخل ہونے کی ضروری شرط یہ ہو کہ طالب علم مشرقی علوم میں سے نحو۔ صرف۔ فقہ اصول فقہ۔ تفسیر۔ حدیث۔ مناسب استعداد رکھتا ہو۔

تعلیم کی کل مدت چار برس ہو اور جو علوم پڑھائے جاتے ہیں اور جس طرح ہر ہفتہ میں اُن کے درس مقرر کئے گئے ہیں اُنکی تفصیل نقشہ ذیل سے معلوم ہوگی۔

علوم جو پڑھائے جاتے ہیں	پہلا سال	دوسرا سال	تیسرا سال	چوتھا سال
فقہ	ہفتہ میں ۵ سبق	ہفتہ میں ۵ سبق	ہفتہ میں ۵ سبق	ہفتہ میں ۵ سبق
تفسیر	۰	۰	۲	۲
تاریخ طبیعی	۲	۲	۰	۰
علوم بلاغت	۲	۲	۰	۰
اصول فقہ	۰	۰	۲	۲
حکمۃ عملیہ	۱	۰	۰	۰
جبر و مقابلہ و حساب . . .	۴	۴	۴	۴
جغرافیہ	۲	۲	۲	۲
تاریخ عمومی	۱	۱	۱	۱
فن انشائے عربی	۳	۳	۴	۴
مختلف خطوط	۴	۴	۴	۴
تصویر کشی	۱	۱	۰	۰
ادبیات لغت عربیہ	۰	۰	۳	۳

تسمو غرافی	.	.	۱	۱
طبیعات وکیمیا	.	.	۲	۲
حدیث ۔ کلام ۔ منطق	.	۲	۱	.
نحو و صرف ۔ رسم خط ۔ عروض قوافی	۳	۲	.	.

چونکہ اس کالج میں وہی طلبا داخل ہو سکتے ہیں جو علوم عربیہ اور ادب فقہ و حدیث سے واقف ہوں اور اس قسم کے طلبا وہی ہو سکتے ہیں جنہوں نے قدیم طریقے پر تعلیم پائی ہو اس کالج میں طالبعلموں کی تعداد بہت کم ہو۔ اگرچہ سررشتہ تعلیم نے اسی لحاظ سے اس کالج میں کچھ فیس نہیں مقرر کی بلکہ بجائے اسکے ہر طالب علم کو پندرہ روپیہ ماہوار وظیفہ ملتا ہو ایک وقت کھانا کھانا بھی کالج ہی سے ملتا ہو طالب علموں کے لیے جو لباس مقرر کیا گیا ہے وہ بھی وہی قدیم مولویانہ لباس ہے۔ جو لوگ یہاں سے تعلیم پاکر نکلتے ہیں اچھے اچھے عہدوں پر ممتاز بھی ہوتے ہیں۔ یہ سب کچھ ہو لیکن جن لوگوں کو پرانی تعلیم نے ایک دفعہ بھی چھو لیا تمام عمر کے لیے اُنکو علوم جدیدہ سے وحشت ہو جاتی ہو حالانکہ یہ علوم عربی زبان ہی میں تعلیم دیئے جاتے ہیں۔ میں نے جب اس کالج کو دیکھا تو اس میں ۸۰ طالب علم تھے جن میں سے اکثر جامع ازہر کے تعلیم یافتہ تھے۔

طریقہ معاش

درس کا طریقہ بھی یہاں خاص ہو۔ استاد شاگرد کسی کے ہاتھ میں کتاب نہیں ہوتی۔ اُستاد زبانی لکچر دیتا ہو اور اس وسعت اور فصاحت سے تقریر کرتا ہے کہ خود دل پر نقش ہو جاتی ہو اسی لحاظ سے مصر کے نہایت نامور علما اسکی پروفیسری کے لیے انتخاب کیے گئے ہیں مثلاً شیخ حمزہ فتح اللہ پروفیسر ادب شیخ حسن الطویل معلم الحدیث ڈاکٹر عثمان بک پروفیسر تاریخ طبعی یہ سب مصر کے مشہور علما ہیں اور انکی تصنیفیں نہایت قدر کے قابل خیال کی جاتی ہیں مصر میں آج جو لوگ عربی کے نامور انشا پردازہ ہیں اکثر اسی کالج کے تعلیم یافتہ ہیں ادب کا جو کورس مقرر کیا گیا ہو وہ کوئی خاص کتاب یا چند کتابوں کا انتخاب نہیں ہو۔ بلکہ عربی لٹریچر کے وہ تمام نادر حصے جن کو فن ادب کی جان کہنا چاہیئے۔ اسی طرح تفسیر میں صرف اُن آیتوں کا درس ہوتا ہو جو بلحاظ بلاغت یا اخلاق یا مسائل کلام ۔ زیادہ مہتم بالشان ہیں چنانچہ ۱۸۹۰ء میں جو نصاب تعلیم مقرر کیا گیا اُس میں ان تمام مقامات کی تفصیل کر دی گئی ہے اور وہ سرکاری مطبع میں چھپکر شائع ہو گیا ہے۔

ادب اور فقہ کے درس میں خود بھی شریک ہوا تھا۔ دونوں پروفیسروں نے جس فصاحت اور خوبی سے تقریر کی اب تک میرے دل میں نقش ہے کاش ہمارے یہاں کے علما بھی اس طریقے کی تقلید کرتے ہیں۔ طالب علموں کی استعداد کا حال اس سے ظاہر ہوگا کہ جس وقت ہم کالج کی سیر کر رہے تھے احمد بک نظیم نے جو کالج کے سکرٹری ہیں ایک طالب العلم کو جس کا نام احمد توصی تھا بلایا اور اس سے کہا کہ قلم دوات لیکر بیٹھ جاؤ اور اسی وقت انکی شان میں (میری طرف اشارہ کر کے) کچھ اشعار لکھو وہ سامنے ایک بنچ پر بیٹھ گیا اور یہ اشعار لکھ کر سنائے۔

محمد انت شبلی المعالی / لقد نقت الی ری دعلو تقل را
وقد اولیتنا شرفا وفضلا / بتشریف زیارۃ ارض مصرا
فلاز لنا نراک بکل انس / تذید تفضلا و نزید شکرا

اگرچہ شبلی المعالی کی ترکیب بے جوڑ ہے اور دوسرے شعر میں اقوار ہے تاہم خوبی زبان و برجستگی ادا کے لحاظ سے میں نے بہت داد دی۔

مدرستہ الحقوق

داخلے کے شرائط

اس کالج میں قانون کی تعلیم ہوتی ہے اور یہاں سے سند یافتہ سول سروس عہدوں پر مامور ہوتے ہیں۔ اس کالج میں داخل ہونے کی ضروری شرطیں یہ ہیں کہ طالب علم کی عمر ۱۶ برس سے زیادہ ہو تجہیزی تعلیم (انٹرنس کلاس) کی سند رکھتا ہو۔ چال چلن اچھا ہو بچپن میں چیچک کا ٹیکا لگوا چکا ہو تندرستی اچھی ہو داخلہ کے وقت ایک خاص امتحان تحریری و تقریری لیا جاتا ہے۔ تحریر میں فرنچ اور عربی کی زباندانی کے متعلق سوالات ہوتے ہیں اور تقریر میں انکے علاوہ تاریخ و جغرافیہ بھی داخل ہے اس امتحان میں کامیاب ہونیکے بعد اسکو اپنے باپ یا کسی مربی کا ایک خط پیش کرنا ہوتا ہے جسکے یہ الفاظ ہوتے ہیں کہ کالج کے خارج اوقات میں میں اس لڑکے کے چال چلن کا ذمہ دار ہوں " ان تمام باتوں کے بعد ۲ پونڈ یعنی کم و بیش دو سو روپیہ بطور فیس کے داخل کرنے ہوتے ہیں اور اس وقت طالب علم کالج میں داخل کر لیا جاتا ہے۔ تعلیم کی مدت چار برس ہے اور مضامین جو تعلیم میں داخل ہیں حسب ذیل ہیں۔

سال اول۔ عربی۔ فرنچ۔ ترجمہ۔ مسک وفاتر (یعنی املا و تحریر) شریعت اسلامیہ قانون قضا و عدالت۔ عام قانون اور پالٹیکس کے اصول عام۔

سال دوم ۔ علاوہ مضامین بالا کے رومن لا ۔ قانون فوجداری
سال سوم ۔ ایضاً " پولیٹیکل اکونمی ۔ تعزیرات ۔ مرافعات ۔ مدینہ و تجاریہ ۔
سال چہارم شریعت اسلامیہ ۔ پولیٹیکل اکونمی ۔ مرافعات ۔ قانون تجارت ۔ قانون عدالت خاص سلطنت کا قانون

ہر سال مختلف مضامین میں امتحان لیئے جاتے ہیں اور یہ تمام امتحانات اور اخیر امتحان فرنچ زبان میں ہوتا ہے ۔ صرف شریعت اسلامی کا امتحان عربی زبان میں ہوتا ہے طالب علموں کو جب کسی قدر قانونی استعداد حاصل ہو جاتی ہے تو ہائیکورٹ اور دوسری عدالتوں میں کارروائی سے واقف ہونے کے لیئے بھیجے جاتے ہیں ۔ اور حکم ہوتا ہے کہ مقدمات کا خلاصہ لکھیں ۔ خود کالج میں بھی عدالت کی مسلیں منگائی جاتی ہیں اور طالبعلموں سے اُنکے متعلق تحریری دعوی بیانات تحریری ۔ ادائی شہادت سوالات جرح ۔ اور فیصلہ مقدمہ کی مشق کرائی جاتی ہے ۔ میں نے اس کالج کی اچھی طرح سیر کی کالج کا سکرٹری ایک فرنچ ہے وہ تو عربی سے بالکل ناواقف ہے لیکن اُسکا نائب ایک نوجوان مسلمان ہے جو نہایت لائق شخص ہے اور متعدد زبانیں جانتا ہے ۔ وہ کالج کا پروفیسر بھی ہے اور فرنچ زبان میں نہایت برجستگی سے لکچر دیسکتا ہے مجکو اپنے کلاس میں لے گیا اور کہا آج فرنچ میں لکچر دینے کا دن تھا ۔ لیکن میں تمھاری خاطر سے عربی میں لکچر دونگا چنانچہ تعزیرات کے اصول پر کھڑے ہو کر لکچر دیا اور نہایت فصاحت اور وسعت سے تقریر کی ۔ تمام کلاسوں میں جسقدر لڑکے تھے پاکیزہ صورت اور پاکیزہ لباس تھے اور اُنکے چہروں سے متانت اور وقار ٹپکتا تھا

مدرسۃ الترجمہ

مصر میں چونکہ فرنچ اور انگریزوں کا بہت اثر ہے اور تمام بڑی بڑی ملکی عہدے انھیں دونوں قوموں کے ہاتھ میں ہیں ۔ مصریوں کو اُنکے ساتھ تعلق رکھنے اور انکی ماتحتی میں کام کرنے کیلیئے فرنچ اور انگریزی زبان سیکھنی پڑتی ہے ۔ اس کالج کے قائم کرنے کی اصلی غرض اسی قدر تھی اور اسی وجہ سے وہ ابتداءً زبان دانی کی تعلیم پر محدود تھا اور ایک معمولی اسکول کہا جا سکتا تھا ۔ لیکن ۱۸۸۸ء میں اسکی اسکیم بہت وسیع کردی گئی اور چار پروفیسر اور بڑھائے گئے جسمیں ایک فرنچ ہے ۔ عربی ۔ ترکی ۔ فرنچ ۔ انگریزی زبانوں کے علاوہ مضامین ذیل کی تعلیم بھی ضروری قرار دی گئی ۔ جغرافیہ ۔ تاریخ ۔ حساب ۔ ہندسہ ۔ جبر مقابلہ ۔ علوم طبیعہ ۔ کیمیا ۔ فقہ ۔ توحید ۔ یہ تمام مضامین بجز فقہ و توحید کے فرنچ میں پڑھائے جاتے ہیں ۔ اور بعض مضامین انگریزی زبان میں بھی اس کالج نے جس طرح مصر کو ملکی

ضرورتوں کے لحاظ سے فائدہ پہونچایا ہو علمی ترقی کے لیئے بھی وہ نہایت مفید ثابت ہوا ہو مصر کی علمی زبان ابتک عربی ہو اور غالبًا ہمیشہ رہیگی۔ کالجوں میں جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں عمومًا فرینچ سے ترجمہ کی گئی ہیں۔ ایک خاص محکمہ اس غرض سے قائم کیا گیا ہو کہ فرانس میں ڈاکٹری وغیرہ کی جو نئی عمدہ تصنیف شائع ہو فورًا ترجمہ کرلیجائے۔ اور کالجوں کے کورس میں داخل کی جائے چنانچہ اس وقت تک سیکڑوں کتابیں ترجمہ ہوگئیں اور ہوتی جاتی ہیں ان تمام ضرورتوں کو اسی کالج نے پورا کیا ہے۔

مدرستہ الطب

علم الحیوانات ونباتات

یہ بہت بڑا کالج ہو اور اس کا سالانہ خرچ ایک لاکھ سے زیادہ ہو کالج کی عمارت نہایت وسیع ہو اور مختلف مضامین کی تعلیم کے لیے کثرت سے جداگانہ بڑے بڑے کمرے مخصوص ہیں تشریح کے لئے جو کمرہ ہو وہ نہایت وسیع ہو اور اس میں ہر وقت بہت سی لاشیں موجود رہتی ہیں جن پر تشریح کے تجربے عمل میں آتے ہیں ۱۸۸۸ء میں سیکر دجراحی کی تعلیم کیلیئے اُنکے متعلق جداگانہ کارخانہ کھولا گیا۔ علم الحیوانات کی تعلیم ایک وسیع مکان میں ہوتی ہو جسمیں مختلف قسم کے جانور نہایت کثرت سے موجود ہیں کالج کے احاطہ میں ایک باغ ہو جو علم نباتات کی غرض سے تیار کیا گیا ہو اور اُسمیں سیکڑوں مختلف اقسام کے نباتات ہیں۔ جنکی پرداخت نہایت اہتمام ونگرانی میں کیجاتی ہو علم الکیمیا بھی اسکی تعلیم کا ضروری جزو ہو ۱۸۸۸ء تک اسکی تعلیم صرف نظری طریقے پر ہوتی تھی ۱۸۸۷ء میں عملی تجربوں کیلیئے کالج کی عمارت میں متعدد بڑے بڑے کمرے اور اضافہ کیئے گئے اور ۱۸۸۸ء میں گیس وغیرہ اور جو چیزیں عملی تجربے کے لیے ضروری تھیں اس میں مہیا کی گئیں۔ ہر سال اس کالج سے ایک گروہ کثیر تعلیم پاکر نکلتا ہو جنمیں سے بعض تکمیل کیلیئے یورپ بھیجے جاتے ہیں۔

یورپ کی طبی کتابوں کا ترجمہ

تمام کتابیں جو اس کالج کی نصاب تعلیم میں داخل ہیں عربی زبان میں ہیں اور فرینچ وغیرہ سے ترجمہ کی گئی ہیں چونکہ یورپ میں ہمیشہ اور علوم وفنون کیطرح علم طب بھی روزافزوں ترقی کرتا جاتا ہو اور ہر سال اُس کے مسائل میں بہت سی نئی معلومات کا اضافہ ہوتا جاتا ہو۔ اس لیے ایک کمیٹی خاص اس غرض سے مقرر ہے کہ اس قسم کی جو کتاب فرینچ وغیرہ میں شائع ہو اُسی وقت عربی زبان میں ترجمہ کرلیجائے۔ اور اس کالج کے کورس میں داخل کیجائے۔ اس طریقے سے علم طب کے متعلق ترجمہ شدہ کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ تیار ہو گیا ہو جسکی تعداد کتب خانہ خدیو کی فہرست سے معلوم ہوسکتی ہو مصر کے علمانے بہت سی کتابیں اس فن میں خود بھی تصنیف کی ہیں۔ اور یونانی وموجودہ طبابت میں محاکمہ بھی کیا ہو۔ کاش ہمارے ملک کے اطبا جو انگریزی

نہ جاننے کی وجہ سے یورپ کی تحقیقات سے محروم ہیں۔ ان جدید تصنیفات کو ہم پہونچاتے اور اُنسے مستفید ہوتے۔ لیکن ہماری قوم میں یہ ہمت کہاں! حالانکہ سچ پوچھیئے تو یہ کچھ ہمت کی بات بھی نہیں۔
اس کالج میں کل ۱۵ پروفیسر ہیں جن میں سے تین یوروپین اور باقی مصری ہیں۔

بقیہ کالج اور اسکول

ان کالجوں کے سوا اور متعدد کالج انجنیری۔ صناعی۔ وغیرہ کے ہیں اور ترقی کی حالتیں ہیں

انجنیرنگ کالج

انجنیرنگ کالج میں جو علوم و فنون پڑھائے جاتے ہیں اور اُسکے داخلہ و امتحان کے متعلق جو قواعد ہیں ایک جداگانہ رسالے میں چھاپے گئے ہیں جس کے صفحوں کی تعداد ۱۵ ہے۔ اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم کی اسکیم نہایت اعلیٰ درجہ کی ہے میں جب اس کالج میں گیا تو پرنسپل نے مجھسے شکایت کی کہ موجودہ ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن نے اس کالج کو نہایت سخت نقصان پہونچایا ہے اسکے قبل یہاں کا کورس وہی تھا جو فرانس کے انجنیرنگ کالج کا ہے اور اسی غرض سے تمام مضامین فرنچ زبان میں پڑھائے جاتے تھے۔ لیکن حال کے ڈائرکٹر نے حکم دیا ہے کہ تمام مضامین انگریزی میں پڑھائے جائیں اور ہندوستان کے رڑکی کالج کی تقلید کی جائے۔ پرنسپل صاحب کہتے تھے کہ رڑکی کی مستعملہ کتابیں یہاں منگوائی گئیں اور میں نے انکو دیکھا وہ یہاں کے موجودہ کورس سے نہایت کم رتبہ کی کتابیں ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ہمکو اسکی تعمیل پر مجبور کیا جاتا ہے

صنعت کا مدرسہ

مدرسۃ الصنائع جسمیں صنعت اور حرفت کی تعلیم ہوتی ہے اور جسکا سالانہ خرچ ایک لاکھ سے زیادہ ہے نہایت ترقی کی حالت میں ہے۔ نجاری۔ حدادی وغیرہ صنعتیں جو سکھائی جاتی ہیں علمی طریقے سے سکھائی جاتی ہیں۔ اور اس بنا پر کوئی طالب علم جبتک تعلیم ابتدائی (جو مڈل کی برابر ہے) حاصل نہ کر چکا ہو اسمیں داخل نہیں ہو سکتا۔ عربی و فرنچ۔ و انگریزی زبانوں کے علاوہ۔ علوم ریاضیہ مشین کیمیا طبیعات کے ابتدائی حصے بھی پڑھائے جاتے ہیں۔ ہر روز تین گھنٹہ ان نظری علوم کی تعلیم ہوتی ہے۔ اور سات گھنٹے مختلف صنعتوں کی علمی مشق کرائی جاتی ہے۔ سررشتہ تعلیم نے رپورٹ کی ہے کہ اس مدرسے کو نہایت ترقی ہے۔ اور جو چیزیں وہاں تیار کی جاتی ہیں تعجب انگیز ہیں۔

عام مدارس

عام اسکول بھی کثرت سے ہیں۔ مدارس تجہیزیہ دو ہیں۔ توفقہ۔ تجہیزیہ توفیقیہ کا سالانہ خرچ ایک لاکھ سے زائد ہے اور قریبًا چار سو طلبا اس میں تعلیم پاتے ہیں۔ اس میں ابتدائی بھی شامل ہیں اس مدرسے کا مکان نہایت خوبصورت اور خوش فضا ہے خدیو مصر نے شاہی عمارتوں میں سے ایک وسیع

مکان جسکا نام قصر النزہتہ ہے۔ مدرسہ کو عنایت کیا اور چونکہ اسکی وضع تعلیمی اغراض کے مناسب نہ تھی، پچاس ہزار روپیہ اس غرض کیلئے اور عنایت کئے کہ حسب ضرورت اسمیں ترمیم و اصلاح کیجائے چنانچہ سکرٹری مدرسہ کی مدرسہ کی ہدایت کے مطابق اسکی عمارت میں ترمیم اور اضافہ کیا گیا۔ چونکہ مدرسے میں تعلیم کے تین درجے تھے۔ قسم خاص۔ ابتدائی۔ تجہیزی۔ ان تینوں کے لیے جداگانہ عمارتیں تعمیر ہوئیں اور ۳۵۰ طالبعلموں کے لیئے بورڈنگ کے کمرے بنائے گئے۔ مدرسے کے متعلق دو بڑے بڑے کمرے تصویر کشی اور کیمسٹری کی مشق کے لیے ہیں اور نہایت خوشنما ہیں۔

مدرسہ تجہیزیہ

تجہیزیہ اس کا سالانہ خرچ کم وبیش دو لاکھ ہے۔ اور چار سو لڑکے اس میں تعلیم پاتے ہیں بورڈولں سے ۲۵ پونڈ یعنی ساڑھے چار سو روپیہ سالانہ فیس لیجاتی ہے۔ بورڈنگ اگرچہ وسیع نہیں اور نہ طالب علموں کے لیئے الگ الگ کمرے ہیں لیکن تمام لڑکے نہایت سلیقہ اور صفائی کیساتھ رہتے ہیں۔ میں جسوقت اس مدرسے میں گیا کھانے کا وقت تھا سکرٹری مدرسہ نے جسکا نام احمد بک نظیم ہے مجھسے کہا کہ پہلے کھانے کے کمرے کی سیر کیجیے کمرہ نہایت وسیع اور خوشنما تھا۔ اور دو تین میزیں اور کثرت سے کرسیاں بچھی ہوئی تھیں کھانے کا طریقہ اگرچہ قسطنطنیہ اور شام کے موافق یعنی چار چار شخصوں کے آگے ایک ایک پلیٹ تھی چھری کانٹے بالکل نہ تھے۔ تاہم مجکو تعجب بلکہ حیرت ہوئی کہ لڑکے اس خوبی اور صفائی سے کھاتے تھے کہ انکے ہاتھ مطلق نہیں بھرتے تھے۔ نہ میز کی چادر پر کہیں دہبہ تھا آپس میں بات چیت کرتے تھے۔ لیکن شور وغل کا کیا ذکر ہے۔ گونج تک نہ تھی۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ مدرسے کے افسروں میں سے دو ایک ہمیشہ طالب علموں کے ساتھ کھانا کھاتے ہیں اور ہر ہفتے میں کھانا کھانے کی تہذیب وشایستگی پر لکچر دیا جاتا ہے

یورپ میں تعلیم پانے والے

طلبہ جو یورپ میں تعلیم پاتے ہیں۔

مصر میں مدت سے یہ طریقہ جاری ہے کہ ہر سال سلطنت کی طرف سے چند طالب علم تکمیل تعلیم کی لیے یورپ بھیجے جاتے تھے یہ تعداد اس مناسبت سے ہوتی تھی کہ ہمیشہ تیس طالب علم یورپ میں موجود رہتے تھے۔ سفر اور وہاں کے قیام کا تمام صرف گورنمنٹ مصر کو برداشت کرنا پڑتا تھا۔ اگرچہ گورنمنٹ نے نہایت فیاضی سے یہ مصارف برداشت کئے لیکن بدقسمتی سے گورنمنٹ اور ملک کو ایک مدت تک کچھ فائدہ نہ پہونچا جو لوگ تعلیم پاکر آئے ان میں ہمارے ہندوستان کیطرح، بہت کم ایسے نکلے جو

کسی فن میں کامل ہوں یا اُنکی ذات سے ملک کو کسی قسم کا فائدہ پہونچ سکے آخر سررشتہ تعلیم کے افسر نے اس پر توجہ کی اور غور و تحقیق کے بعد اس نقصان کے اسباب دریافت کیے جنمیں سے ایک بڑا سبب یہ تھا کہ لڑکوں کے انتخاب میں غلطی ہوتی تھی۔ اکثر بڑی عمر کے لڑکے بھیجے جاتے تھے اور چونکہ ابتدائی تعلیم و تربیت عمدہ نہیں ہوتی تھی۔ یورپ کی تعلیم و تربیت کا اثر اُنپر بہت کم پڑتا تھا اُس وقت سے یہ لازمی قرار دیا گیا کہ آیندہ سے جو لڑکے بھیجے جائیں اُنکی عمر بارہ برس سے زیادہ نہ ہو اس میں ایک یہ مشکل تھی کہ مذہب اور عربی زبان کی تعلیم کا انتظام نہیں ہو سکتا تھا چنانچہ اس لیے یہ قاعدہ قرار دیا گیا کہ چند علما طالب علموں کے ساتھ جائیں جو عربی زبان اور مذہب کی تعلیم دیتے رہیں۔ یہ طریقہ نہایت مفید ثابت ہوا اور چونکہ ملک نے ان طالب العلموں کی عمدہ مثالیں دیکھیں لوگ اپنی اولاد کو اپنے صرف سے بھیجنے لگے یہانتک کہ سنہ ۱۸۸۸ء میں جسقدر لڑکے یورپ میں تعلیم پاتے تھے اُنمیں ۴۵ گورنمنٹ کی طرف سے اور ۵۱ خود اپنے صرف سے تعلیم پاتے تھے سنہ ۱۸۸۸ء میں جسقدر طالب علم یورپ میں موجود تھے اور جن علوم میں اُنکی تعلیم ہوتی تھی اُنکی تفصیل یہ ہے۔

جن صیغوں میں تعلیم پاتے تھے	اپنے خاص صرف سے	حکومت کے صرف سے
بیرسٹری	۱۵	۵
ڈاکٹری	۱۲	۴
امور مالیہ	۰	۱
معلمی یا پروفیسری	۰	۳
زراعت	۲	۰
بیرسٹری کے لیے تیاری	۰	۱
ٹیکنیکل کالج کے لیے تیاری	۱	۰

ان میں سے ۲ طالب علموں نے جو سلطنت کی طرف سے وظیفہ پاتے تھے نہایت اعلیٰ درجہ کی ڈگریاں حاصل کیں۔ ایک ان میں رشدی طپونزادہ تھا جسکو بیرسٹری میں ڈاکٹری کی سند ملی ایک لڑکا نام اسمٰعیل آفندی تھا او فرانس کے کالج میں پروفیسری کی تعلیم پاتا تھا طبیعیات کے امتحان میں تمام کالج میں اسکا دسواں نمبر رہا حالانکہ کل اُمیدوار جو امتحان میں شریک تھے ۱۰۲ تھے اور سب

فرانس کے رہنے والے تھے۔ ایک اور لڑکا جسکا نام عبداللہ تھا اس نے پولٹیکل اکانمی میں سب سے اول درجے کا انعام حاصل کیا۔ ان طالب علموں کے سوا چند اور طالب علم انگلستان اٹلی۔ جرمن میں تعلیم پاتے ہیں۔ ان میں سے بعض کلوں کے بنانے کا کام سیکھتے ہیں اور ان سبکا صرف گورنمنٹ مصر ادا کرتی ہے۔

یورپ میں تعلیم پانے کے متعلق ۱۸۸۸ء کی رپوٹ میں ڈائرکٹر تعلیم نے ایک نہایت مفید اور مدلل تقریر لکھی ہے اس میں اہل ملک سے خطاب کیا ہے کہ اگر وہ لوگ چند خاص باتوں کا لحاظ نہ رکھینگے تو یورپ کی تعلیم سے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا جیسا کہ مدت دراز کے تجربے سے ثابت ہو چکا ہے وہ لکھتا ہے کہ یا تو نہایت کم عمر کے لڑکے بھیجنے چاہئیں جو ابتدا سے لیکر انتہا تک یورپ ہی میں تعلیم پائیں۔ یا اگر بڑی عمر کے ہوں تو ضرور ہے کہ یورپ جانیسے پہلے ایف اے کی سند حاصل کر چکے ہوں ہمارے ہندوستان میں بھی عام شکایت ہے کہ یورپ کی تعلیم میں جو مصارف کثیر برداشت کئے جاتے ہیں انکا کافی صلہ نہیں ملتا۔ یہ شکایت بالکل صحیح ہے اور غالباً اسکی وہی وجہ ہے جو مصر کے ڈائرکٹر تعلیم نے بیان کی ہے۔

قدیم تعلیم و جامع ازہر

جامع ازہر کی ابتدا اور تاریخ

یہاں کی قدیم تعلیم۔ دوسرے لفظوں میں جامع ازہر کی تعلیم ہے اس لئے قدیم تعلیم کی کیفیت بیان کرنیکے لیے جامع ازہر کے حالات بیان کرنے کافی ہیں۔ یہ وہی جامع ہے جسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ کل دنیا میں اس سے قدیم کوئی یونیورسٹی نہیں ہے یہ ایک جامع مسجد ہے اور قاہرہ میں سب سے پہلے مسجد جو تعمیر ہوئی وہ یہی ہے۔ فاطمیین مصر میں سے خلیفہ المعز الدین اللہ کے ایک غلام نے جو سسلی کا رہنے والا تھا اور اپنی قابلیت خداداد سے دولت فاطمیہ کا دست و بازو بن گیا تھا ۳۵۹ھ ہجری میں اس مسجد کی بنیاد ڈالی اور ۳۶۱ھ ہجری میں انجام کو پہونچی ۳۷۸ھ میں خلیفہ عزیز باللہ نے مسجد سے متصل طالب علموں کے لئے کچھ مکانات بنوائے اور ۳۵ طالبعلموں کے لیے وظیفہ مقرر کیا۔ حاکم بامر اللہ نے ۴۰۰ھ ہجری میں مسجد کی عمارت میں تجدید کی اور اسکے مصارف کے لئے ۶۷ ہزار دینار منافع سالانہ کی جائداد وقف کی ۷۶۱ھ میں امیر طواشی نے یتیموں کے لیے ایک خاص مکتب قائم کیا اور اسکے ساتھ عام طلبا مسجد کے لئے بہت سی جائدادیں وقف کیں۔ رفتہ رفتہ بہت بڑا دار العلوم بن گیا یہانتک کہ ۸۱۸ھ میں اسکے طالب علموں کی تعداد ۷۵۰ سے متجاوز تھی جسمیں ہر ملک اور ہر قوم کے اشخاص تھے اور آج تو یہ حالت ہے کہ کثرت طلبا کے لحاظ سے تمام دنیا کی کوئی یونیورسٹی اسکی ہمسری نہیں کر سکتی کم و بیش چار پانچ ہزار طالب علم خود

طالب علموں کی تعداد

مسجد میں سکونت رکھتے ہیں۔ بہت سی پاس پاس کی مسجدوں میں رہتے ہیں لیکن کھانا یہیں سے ملتا ہے غرض ہر قسم کے طلبا کی تعداد جن کو جامع ازہر سے تعلق ہے بارہ ہزار سے متجاوز ہے۔ ہر ملک کے طالب علموں کیلئے الگ الگ بالاخانے ہیں جنکو یہاں رواق کہتے ہیں بہت سے طالب العلم بلکہ کثرت سے ایسے ہیں جنکے لئے مکان یا حجرہ کچھ بھی نہیں مسجد کے صحن میں سیکڑوں بلکہ ہزاروں چھوٹی چھوٹی الماریاں اور تلے جینی ہیں یہی انکے توشہ خانہ ہیں جنمیں وہ اپنے کپڑے اور ضروری اسباب رکھتے ہیں۔ سونے بیٹھنے کیلئے مسجد کا تمام صحن پڑا ہوا ہے۔ اول اول جب میں اس مسجد کی زیارت کیلئے گیا تو دور سے گونج کی آواز آئی اندر داخل ہوا تو ہر طرف طالب علم ہی طالب علم نظر آتے تھے۔ جابجا مدرسین درس دے رہے تھے اور ایک ایک کے گرد تیس تیس چالیس چالیس کا مجمع تھا۔ یہ حلقے تیس چالیس سے کم نہ تھے اور چونکہ پاس پاس تھے اس لئے اسقدر شور و غل تھا کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ مجکو خیال ہوا کہ آج کوئی خاص دن ہے اور اس وجہ سے کثرت سے طلبا جمع ہوگئے ہیں۔ لیکن دو چار روز رہکر یہ معلوم ہوا کہ یہ معمولی حالت ہے مجکو خیال ہوا کہ اس ہنگامہ میں جمعیت خاطر ایکطرف مدرسین کی آواز بھی طالب العلم کے کان تک پہونچتی ہے یا نہیں

جن جن ملکوں مثلاً شام۔ مغرب۔ جزیرہ۔ عراق۔ بخارا۔ خراسان۔ افغانستان۔ ہندوستان وغیرہ کے طالب العلموں کیلیے رواق بنے ہیں وہاں کے لوگ ہمیشہ سوداگروں کے ذریعے سے سالانہ کچھ رقم بھیجتے ہیں جو ان طلبا کو جیب خرچ کے طور پر دیجاتی ہے۔ معمولی کھانا خود ازہر سے ملتا ہے۔ لیکن چونکہ صرف روٹیاں ملتی ہیں اسلیئے سالن کا اہتمام انکو خود کرنا پڑتا ہے۔ بہت سے طلبا جنکو چار چار پانچ پانچ روٹیاں ملتی ہیں۔ نان بائی کو دو تین روٹیاں دیکر اسکے بدلے سالن لے لیتے ہیں اور اسطرح انکے جیب خرچ پر چنداں بار نہیں پڑتا۔ روٹیوں کی تقسیم کا طریقہ یہ ہے کہ وقت معین پر طلبا کا ایک گروہ بازار میں (جو مسجد کے سامنے ہے) دور یہ صف باندھ کر کھڑا ہوجاتا ہے اور روٹیاں تقسیم ہونی شروع ہوتی ہیں۔ ایک گروہ کے بعد دوسرا گروہ آتا ہے اور یہ سلسلہ کئی گھنٹے تک قائم رہتا ہے۔ طالب علموں کے ہاتھوں میں کوئی تو لیہ یا رومال نہیں ہوتا جس طرح بھیک منگے جو کچھ ملتا ہے ہاتھ پھیلا کر لے لیتے ہیں ان طالب علموں کا بھی یہی حال ہے۔

مدرسین کی تعداد چالیس سے زیادہ ہے۔ مدرس اول جو شیخ ازہر کہلاتا ہے اور جسکی تنخواہ چھ سات سو ماہوار سے کم نہیں ہوتی نہایت معزز سمجھا جاتا ہے یہانتک کہ خود حکومت اسکا پاس کرتی ہے۔ اس مدرسے کا مجموعی خرچ دو تین لاکھ روپے سالانہ سے کم نہیں ۱۸۹۴ء میں علاوہ اس رقم کے سررشتہ تعلیم سے دو لاکھ

سالانہ کی رقم اور منظور ہوئی ۔

مجکو اپنے تمام سفر میں جس قدر جامع ازہر کے حالات سے مسلمانوں کی بدبختی کا یقین ہوا کسی چیز سے نہیں ہوا۔ ایک ایسا دارالعلوم جسمیں دنیا کے ہر حصہ کے مسلمان جمع ہوں جس کا سالانہ خرچ دو تین لاکھ سے کم نہو جس کے طالب علموں کی تعداد بارہ ہزار سے متجاوز ہو اسکی تعلیم و ترتیب سے کیا کچھ اُمید ہو سکتی تھی۔ لیکن افسوس ہے کہ وہ بجائے فائدہ پہونچانیکے لاکھوں مسلمانوں کو برباد کر چکا ہے اور کرتا جاتا ہے۔ تربیت و معاشرت کا جو طریقہ ہے اور جس کا میں ابھی ذکر کر چکا ہوں اُس سے حوصلہ مندی۔ بلند نظری۔ جوش ہمت غرض تمام شریفانہ اوصاف کا استیصال ہو جاتا ہے۔ میں نے یہاں ایسے طلبا دیکھے ہیں جنکے عزیز اور نہایت قریب عزیز (چچا۔ ماموں وغیرہ) خود اسی شہر میں بڑے بڑے معزز عہدوں پر ہیں اور ان کی تمام ضروریات کے متکفل بھی ہیں تاہم چونکہ یہ طلبا ازہر میں رہتے ہیں۔ اس لیے انکو عام بازار میں ہاتھ پھیلا کر روٹیاں لینے میں ذرا شرم نہیں آتی۔ طالب علموں کی دناءت اور پست حوصلگی کا یہ حال ہے کہ بازار میں پیسے کی ترکاری خریدتے ہیں تو کنجڑے کو قسم دلاتے جاتے ہیں کہ ہذا سیدنا الحسین یعنی تجکو امام حسینؑ کے سر کی قسم واجبی قیمت بتانا! کیا اس قسم کے تربیت یافتہ لوگوں سے یہ امید ہو سکتی ہے کہ وہ اسلام کی عظمت وشان بڑھائیں گے؟ ہمارے ملک میں جو اس قسم کے مدرسے ہیں آزہر انسے بھی گیا گزرا ہے۔

اس سے زیادہ تر افسوس تعلیم کی ابتری کا ہے یہاں مستقل اور اصلی طور پر صرف فقہ و نحو کی تعلیم ہوتی ہے اور دونوں کیلیے آٹھ آٹھ برس مقرر ہیں۔ منطق۔ فلسفہ۔ ریاضی اور دیگر علوم عقلیہ تو گویا درس میں داخل ہی نہیں۔ اصول فقہ۔ تفسیر۔ حدیث۔ ادب۔ معانی۔ بیان۔ کی تعلیم ہے لیکن اسقدر کم ہے کہ اتنے بڑے دارالعلوم کے کسی طرح شایاں نہیں۔ نحو اور فقہ جس پر ایک عمر صرف کی جاتی ہے اسکی تعلیم بھی محققانہ اور مجتہدانہ نہیں ہوتی کافیہ وغیرہ کی شرحیں۔ شرحوں کے حواشی اور حواشی کے حواشی پڑھائے اور یاد کرائے جاتے ہیں۔ شیخ طبان حال میں ایک بزرگ گزرے ہیں انکی ایک شرح ہے۔ اس شرح کو اس قدر مہتم بالشان سمجھا گیا ہے کہ اسکی شرحیں اور شرحوں کی حاشیے درس میں داخل ہیں۔ اور اس تمام سلسلہ کا ضبط و حفظ کرنا پڑتا ہے الکمال خیال کیا جاتا ہے چونکہ میں نے خود ازہر میں قیام کیا تھا۔ اکثر طلبا سے صحبت رہتی تھی میں انکو نہایت معمولی ناقابل التفات جزئی بحثوں میں مصروف دیکھتا تھا اور افسوس آتا تھا اسی لغو طریقہ تعلیم کا اثر ہے کہ ایک مدت سے ازہر نے کوئی قابل قدر عالم اور مصنف نہیں پیدا کیا میں نے

طلبا سے دریافت کیا کہ شیخ ازہر جو استاد الکل خیال کیئے جاتے ہیں اُنکی کوئی تصنیف بھی ہے اُنھوں نے بڑے فخر سے کہا صبان پر بڑے معرکے کے حاشیہ لکھے ہیں۔

زیادہ افسوس یہ ہے کہ تعلیم کسی اصول پر نہیں ہے نہ صف بندی ہے نہ کوئی خاص نصاب ہے نہ امتحان ہوتا ہے نہ ترقی پانے کیلئے کوئی قاعدہ مقرر ہے افسوس پر افسوس یہ ہے کہ ان ابتریوں کی اصلاح کی کوئی تدبیر نہیں۔ علی پاشا مبارک نے جو ایک زمانے میں سررشتہ تعلیم کا افسر تھا کچھ اصلاح کرنی چاہی تھی اس پر ازہر کے تمام علما اسکے دشمن بنگئے اور چونکہ شیخ ازہر کا اثر طلبا پر منحصر نہیں بلکہ تمام ملک اسکو مذہبی پیشوا تسلیم کرتا ہے اس لیے پاشائے موصوف کو اغماض کرنا پڑا۔ ازہر حقیقت میں ایک ملکی طاقت ہے اور خود سلطنت اسکی مخالفت پر باسانی جرارت نہیں کر سکتی۔

کتب خانہ خدیویہ

یہ نہایت عالیشان کتب خانہ ہے۔ اور ترتیب و خوش اسلوبی ترتیب و زینت حسن انتظام خوبی عمارت میں قسطنطنیہ کے تمام کتب خانوں سے بہتر ہے۔ عمارت نہایت شاندار و وسیع ہے اور مختلف حصوں میں منقسم ہے ایک حصہ سیر و مطالع کے لئے مخصوص ہے اس میں تین بڑے بڑے کمرے ہیں ایک کمرے میں بہت بڑی لمبی میز ہے جسپر رجسٹر اور فہرست کی جلدیں چنی ہیں۔ ایک کمرہ مطالعہ اور ایک نقل و کتابت کے لیے خاص ہے جو شخص کوئی کتاب لینی چاہے افسر کتب خانہ اسکو ایک چھپا ہوا کارڈ دیتا ہے کارڈ میں مفصلہ ذیل عنوان ہوتے ہیں۔ کتاب لینے والے کا نام مع تصریح سکونت و پیشہ ضامن کا نام (اجنبی شخص کو بغیر ضمانت کے کتاب نہیں ملسکتی) کتاب کا نام اور فن اور یہ تصریح کہ کتاب مطالعہ کے لئے لیتا ہے یا نقل کیلئے۔ تعداد ایام۔ یہ کارڈ خانہ پری کے ملازم کتب خانہ کو حوالہ کر دیا جاتا ہے اور تھوڑی دیر کے بعد کتاب مطالعہ یا نقل کرنیکے کمرے میں آجاتی ہے۔ یہ طریقہ اگرچہ حسن انتظام کی دلیل ہے۔ لیکن دقت سے خالی نہیں۔

کتاب دینے کا متعارف طریقہ

کتابیں جہاں رکھی ہیں۔ وہ بالکل جدا گانہ قطعہ ہے جسمیں متعدد کمرے ہیں ایک کمرہ جو نہایت وسیع ہے ہے اُس میں نہایت پر تکلف ترکی قالین بچھا ہے۔ چاروں طرف دیوار سے ملی ہوئی آئینہ دار الماریاں ہیں بیچ میں آئینہ دار میزیں ہیں جنکے اندر قلمی اور نایاب کتابیں کھلی ہوئی رکھی ہیں۔ ان میں ایک قرآن ہے جو ہرن کے چمڑے پر لکھا ہوا ہے اور جسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ امام جعفر صادق ع کے ہاتھ کا

لکھا ہوا ہے اس کے سوا قرآن مجید کے اور نادر نسخے ہیں جو سلاطین مصر نے آٹھویں اور نویں صدی میں وقف کیے تھے۔

یہ کتب خانہ سنہ ۱۲۸۶ھ میں قائم ہوا اُسکی مختصر تاریخ یہ ہے کہ قاہرہ واسکندریہ وغیرہ میں اس سے بہت سی چھوٹے چھوٹے وقفی کتب خانے تھے اور چونکہ انکی حفاظت کا کافی انتظام نہ تھا کتابیں ابتر اور ضائع ہوتی جاتی تھیں۔ اس لحاظ سے علی پاشا ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم کی رپورٹ پر یہ کتبخانہ قائم کیا گیا اور تمام قدیم کتب خانوں کی کتابیں اسمیں داخل کردی گئیں۔ خدیو کے حکم سے علما کی ایک مجلس قائم ہوئی جسکا یہ کام تھا کہ عمدہ اور نادر کتابوں کا پتہ لگائے تاکہ انکی نقلیں لکھوا کر کتب خانہ میں داخل کی جائیں جب کتابوں کا ایک معتدبہ ذخیرہ جمع ہوگیا تو خدیو نے فہرست کی تیاری کا حکم دیا چنانچہ سنہ ۱۳۰۱ھ میں یہ فہرست شروع ہوکر سنہ ۱۳۰۹ھ میں انجام کو پہونچی۔ یہ فہرست آٹھ جلدوں میں ہے اور صرف عربی کتابوں کی ہے۔ ترکی۔ اور فرنچ وانگریزی کتابوں کی جدا فہرستیں ہیں۔

نقشہ ذیل سے عربی کتابوں کے متعلق ایک اجمالی اطلاع حاصل ہوگی۔

نام فن	تعداد کتب	نام فن	تعداد کتب
مصاحف مجید	۱۶۱	حدیث	۱۵۰۳
علم قرارت	۸۵	توحید	۵۶۳
تفسیر	۶۴۷	تصوف	۷۰۵
مواعظ	۳۷۷	الفوائد والادعیۃ	۳۴۶
اصول فقہ	۲۲۵	اداب البحث	۲۰۸
فقہ حنفی	۱۴۵۱	فقہ مالکی	۲۳۷
فقہ شافعی	۵۲۰	فقہ حنبلی	۱۲۶
علم الفرائض	۱۳۸	علم صرف	۲۳۸
نحو	۱۰۲۹	بلاغۃ	۲۸۵
علم الوضع	۱۸	علم اللغۃ	۱۴
عروض والقوافی	۶۸	علم ادب	۱۲۴۹

تاریخ	۱۱۸۴	ریاضی	۱۸۸
علم الہیئۃ	۱۹	علم المیقات	۵۵۴
علم الحرف والاسمار	۱۸۵	الکیمیا والطبیعۃ	۹۸
طب	۴۶۴	منطق	۲۵۶
حکمت وفلسفہ	۱۲۴	فنون متنوعہ	۱۰۹۶

میزان کل ۱۴۷۵۰

میں اس موقع پر بعض نادر اور نایاب کتابوں کے نام درج کرتا ہوں جو اس کتب خانہ میں موجود ہیں ۔

تفسیر ۔ احکام القرآن لابی بکر الجصاص المتوفی سنہ ۳۷۰ھ احکام القرآن العربی احکام القرآن لکیا الہراسی المتوفی سنہ ۵۰۴ھ اعراب القرآن للنحاس النحوی المتوفی سنہ ۳۳۸ھ اعجاز القرآن للباقلانی البحر المحیط لابن حیان الاندلسی ۔ البرہان للشیخ ابی الحسن الاوصدی المتوفی سنہ ۴۳۰ھ فی عشر مجلدات البسیط للواحدی ۔ تنزیہ القرآن للقاضی عبدالجبار المعتزلی ۔ جامع البیان فی تاویل القرآن لمحمد بن جریر الطبری ۲ مجلدات ۔ تفسیر ابن جوزی ۴ مجلدات ۔ تفسیر حافظ عبدالرزاق بن ہمام المتوفی سنہ ۲۱۱ھ غریب القرآن السجستانی المتوفی سنہ ۳۳۰ھ غریب القرآن لامحمد بن الہروی المتوفی سنہ ۴۰۱ھ غریب القرآن لابن نخشخنہ قانون التاویل للقاضی ابی بکر ابن المغربی الاندلسی المتوفی سنہ ۵۴۳ھ الکفیل بمعنے التنزیل للعماد الکلندی قاضی اسکندریہ المتوفی سنہ ۷۱۰ھ ۔

حدیث الاحکام الکبری بعبدالحق الاشبیلی ۔ اختلاف الحدیث للامام الشافعی ۔ آداب للامام الحافظ البیہقی ۔ جامع المسانید والقاب لابن الجوزی ۔ الجوہر النقی ۔ الحاوی فی بیان آثار الطحاوی ۔ سنن کبری بیہقی ۔ شرح معانی الآثار للعینی ۔ مسند امام حنبل ۔ مسند امام راہویہ ۔ مسند حافظ ابی عوانہ ۔ مسند حافظ ابو عبداللہ المزدری ۔ مسند حافظ ابونعیم ۔

تاریخ ۔ احاطہ فی اخبار غرناطہ ۔ اخبار ابی نواس عدد اوراقہا ۱۲۰ ۔ اخبار سیبویہ النحوی اوراقہا ۳۶ الامۃ والسیاسۃ لابن قتیبۃ ۔ اوراق صولی ناقص ۔ تاریخ دمشق لابن عساکر ناقص ۔ تاریخ بغداد خطیب ناقص ۔ تاریخ الحکما لجمال الدین القفطی ۔ طبقات الامم لصاعد الاندلسی ۔ سلم الوصول الی طبقات الفحول لمصنف کشف الظنون ۔ السہم المصیب فی الرد علی الخطیب ۔ طبقات الحفاظ للذہبی ۔ طبقات کبری

سبکی طبقات الشافعیہ۔ طبقات الشعراء لابن قتیبہ۔ طبقات الفقہاء امام ابو اسحٰق شیرازی طبقات ابن سعد تاریخ عینی۔ طبقات حملۃ المذہب لابن الملقن فضائل ابی بکر الصدیق لابن العشاری من اصحاب القرآن الخامس۔ فضائل ابی حنیفۃ النعمان لابن العوام۔ فضائل مصر لابن یوسف الکندی المتوفی سنہ ۳۵۰ھ منقولہ من نسخۃ الاصل المکتبہ لکافور الاخشیدی اللباب فی الانساب لابن الاثیر۔ مناقب الشافعی مختصر المتمنا بلابن الجوزی واختصارہ الیضالہ۔ مسالک الامصار لابن فضل اللہ۔ مناقب الامام الشافعی للرازی۔ مناقب امام احمد حنبل لابن الجوزی۔ سیرۃ الفاروق لابن الجوزی المنتظم لابن الجوزی۔ نہایۃ الارب للنویری ناقص۔

ادب الاشباہ والنظائر۔ البیان والتبیین للجاحظ۔ جمہرۃ اشعار العرب ابن درید حماسۃ البصریین۔ دیوان حافظ ابن حجر۔ دیوان ابن الرومی۔ دیوان ابن المعتز۔ دیوان ابی نواس۔ دیوان الاعشی۔ ذوالرمۃ۔ دیوان قطامی۔ دیوان قیس بن الخطیم۔ دیوان لبید۔ دیوان المتلمس۔ روضۃ البلاغۃ الزاہر للزجاجی۔ شرح ابن جنی علی المتنبی۔ شرح دیوان ابی تمام للصولی المتوفی سنہ ۳۳۵ھ شرح دیوان جران العود للامام السکری المتوفی سنہ ۲۷۵ھ شرح دیوان حطیئہ۔ شرح مرزوقی علی الحماسہ۔ شرح الحماسہ لابی العلاء المعری شرح دیوان حماسہ لابن جنی۔ شرح دیوان خرنق وہی شاعرۃ جاہلیۃ۔ شرح دیوان زہیر بن ابی سلمیٰ للامام ثعلب۔ شرح دیوان زہیر للاعلم الشنتمری۔ شرح دیوان عبید اللہ بن قیس الرقیات للسکری شرح دیوان المنتقب العبدی وہو جاہلی۔ شرح المعلقات لابن النحاس شرح المفضلیات لابن الانباری دیوان سراقہ بن مرداس۔ دیوان شماخ۔ دیوان عمر بن ابی ربیعہ۔ شرح دیوان رؤبہ۔ شرح دیوان العجاج دیوان واوا الدمشقی۔

قدیم یادگاریں اور قابل سیر مقامات

آثار قدیمہ کے لحاظ سے کوئی شہر اس شہر کی ہمسری نہیں کرسکتا۔ سچ یہ ہے کہ یہاں کی ایک ایک ٹھیکری قدامت کی تاریخ ہے۔ سواد شہر کے ویرانوں میں اسوقت تک سیکڑوں خزف ریزے ملتے ہیں جن پر کئی کئی ہزار قبل کے حروف و نقوش کندہ ہیں۔ مجکو اتنا وقت بلکہ سچ یہ ہے کہ اتنی ہمت کہاں تھی کہ تمام قدیم یادگاروں کی سیر کرتا۔ البتہ چند مشہور مقامات دیکھے اور اُن ہی کے حال پر اکتفا کرتا ہوں

اہرام۔ یہ وہ قدیم مینار ہیں جنکی نسبت عام روایت ہے کہ طوفان نوح سے پہلے موجود تھے اور اسقدر

تو قطعی طور سے ثابت ہی کہ یونان کی علمی ترقی سے انکی عمر زیادہ ہی۔ کیونکہ جالینوس نے اپنی تصنیف میں اسکا ذکر کیا ہی۔ یہ مینار نہایت کثرت سے تھے یعنی دو تین میل میں پھیلے ہوئے تھے۔ صلاح الدین کے زمانہ میں اکثر ڈھائے گئے۔ ان میں سے جو باقی رہ گئے ہیں اور جنپر خاص طور سے اہرام کا اطلاق ہوتا ہی وہ تین ہیں۔ جو سب سے بڑا ہی اسکی لمبائی ۴۸۰ فیٹ یعنی قطب صاحب کی لاٹ سے دگنی ہی نیچے کے چبوترہ کا ہر ضلع ۷۶۴ فیٹ مینار کا مکعب ۸ کروڑ نوے لاکھ فیٹ ہی اور وزن ۶۸ لاکھ ۴۰ ہزار ٹن اسکی تعمیر میں ایک لاکھ آدمی بیس برس تک کام کرتے رہے جسمیں ۳۰۔۳۰ فیٹ لمبے اور پانچ پانچ فیٹ چوڑے پتھر کی چٹانیں ہیں۔ اور چوٹی پر جو چھوٹی سے چھوٹی ہیں ۸ فیٹ کی ہیں۔ اسکی شکل یہ ہی۔

ایک نہایت وسیع مربع چبوترہ ہی اُس پر ہر طرف سے کسی قدر سطح چھوڑکر دوسرا چبوترہ ہی اسی طرح چوٹی تک اوپر تلے چبوترے ہیں اور ان چبوتروں کے بتدریج چھوٹے ہوتے جانے سے زینوں کی شکل پیدا ہو گئی ہی۔ تعجب یہ ہی کہ پتھروں کو اس طرح وصل کیا ہی کہ جوڑ یا درز کا معلوم ہونا تو ایک طرف چونہ یا مصالح کا بھی اثر نہیں معلوم ہوتا۔ اسپر استحکام کا یہ حال ہی کہ کئی ہزار برس ہو چکے اور جوڑوں میں بال برابر فصل نہیں پیدا ہوا۔ ان میناروں کو دیکھکر خواہ مخواہ تسلیم کرنا پڑتا ہی کہ جرثقیل کا فن قدیم زمانہ میں موجود تھا۔ کیونکہ اسقدر بڑے بڑے پتھر اتنی بلندی پر جرثقیل کے بغیر چڑھائے نہیں جا سکتے اور اگر اس ایجاد کو زمانہ حال کے ساتھ مخصوص سمجھیں تو جرثقیل سے بھی بڑھکر کسی عجیب صنعت کا اعتراف کرنا پڑیگا۔

ان میناروں میں سے ایک جو سب سے چھوٹا ہی وہ کسی قدر خراب ہو گیا ہی جسکی کیفیت یہ ہی کہ ۵۹۳ھ میں ملک العزیز (پسر سلطان صلاح الدین) نے بعض احمقوں کی ترغیب سے اسکو ڈھانا چاہا۔ چنانچہ دربار کی چند معزز افسر اور بہت سے نقب زن اور سنگتراش اور مزدور اس کام پر مامور ہوئے آٹھ مہینے تک برابر کام جاری رہا اور نہایت سخت کوششیں عمل میں آئیں۔ ہزاروں لاکھوں روپیہ برباد کر دیئے گئے لیکن بجز اس کے کہ اوپر کی استرکاری خراب ہوئی یا کہیں سے ایک آدھ پتھر اکھڑ گیا اور کچھ نتیجہ نہیں ہوا مجبور رہ کر ملک العزیز نے یہ ارادہ چھوڑ دیا۔[1]

ابو الہول

اہرام کے قریب ایک بہت بڑا بت ہی جسکو یہاں کے لوگ ابو الہول کہتے ہیں اس کا سارا دھڑ زمین کے اندر ہی۔ گردن اور سر اور دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں چہرہ پر کسی قسم کا سرخ روغن ملا ہی جسکی

[1] اس واقعہ کو عبد اللطیف بغدادی نے مصر کی تاریخ میں افسوس کے ساتھ درج کیا ہے ۱۲

چاہ یوسف

اب اس وقت تک قائم ہے۔ ان اعضا کی مناسبت سے اندازہ کیا جاتا ہے کہ پورا قد ساٹھ گز سے کم نہ ہوگا۔ باوجود اس غیر معمولی درازی کے تمام اعضا ناک کان وغیرہ اس ترتیب اور مناسبت سے بنائے ہیں کہ اعضا کے باہمی تناسب میں بال برابر کا فرق نہیں۔ عبداللطیف بغدادی سے کسی شخص نے پوچھا کہ آپ نے سب سے عجیب تر کیا چیز دیکھی، اُس نے کہا کہ "ابوالہول کے اعضا کا تناسب کیونکہ عالم قدرت میں جس چیز کا نمونہ موجود نہیں اُس میں ایسا تناسب قائم رکھنا آدمی کا کام نہیں۔

قلعہ۔ یہ قلعہ سلطان صلاح الدین کے عہد کا ہے قلعہ کی اصل عمارت میں نہیں دیکھ سکا البتہ محمد علی پاشا کی مسجد دیکھی بڑی شان و شوکت کی ہے چھت اور دیواروں پر طلائی نقش و نگار ہیں تمام مسجد میں نہایت عمدہ ترکی قالین کا فرش ہے مسجد کے قریب وہ عجیب و غریب کنواں ہے جسکو عوام نے چاہ یوسف اور زندان یوسف مشہور کر رکھا ہے اور لوگ اُسکی زیارت کو جاتے ہیں۔ چونکہ سلطان صلاح الدین کا اصل نام یوسف تھا اس لیے مجاوروں کو عوام کے بہکانے کا اچھا ذریعہ ہاتھ آگیا ہے لطف یہ ہے کہ یہیں ایک قبر بنا رکھی ہے اور اُسکو حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر بتاتے ہیں۔ مجاور صاحب نے مجکو بھی دھوکہ دینا چاہا اور جب میں نے کہا کہ حضرت یوسف یہاں کہاں؟ تو برجستہ فرمایا کہ مجکو سہو ہوا یہ اُس قیدی کی قبر ہے جو حضرت یوسف کیساتھ قید خانہ میں داخل ہوا تھا اور اُسنے خواب کی تعبیر پوچھی تھی۔

یہ کنواں درحقیقت عجیب و غریب اس کے عمق کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ (۳۰۰) سیڑھیاں اُتر کر اسکی جگت ملتی ہے سیڑھیاں بڑی کج و پیچ سے بنائی گئی ہیں اور راستہ اسقدر تاریک ہے کہ بغیر شمع کے کچھ نظر نہیں آسکتا۔ چنانچہ جو لوگ اُسکی سیر کو جاتے ہیں۔ مجاور شمع لیکر اُنکے ساتھ ہوتا ہے۔ جگت پر پہنچکر میں نے کنکری پھینکی۔ تو دیر کے بعد اُسکی آواز آئی جس سے معلوم ہوا کہ پانی بہت فاصلہ پر ہے۔

عجائب خانہ

انٹیک خانہ یعنی عجائب خانہ یہ عجائب خانہ محمد علی پاشا خدیو مصر نے ۱۸۳۵ء میں قائم کیا۔ شہر سے دس بارہ میل کے فاصلہ پر سرکاری باغ ہے جو کئی میل لمبا چوڑا ہے۔ عجائب خانہ اسی میں واقع ہے اس میں بیشمار کمرے ہیں اور نہایت خوبصورتی سے مرتب ہیں۔ یہاں حضرت عیسیٰ سے بہت پہلے کی یادگاریں موجود ہیں۔ تشتریاں۔ پیالے۔ مرتبان۔ اور اس قسم کے سیکڑوں برتن ہیں جو کئی کئی ہزار برس کے ہیں سب سے عجیب و غریب وہ لاشیں ہیں جنپر ہزاروں برس گذر چکے اور ابتک اصلی ہیئت کیساتھ قائم ہیں اُنکو عربی میں مومیائی اور انگریزی میں ممی کہتے ہیں۔ قدیم مصریوں کا دستور تھا کہ لکڑی یا پتھر

قدیم لاشیں

کو گنبذ نما و منقش پر تراش کر اس میں مردوں کی لاشیں رکھتے تھے اور خالی جگہ کو چونہ وغیرہ سے بھر کر اوپر کی سطح پر مُردہ کی تصویر بنا دیتے تھے۔ لاشوں میں ایک خاص قسم کا مصالحہ لگایا جاتا تھا جسکی وجہ سے بدن سڑنے گلنے سے محفوظ رہتا تھا۔ اس قسم کے بہت سے تابوت یہاں موجود ہیں اور ان ہی کو ممیائی یا ممی کہتے ہیں انمیں سے دو یا تین تابوت کھل گئے ہیں یعنی اوپر کا چونہ اور مصالحہ ہٹ گیا ہو اور اسوجہ سے تمام جسم صاف نظر آتا ہو۔ میں نے بہت غور سے ان لاشوں کو دیکھا۔ باوجود ہزاروں برس گذر نیکے جسم پر بوسیدگی کا ذرا بھی اثر نہیں۔ سر کے بال اور ناخن بدستور قائم ہیں انکو دیکھکر دل پر عجیب تاثیر ہوتی ہو اور درحقیقت اسلیے بڑھکر عبرت کا مرقع اور کیا ہوگا۔

زندان یوسف

سجن یوسف یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کا قیدخانہ یہ وہی قیدخانہ ہو جسکا ذکر قرآن مجید میں ہو اور جو حضرت یوسف کے جمال مبارک کیوجہ سے رشک ارم تھا۔ شعر

در چمن بود زلیخا بحسرت مے گفت
باد زنداں کہ درو انجمن آرائے ہست

علامہ مقریزی نے لکھا ہو کہ صحیح روایات اور قرائن سے ثابت ہے کہ حضرت یوسف جس قیدخانہ میں قید ہوئے تھے وہ یہی مقام ہو، مجکو سخت افسوس ہو کہ میں اس عبرت انگیز اور متبرک مقام کی سیر نکر سکا۔ میں نے اس کا تذکرہ صرف اس وجہ سے کردیا ہو کہ ہمارے ہموطنوں میں سے خدا کسی کو یہاں پہونچائے تو میری طرح اس کی زیارت سے محروم نرہے۔

اسلامی قدیمی یادگاریں بھی یہاں کثرت سے ہیں مسجدوں کی تو کچھ انتہا نہیں سیکڑوں بلکہ ہزاروں ہیں ان میں سب سے قدیم جامع عمرو بن العاص ہو جو حضرت فاروق رضی کے عہد خلافت کی یادگار ہو مشہد حسین ع ایک مسجد ہو جسکی نسبت مشہور ہو کہ حضرت امام حسین ع کا سر مبارک اس میں مدفون ہو معلوم نہیں کہ روایت کہاں تک صحیح ہو۔ لیکن یہاں کے عام لوگ اسی بناپر مسجد کا احترام کرتے ہیں۔ حکومت کی طرف سے بھی اس کے لیئے بڑا اہتمام ہے۔ شاندار وسیع اور خوبصورت مسجد ہو اسپر تکلف اور ساز و سامان نے اور بھی اسکی رونق بڑھا دی ہو۔ تمام مسجد میں ٹرکی قالین بچھا ہوا ہو اور غالبا بہت جلد جلد بدلا جاتا ہو۔ کیونکہ میں نے جب دیکھا تو کہنگی اور فرسودگی کا مطلق اثر نہ تھا۔ سب سے زیادہ عجیب غریب مسجد سلطان حسن کی مسجد ہو جو قلعہ کے قریب ہو اس مسجد کی تعمیر میں مسلسل تین برس تک بیس لاکھ درہم (پانچہزار روپے) روزانہ صرف ہوئے سنہ ۷۵۷ھ میں اسکی تعمیر

شروع ہوئی اور [illegible]ھ میں انجام کو پہنچی۔ اسکو مدرسہ سلطان حسن بھی کہتے ہیں کیونکہ اسکے چار طرف بڑے بڑے ایوان ہیں جنمیں ائمہ اربعہ کے فقہا فقہ و حدیث کا درس دیتے ہیں۔ مورخ مقریزی نے لکھا ہے کہ "تمام ممالک اسلام میں کوئی مذہبی عمارت اس کے مثل تعمیر نہیں ہوئی" اگرچہ میں اس دعوی کو تسلیم نہیں کر سکتا لیکن اس میں شبہ نہیں کہ دنیا کی کوئی مسجد اس قدر بلند اور مرتفع نہیں ہے۔ افسوس اور سخت افسوس ہے ایسی عجیب و غریب یادگار بالکل ویران ہو رہی ہے رات کو اس میں چراغ تک نہیں جلتا۔ اور دروازہ ہر وقت بند رہتا ہے میں دروازہ کھلوا کر اندر گیا تو ہر طرف وحشت برستی تھی۔ اسلامی سلطنت میں ایسی عظیم الشان مسجد کی یہہ بے قدری نہایت قابل تعجب ہے۔

مزارات اور مشاہد بھی کثرت سے ہیں اور اُنکے مصارف کے لئے بہت سے اوقاف ہیں۔ حضرت زینبؓ (امام حسین علیہ السلام کی بہن) حضرت کلثومؓ۔ امام شافعیؒ۔ امام لیثؒ کے مقبرے بڑی شان و شکوہ کے ہیں۔ میں نے امام شافعیؒ کے مزار کی زیارت کی اور مزارات کی زیارت کا بھی ارادہ تھا لیکن وہاں پہونچکر جو حالت دیکھی اُس سے طبیعت کو وحشت ہوئی اور متاسف ہو کر واپس آیا۔ مصر والوں نے ہفتہ کے خاص خاص دن قرار دے رکھے ہیں جن میں اُنکے اعتقاد کیموافق حضرت زینبؓ و امام شافعیؒ وغیرہ کی روحیں عالم بالا سے اپنے مزارات کی طرف متوجہ ہوتی ہیں ان خاص دنوں کو حضرۃ کہتے ہیں اور جسکے حضرت کا جو دن ہوتا ہے اُس دن اُنکے مزار پر بڑی بھیڑ ہوتی ہے۔ کثرت سے لوگ زیارت کو آتے ہیں اور قبر کو بوسہ دیکر اپنی حاجتیں اور مرادیں مانگتے ہیں۔ اُس وقت لوگوں کی جو حالت ہوتی ہے اسمیں اور شرک و بت پرستی میں اگر کچھ فرق ہے تو ایسا دقیق ہے کہ مجھ جیسے ظاہر بیں کو نظر نہیں آ سکتا تھا۔ مجکو ہندوستان ہی کی قبر پرستی کا رونا تھا۔ لیکن مصر پہونچکر تمام اسلامی دنیا کی نسبت یہ شعر یاد آیا ؎

ز پائے تا بسرش ہر کجا کہ مے نگرم کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجا ست

قدیم زمانے کے مدرسے جنکا اجمالی ذکر مینے گزشتہ تعلیم میں کیا ہے اب بھی موجود ہیں لیکن ویران ہوتے جاتے ہیں۔ راہ چلتے چلتے اتفاق سے ایک مدرسہ میں میرا گزر ہوا اگرچہ وہ ایک محض معمولی مدرسہ تھا لیکن عمارت خوشنما اور بہت اونچی تھی۔ چاروں طرف طالبعلموں کے رہنے کے کمرے بیچ میں وسیع صحن صحن میں دو ایک کیاریاں اور کھجور کے چند درخت ہیں۔ غرض اُسکی حالت سے اندازہ ہوتا تھا کہ چھوٹے سے مدرسہ کا ویران ہونے پر یہ حال ہے تو بڑے بڑے مدرسے زیادہ پریشان موزوں اور خوبصورت رہے ہونگے۔

المطابع

مطابع اور اخبارات

چونکہ مصر کی مطبوعہ کتابیں تمام ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہیں اور عربی کتابوں کے چھاپنے اور پھیلانے میں مصر نے عام ناموری حاصل کی ہو اس لیے ان مطبعوں اور یہاں کے کتب فروشوں کا مختصر تذکرہ بھی ضروری ہے

مطابع یہاں کثرت سے ہیں اور بعض بعض قابل تعریف ہیں۔ بالخصوص بلاق کا سرکاری مطبع عظیم الشان مطبع ہو اور صحت وصفائی وخوبی کاغذ وعمدگی مطبع کے لحاظ سے اپنا آپ نظیر ہے۔ یہ مطبع ۱۸۲۲ء میں محمد علی پاشا کے حکم سے قائم ہوا اور اُسوقت اسمیں چارسو آدمی کام کرتے تھے۔ اب بھی نہایت رونق پر ہو لیکن افسوس اور سخت افسوس ہو کہ ملک کے مذاق کے خراب ہوجانیکی وجہ سے عمدہ اور نادر المضمون کتابیں کم چھپتی ہیں۔ کتب خانہ خدیویہ میں جو نایاب قلمی کتابیں موجود ہیں انمیں سے اگر سو دو سو کتابیں بھی چھاپ دیجائیں تو دنیا معلومات مفیدہ سے مالا مال ہوجائے میں نے بعض روشن ضمیر مطبع والوں سے اس باب میں گفتگو کی۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ اس قسم کی کتابیں عام پسند نہیں۔ عام پسند کتابیں البتہ بار بار چھپتی ہیں اور بک جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر انھوں نے کہا کہ کتاب الخراج قاضی ابو یوسف جو آٹھ برس سے پہلے چھپتی تھی اسکی جلدیں آجتک نہیں نکلیں۔ افسوس اور شرم کی بات ہو کہ کتب خانہ خدیو کی نادر کتابیں یورپ جاکر چھپتی ہیں اور وہاں سے شائع ہوتی ہیں۔ سید عبد الواحد طوبی ایک مشہور تاجر ہیں۔ یورپ والوں نے اُنسے معاملہ کہر رکھا ہو وہ اُنکے حسب فرمائش کتابوں کی نقل لکھواکر یورپ کو بھیجتے ہیں۔ چنانچہ سید عبد الواحد نے مجکو تین چار کتابوں کے قلمی اجزاء دکھلائے جو اُنھوں نے یورپ بھیجنے کے لیے نقل کرائے تھے۔

البتہ مصر کا یہ احسان ہو کہ کتابیں نہایت ارزاں ہیں جنکی وجہ سے انکا نفع بہت عام ہو میں نے بہت سی کتابیں خریدیں جو نولکشوری مطبوعات سے بھی کم قیمت تھیں جن لوگوں کو مصر کی کتابیں مطلوب ہوں اُنکو چاہیئے کہ براہ راست مصر سے منگوائیں بمبئی سے نہ منگوائیں جہاں کے تاجر چوگنے نفع پر بھی قناعت نہیں کرتے۔ مصر کی کتابوں کے لیئے سید عبد الواحد طوبی سے خط وکتابت کریں۔ اُنکا پتہ یہ ہو مصر۔ قاہرہ۔ قریب الجامع الازہر روپے منی آرڈر کے ذریعہ سے بے تکلف بھیجے جاسکتے ہیں۔

اخبارات جو عربی زبان میں نکلتے ہیں تیس سے اوپر ہیں ان میں المؤید۔ المقطم۔ التقدم۔ الاہرام زیادہ نامآور ہیں۔ انکے علاوہ ۲۵۔۳۰ اخبارات اور رسالے فرنچ اور انگریزی زبان میں

نکلتے ہیں۔

انگریزی گورنمنٹ کی بدولت یہاں کے اخباروں کو آزادی حاصل ہو اسلیے یہ اخبارات ہر قسم کے معاملات پر نہایت آزادی سے لکھتے ہیں اور خوب لکھتے ہیں۔ چونکہ عربی زبان میں پالٹیکس پر بہت کم کتابیں لکھی گئی ہیں، اور ہمارے ہندوستان کے علمار اس قسم کے مضامین پر چار سطریں بھی نہیں لکھ سکتے اس لیے بعض بزرگوں کا خیال تھا کہ پالٹیکس کے خیالات اِس زبان میں پوری طرح ادا ہی نہیں ہوسکتے لیکن مصر کے اخبارات نے اس خیال کو قطعًا باطل کردیا ہو۔

ماہوار رسالے بھی متعدد ہیں اور بعض بعض بڑی بڑی قابلیت سے شائع ہوتے ہیں ان میں سے **مقتطف** اور **الہلال** زیادہ کامیاب ہیں۔ الہلال ہماری **نجمۃ الادب**[ا] میں آتا ہو۔ آٹھ روپیہ سالانہ قیمت ہی میں سفارش کرتا ہوں کہ ارباب ذوق بھی اسکی خریداری فرمائیں اور فائدہ اُٹھائیں۔

تھیٹر

تھیٹر یہاں دو تین ہیں۔ ایک سرکاری ہو جو خدیو اسمٰعیل پاشا کے عہد میں تعمیر ہوا تھا یہ بڑے تکلف اور شان و شوکت کا ہو۔ لیکن اس زمانہ میں بند تھا۔ اسلیے میں اسکی سیر نہ کرسکا۔ ایک اور تھیٹر ہو جو کسی عیسائی کمپنی کا ہے۔ میں نے ایک دفعہ اسکی سیر کی بردی اور ساز و سامان اچھے ہیں۔ تماشا یہ تھا کہ میوبیا دیا یونان (مقام یاد نہیں) کی ملکہ اور قیصر روم میں حدود مملکت کے متعلق جھگڑا ہے قیصر نے ملکہ سے بعض نئے ممالک طلب کیے۔ ملکہ نے انکار کیا۔ اس پر دو تین بار ردوبدل ہوئی یہاں تک کہ جنگ چھڑ گئی اور بڑا معرکہ ہوا عورت جو ملکہ بنی تھی اُس کا لباس بالکل یورپین تھا۔ کمر میں ننگی تلوار تھی اور نہایت زیب دیتی تھی۔ ایکٹ بھی اُسنے خوب ادا کیا تھا۔ قاصد سے قیصر کا پیغام سنکر اُس کا تڑپ کر اُٹھنا۔ تلوار کو جنبش دینا اور پُر غیظ لہجہ میں یہ الفاظ کہنے کیف نرضی بھذا الذلی والھوان ساتھ ہی عرب جاہلیۃ کے چند فخر آمیز اشعار کا پڑھنا واقعی عجیب اثر پیدا کرتا تھا۔ اشعار اُسنے گائے نہیں تھے بلکہ غیظ اور رادغا کے لہجہ میں ادا کیے تھے۔ لڑائی کے وقت دونوں فوجیں ہاتھوں میں تلواریں لیکر دست بدست لڑیں تلواروں کے وار صاف نظر آتے تھے اور جو لوگ زخمی ہو ہو کر گرتے تھے اُن کی لڑکھڑاہٹ

[ا] یہ ایک انجمن ہو جو ہمارے مدرسۃ العلوم میں ڈیڑھ سال سے قائم ہو۔ ہر مہینے میں اسکے تین اجلاس بحث طلب مضامین پر ہوتے ہیں اور بعض قدر تقریریں اور مضامین کیجاتی ہیں بلکہ اسکی تمام کارروائی عربی زبان میں ہوتی ہو شاید تمام ہندوستان میں یہ پہلی مجلس ہے ہمارے قدیم مدارس عربیہ کو اس انجمن کی تقلید کرنی چاہیے

اور بے اختیار زمین پر گرنے سے معلوم ہوتا تھا کہ واقعی زخمی ہوکر گرتے ہیں سب سے زیادہ مجکو جو چیز پسند آئی وہ یہ تھی کہ اخیر میں سب نے خدیو کی سلامتی کا گیت گایا پورا گیت یاد نہیں مگر یہ الفاظ ضرور تھے الجیش نصر والنفع عم من الحدیوی المحترم اسیطرح اور متعدد ہم قافیہ ضرور تھے ہر ہر فقرہ آواز کا چڑہاؤ اتار۔ عربی لہجہ کیساتھ نغمہ طرازی۔ اصول موسیقی کا لحاظ اور سب سے بڑھکر یہ خیال کہ اس جوش سے خدیو کی سلامتی کا راگ گانے والے سب عیسائی ہیں میرے دلپر عجیب اثر کرتا تھا۔

تھیٹر ہندوستان کا ہو خواہ عرب اور مصر کا۔ میرے نزدیک اسکی شرکت وقار و شایستگی کے خلاف ہے لیکن اسلامی سلطنت کی ہر چیز عزیز معلوم ہوتی ہے۔ شعر

اُس نقش پا کے سجدہ نے کیا کیا ذلیل   میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

کلب و انجمنیں

انجمنیں یہاں کثرت سے ہیں اور اُنکے مختلف مقاصد ہیں۔ خیراتی ہیں جنکا مقصد غریبوں کی امداد و اعانت ہے لیکن تعجب ہے کہ انمیں ایک بھی مسلمانوں کی نہیں علمی انجمنیں بھی متعدد ہیں جن میں جمیعتہ العلمار المصریہ جو ۱۸۵۹ء میں قائم ہوئی اور المجمع العلمی الجغرافی جسکو خدیو اسمعیل پاشا نے ۱۸۷۵ء میں قائم کیا[1] زیادہ نامور اور فائدہ رسان ہیں ڈیبٹنگ کلب یعنی مناظرہ کی مجلسیں نہایت کثرت سے ہیں اور انکی وجہ سے مصریوں نے لکچر و اسپیچ کے فن میں بہت ترقی کی ہے ایک مجلس میں میں خود شریک ہوا صدر کی جانب ایک بلند چبوترہ تھا جسپر صدر انجمن اور سکرٹری کی کرسیاں بچھی تھیں۔ عام حاضرین بنچوں پر تشریف فرماتے تھے۔ میرے سامنے چار پانچ شخصوں کی لکچر کی انکی تقریریں ایسی برجستہ پر زور اور فصیح تھیں کہ مجھپر ایک حیرت سی طاری تھی۔ تعجب یہ ہے کہ مصریوں کی عام بول چال نحو کے لحاظ سے محض غلط بلکہ بے معنی ہوتی ہے لیکن اس قسم کے موقعوں پر نہایت شستہ عربی بولتے ہیں اور تکلف و آورد کا نام نہیں ہوتا۔ اس قسم کی مجلسوں اور اخبارات کی آزادی کی وجہ سے مصریوں میں جو عام زندہ دلی۔ آزادی خیالات جرأت اور حوصلہ مندی پیدا ہوگئی ہے ٹرکی ممالک بلکہ کل موجودہ اسلامی حکومتوں میں اس کا پرتو تک نہیں

[1] اس انجمن نے جغرافیہ کے متعلق نہایت نادر تحقیقات اور معلومات فراہم کیں جو مستقل رسالہ کی صورت میں چھپکر شائع ہوئی ہیں اس انجمن کا ایک خاص مکان اور کتب خانہ اور دیگر لوازمات ہیں۔ ۱۲

مولد نبوی

مصر والوں کو حقیقت میں اس بات پر ناز کرنا چاہیئے کہ مولد کے اصل معنی اگر سمجھے تو انہیں نے سمجھے
یہاں مولد کا طریقہ یہ ہے کہ شہر سے باہر ایک وسیع خطۂ زمین ہے جسکو ایک معزز خاتون نے اسی کیواسطے وقف
کردیا ہے اس میدان میں تین طرف نہایت ترتیب اور سلیقہ سے خیمے اور شامیانے نصب ہوتے ہیں اور بیچ کی زمین
بطور صحن کے چھوڑ دیجاتی ہے صحن بالکل دائرہ کی ہیئت میں ہوتا ہے اور اس کے ہر چہار طرف سرخ جھنڈیاں
کھڑی کیجاتی ہیں خیمے اور شامیانے چونکہ عموماً پاشاؤں اور امرار کے ہوتے ہیں نہایت تکلف اور نفاست
سے آراستہ کئے جاتے ہیں ہر پاشا اور امیر اپنا خیمہ جداگانہ طرز سے آراستہ کرتا ہے۔ جھاڑ فانوس کی روشنی
ہوتی ہے اور اکثرت سے ہوتی ہے ہر خیمہ میں شربت یا چائے یا اور کوئی اس قسم کی چیز ہر وقت مہیا رہتی ہے
جسوقت کوئی شخص اگرچہ وہ عام تماشائی ہو خیمہ میں داخل ہوتا ہے فوراً چائے یا شربت سے اسکی تواضع کیجاتی ہے
خدیو کا خیمہ جس میں انکی طرف سے انکا نائب شریک ہوتا ہے سرخ ہوتا ہے اور نہایت پُرشان اور پر
رونق ہوتا ہے۔ ہر خیمہ میں خاص خاص گروہ کے فقرا اور صوفیہ جمع ہوتے ہیں اور اپنے اپنے طریقہ کیموافق
ذکر کرتے ہیں۔ ذکر کا طریقہ ہندوستان کے فقرا سے بالکل جدا ہے سب لوگ حلقہ باندھ کر کھڑے ہوتے
ہیں اور ذکر کے خاص الفاظ ایک ساتھ بلند آواز سے کہے جاتے ہیں۔ ان الفاظ کے ساتھ رکوع کے
قریب جھک کر کمر اور گردن کو عجیب طور پر حرکت دیتے ہیں اگر کوئی شخص دور سے دیکھے تو اسکو ورزش کا
دھوکا ہو درویشان رقاص کا طریقہ اور بھی عجیب ہے اور سچ یہ ہے کہ فقر و تصوف کی تضحیک و توہین ہے ان لوگوں کا
لباس ایک خاص وضع کا ہوتا ہے پوری ہیئت تو خیال میں نہیں لیکن اس قدر یاد ہے کہ نیچا جامہ اور کمر میں
سبز پٹکا ہوتا ہے۔ یہ لوگ صف باندھ کر بیٹھتے ہیں اور ان میں جو شخص ذکر کرنا چاہتا ہے وہ وسط محفل میں
جاکر ناچنا شروع کرتا ہے لوگوں کا بیان ہے کہ ناچ کے تمام اصول ادا کئے جاتے ہیں۔ لیکن میں نے جو دیکھا
اسی قدر تھا کہ وہ شخص ایک جگہ کھڑا ہو کر پھرکی کی طرح چکر لگاتا تھا۔ قریباً ایک گھنٹہ تک اسی طرح ناچتا
رہا لیکن ہاتھ یا کسی اور عضو کو حرکت نہیں ہوتی تھی ایک اور گروہ تھا جس کا طریقہ کسی قدر اس سے مختلف
تھا ان لوگوں کے جامے اونچے اور زیادہ گھیر دار تھے۔ قریباً جس طرح گھاگرہ والی پلٹن ناچنے کیوقت
یہ لوگ دونوں ہاتھ پھیلا کر ناچتے تھے۔

مجکو سخت افسوس ہوا کہ اس بیہودہ طریقہ کو یہ لوگ عبادت سمجھتے ہیں اور بہت سے لوگوں کا اعتقاد

ہے کہ یہ لوگ غوث، قطب - ابدال - اوتاد کے رتبہ تک ترقی کرتے ہیں ع للناس فیما یعشقون مذاہب
درویشان رقاص کا ذکر ضمناً آگیا تھا اب میں اصل واقعہ یعنی مولد کی کیفیت کی طرف رجوع کرتا ہوں
پہلی تاریخ سے یہ اجماع شروع ہوتا ہے اور روز بروز بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ بارھویں کی شب کو اسقدر ہجوم
ہوتا ہے کہ کشمکش سے جگہ نہیں ملتی صبح کو سب لوگ خصوصاً نائب الحکومت - قاضی - مفتی - شیخ الازہر
مشہد حسین میں جمع ہوتے ہیں - اور ایک عالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے حالات
پڑھتا ہے ولادت کے ذکر کے وقت معمول کے موافق قیام ہوتا ہے اور تھوڑی دیر کے بعد مجلس ختم
ہو جاتی ہے جسکے ساتھ مولد کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے -

مولد کا یہ طریقہ اس لحاظ سے مجکو بہت پسند آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت پر
جس جوش اور مسرت کا اظہار ہونا چاہیے وہ اسی طریقہ سے ہونا چاہیے چھوٹی چھوٹی مجلسوں میں یہ
اجماع - شان و شوکت - سروسامان کہاں ؟ لیکن دو تین باتیں قابل اعتراض ہیں اول یہ گیارھویں
اور بارھویں کو آتشبازی ہوتی ہے اور یہ امر ایسی مقدس رسم کے شایاں نہیں دوسری یہ کہ لوگوں کا اجماع
دیکھکر اسی مجمع کے قریب سڑکوں پر تھیٹر وغیرہ قایم ہو جاتے ہیں حکومت کو چاہیے کہ انکو قطعاً روک دے

اہل کمال اور مفید تصنیفات

اہل کمال

قسطنطنیہ کیطرح یہاں بھی علما اور مصنفین کے دو گروہ ہیں اور دونوں کا مذاق بالکل الگ الگ ہے
ازہر کے شیوخ اور تلامذہ میں سے بعض بعض اپنے فن یعنی نحو و فقہ میں کامل خیال کیے جاتے ہیں لیکن انکو
کمال کا تمام تر مدار صرف جزئیات کے حفظ پر ہے جس میں تحقیق و اجتہاد کا شایبہ نہیں خود شیخ ازہر
جنکو امام الفن کہا جاتا ہے کسی فن میں انکی کوئی محققانہ تصنیف نہیں نئی تعلیم نے بھی اگرچہ ابتک
کوئی بڑا صاحب کمال نہیں پیدا کیا لیکن اُس میں تحقیق و اجتہاد کی جھلک پائی جاتی ہے اور تصنیفات
میں یورپ کا انداز ہے میں ان دونوں گروہوں میں سے بعض مشاہیر کا حال لکھتا ہوں -

علی پاشا مبارک

علی پاشا مبارک

مصر کے سررشتہ تعلیم میں جو کچھ اصلاح و ترقی ہوئی ہے انہیں کی بدولت ہوئی ہے سولہ برس کی
عمر تھی کہ سنہ ۱۲۵۵ ہجری میں مدرسہ مہندس خانہ میں داخل ہوئے سنہ ۱۲۶۰ ہجری میں محمد علی پاشا کے
بیٹوں کے ساتھ فرانس کا سفر کیا اور کئی برس وہاں رہکر متعدد ڈگریاں حاصل کیں سنہ ۱۲۶۶ھ میں انکو

دفتر مدارس اور نظارت اوقاف کی خدمت سپرد ہوئی اسی زمانہ میں اُنھوں نے بہت سے علمی کام کئے خانگی مکاتب کی اصلاح کی۔ اضلاع میں صدر مدارس قائم کیے۔ دار العلوم کی بنیاد ڈالی۔ کتب خانہ خدیو قائم کیا سنہ ۱۲۸۵ھ میں ڈاکٹر تعلیم مقرر ہوئے اور تعلیم کو نہایت ترقی دی۔ خود بھی صاحب تصنیف و تالیف ہیں۔ مقریزی کے خطط و آثار کا نہایت عمدہ تکملہ لکھا ہے۔ شہنشاہ فرانس اور شاہ اسٹریا نے انکو اعزاز کے تمغے بھیجے۔ میں اُنکی ملاقات کا بہت شائق تھا لیکن بد قسمتی سے اس زمانہ میں خدیو کے ساتھ اسکندریہ چلے گئے تھے۔ تین چار مہینے ہوئے اُنھوں نے انتقال کیا اُنکے جنازے میں تمام اعیان سلطنت شریک تھے۔ حال میں اُن کی سوانح عمری لکھی گئی اور شائع ہوئی ہے۔

ابراہیم علی پاشا

علی پاشا ابراہیم

یہ نہایت روشن ضمیر تعلیم یافتہ شخص ہے سنہ ۱۲۶۱ھ میں تعلیم کی غرض سے فرانس گیا اور پانچ برس رہ کر اعلیٰ درجہ کی ڈگری حاصل کی سنہ ۱۲۹۲ھ میں ڈائرکٹر تعلیم مقرر ہوا معلمین کے مدارس اول اسی نے قائم کیے سلطنت فرانس نے اسکو پروفیسر کے درجہ کا تمغہ بھیجا جو مشہور اہل کمال کے سوا کسی کو نہیں دیا جاتا۔

امین بک فکری

امین بک فکری

ہائی کورٹ کے جج ہیں۔ فرانس میں تعلیم پائی ہے۔ سویڈن میں جو اورینٹل کانفرنس منعقد ہوئی تھی اُس میں سلطنت مصر کیطرف سے وکیل مقرر ہو کر گئے تھے۔ چنانچہ حالات سفر میں ایک کتاب لکھی ہے جسکے دیکھنے سے اُنکی قوت تحریر کا اندازہ ہوتا ہے اس کتاب کی قیمت آٹھ روپیہ ہے اور واقعی قابل سیر کتاب ہے

احمد زنگی

احمد زنگی

محکمہ ترجمہ کے سکرٹری ہیں۔ فرنچ نہایت عمدہ جانتے ہیں۔ غلامی کے مسئلہ پر ایک رسالہ فرنچ میں لکھا تھا جو نہایت مقبول ہوا اور فرانس کے مشہور اخبارات اور ارباب تصنیف نے اسپر آرٹکل اور ریویو وغیرہ لکھے عربی میں ترجمہ ہو کر چھپا ہے جسکا نام الرق فی الاسلام ہے انکی اور بھی مفید تصنیفات ہیں لندن میں جو اخیر اورینٹل کانفرنس منعقد ہوئی تھی اس میں یہ وکیل مقرر ہو کر گئے تھے۔

شیخ محمد عبدہ

شیخ محمد عبدہ

پرانے تعلیم یافتہ ہیں۔ فن ادب میں تمام مصر و شام انکو استاد الفن تسلیم کرتا ہے۔ مقامات بدیع کی شرح نہایت قابلیت سے لکھی ہے۔ روشن ضمیری کیساتھ نئے مذاق سے آشنا ہیں جس کا سبب

سید جمال الدین افغانی کا فیض صحبت ہی۔ سید موصوف کے ایک رسالہ عربی میں ترجمہ کیا ہی اور اس کے دیباچہ میں مختصر طور پر انکی سوانح عمری لکھی ہی اُسکے بعض فقرے اس مقام پر لکھتا ہوں جس سے شیخ موصوف کی مہارت فن اور زور تحریر کا اندازہ ہوگا۔ ہمارے ملک میں جو لوگ فن ادب کو لئے بیٹھے ہیں۔ انکو اس طرز کی تقلید کرنی چاہیئے اور واقعات نگاری کا یہ اسلوب اختیار کرنا چاہیے جہاں سید موصوف (جمال الدین افغانی) کے حلیہ اور اخلاق و اوصاف کا ذکر آگیا ہی وہاں لکھا ہی۔

اما خلقه فيمثل الناظر عربيا محضا۔ ربعة في طوله و سطة في بنيته۔ قمحي في لونه عصبي دموي في مزاجه عظيم الراس في اعتدال۔ عريض الجبهة في تناسب واسع العينين ضخم الوجنات رحب الصدر۔ هش بش عند اللقاء اما اخلاقه فلازمة القلب سايدة في صفاته وله حلم عظيم سبيع ما شاء الله ان يسع الى ان يدنو نمسة احد ليمس شرفه او دينه فلينقلب الحلم الى غضب فبينما هو حليم اواب اذا هو سد وهاب وهو كريم يبذل ما بيده قوي الاعتماد على الله لا يبالي ما تاتي به صروف الدهر۔ سهل لمن لاينه صعب على من خاشنه وله سلطة على دقائق المعاني وتجديدها وابرازها في صورتها اللايقة لها كان كل معنى قد خلق له كل موضوع يلقي اليه يدخل للبحث فيه كانه صنع يديه فياتي على اطرافه ويحيط بجميع اكنافه۔

میں اُن سے ملا تھا۔ دیر تک لطف کی صحبت رہی ازہر کی ابتری تعلیم پر افسوس کرتے تھے لیکن اُس کے ساتھ نئی تعلیم کے بھی سخت شاکی تھے اور کہتے تھے کہ ہو الاہل سبیلا۔ افسوس ہی کہ گورنمنٹ مصر نے انکو عہدہ قضا پر مامور کیا ہی۔ وہ سر رشتہ تعلیم کے لیے زیادہ موزوں تھے چنانچہ خود بھی اس کا افسوس کرتے تھے

شیخ حمزہ فتح اللہ

شیخ حمزہ فتح اللہ

پرانے تعلیم یافتہ اور پرانے خیالات کے آدمی ہیں۔ فن ادب کے بڑے اُستاد ہیں دار العلوم میں ادب کا جو نصاب پڑھایا جاتا ہی انہیں کا انتخاب ہی۔ سر رشتہ تعلیم کے انسپکٹر ہیں۔ سویڈن کی اورینٹل کانفرنس میں مصری سفارت کیساتھ ممبر مقرر ہو کر گئے تھے۔ اور کانفرنس میں عورتوں کے حقوق کے متعلق ایک رسالہ پیش کیا تھا جس کا نام حقوق النساء فی الاسلام ہی یہ رسالہ سرکاری مطبع میں

چھاپا گیا ہے۔ اگرچہ اصل موضوع پر بہت کم لکھا ہے اور جس قدر لکھا ہے وہ بھی مولویانہ لکھا ہے تاہم عبارت نہایت استادانہ بلند اور پُر زور ہے۔

مجھسے ان سے نظارۃ المعارف کے دفتر میں ملاقات ہوئی دیر تک علمی تذکرہ رہے۔ رسالہ مذکورہ کی پانچ جلدیں تحفہ کے طور پر عنایت کیں۔ کچہری سے اُٹھکر اپنے مکان پر لیگئے۔ اور اصرار کرکے کھانا کھلایا۔ کھانا نہایت سادہ یعنی خشک روٹی اور کھجوریں تھیں چونکہ وہ عربی زبان کے اُستاد ہیں۔ اور عرب کیساتھ انکو خاص محبت اور لگاؤ ہے۔ اُنکا سادہ عربی کھانا ایک اثر پیدا کرتا تھا۔

لطیفہ۔ میں اور شیخ موصوف کھانا کھا رہے تھے کہ قریب سے ہنہوں ہنہوں کی آواز آئی۔ میں حیران تھا کہ یہ انکر الاصوات کہاں سے آتی ہے۔ دیکھا تو ایک حجرے میں گدھا بندھا ہے معلوم ہوا کہ یہاں گھر میں گدھا باندھنا معیوب نہیں۔ اگرچہ میں بازار میں اکثر لوگوں کو حتی کہ انگریزوں کو گدھے پر سوار پھرتے دیکھ چکا تھا بلکہ خود بھی دو ایک بار یہ شرف حاصل کرچکا تھا تاہم مجکو یہ توقع نہ تھی کہ بھلے آدمیوں کے یہاں گھوڑوں کی طرح گدھوں کا بھی اصطبل خانہ ہوتا ہے۔

سفر کا خاتمہ اور عربوں کے فیاضانہ اخلاق

مصر کی روانگی کیساتھ گویا میرے سفر کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ کیونکہ اسکے بعد نہ کوئی نئی آبادی دیکھی نہ کوئی جدید واقعہ پیش آیا۔ میں نے سفر کا تمام زمانہ (خلاف توقع) نہایت لطف۔ آرام۔ دلچسپی اور اطمینان کے ساتھ بسر کیا۔ لیکن اس موقع پر یہ بتانا میرا فرض ہے کہ یہ لطف و آرام مجکو کیوں نصیب ہوا؟ اور کن لوگوں کی وجہ سے ہوا؟ ان سوالوں کا صرف ایک جواب ہے یعنی عربوں[1] اور ترکوں کے فیاضانہ اخلاق حقیقت یہ ہے کہ اگر عربوں کی کرم الاخلاقی سے مجکو سابقہ نہ پڑتا تو سفر کی دلچسپیوں کا کیا ذکر ہے زندگی دوبھر ہو جاتی یہ ظاہر ہے کہ کسی شہر میں جاکر رہنا۔ کھانا پینا۔ ملنا جلنا۔ خرید فروخت سیر تماشا۔ حالات کی تحقیق و جستجو۔ دریافت طلب امور کی تلاش۔ غرض تمام باتیں زبان کے جاننے پر موقوف ہیں۔ اور میں ترکی زبان سے بالکل ناواقف عربی زبان جسقدر جانتا تھا وہ بھی بیکار یا قریب بیکار تھی۔ اس قدر دولتمند بھی نہ تھا کہ بے دریغ روپیہ کے صرف سے اس کمی کا تدارک

[1] شام و مصر کے اکثر مسلمان عرب کی نسل سے ہیں اس وجہ سے میں تمام شامیوں اور مصریوں کو بلحاظ اختصار عرب سے تعبیر کرتا ہوں ۱۲

عربوں کے فیاضانہ اخلاق

کر سکتا۔ ایسی حالت میں چھ مہینے کا زمانہ اس لطف و آرام سے بسر کرنا کہ گویا میں وطن ہی میں تھا۔ صرف ترکوں اور خاصکر عربوں کی عنایت تھی۔ ترجمانی یہ کرتے تھے۔ بازار سے چیزیں یہ لا دیا کرتے تھے لوگوں سے تعارف یہ کراتے تھے۔ قابل سیر مقامات میں رہبر یہ بنتے تھے دل لگی کی صحبتوں میں شریک یہ ہوتے تھے۔ غرض کوئی ایسا کام اور ایسی ضرورت نہ تھی جسکے یہ کفیل نہ تھے۔ اور لطف یہ کہ بے غرض بے سبب۔ صرف مہمان پرستی اور غریب نوازی کے لحاظ سے۔ تمام وہ جزئی واقعات جنمیں مجکو ان لوگوں کے فیاضانہ اخلاق کا تجربہ ہوا اُنکا بیان کرنا ممکن ہے۔ نمونہ کے طور پر دو تین واقعے لکھتا ہوں شیخ عبد الفتاح شیخ علی ظبیان۔ خوجی آفندی۔ عبد الباسط آفندی۔ شیخ عبد الحلیم آفندی۔ عبد السلام آفندی کی فیاضیوں کے واقعات جنکو میں پہلے لکھ آیا ہوں اس موقع پر ایک بار پڑھ لینا چاہیے۔

جس زمانہ میں قسطنطنیہ میں مقیم تھا عبد السلام آفندی کے برادر عم زاد شاکر آفندی مقدمہ کی ضرورت سے قسطنطنیہ میں آئے عبد السلام آفندی نے انکو اپنے پاس ٹھیرانا چاہا لیکن اُنکے کمرہ میں جگہ نہ تھی مجھسے کہا تم اپنے پاس ٹھیرالو۔ میں نے اُنکی خاطر سے گوارا کیا۔ میری روانگی کا زمانہ قریب آیا تو اُنہوں نے کہا میں بھی آمادہ سفر ہوں۔ ساتھ ہوتا تو خوب تھا لیکن اسوقت میرے پاس روپے نہیں گھر سے کچھ روپے منگائے ہیں۔ اُنکے آنیکا انتظار ہے۔ چونکہ وہ خاص بیت المقدس کے رہنے والے تھے مجکو خیال ہوا کہ اُنکی وجہ سے آسائش و آرام کے علاوہ بیت المقدس میں مجکو ہر ایک چیز کی تحقیق و اطلاع میں بہت مدد ملیگی۔ میں نے اُنسے کہا کہ روپے مجھسے لے لیجئے۔ وہاں چل کر ادا کر دیجیئےگا اُنھوں نے انکار کیا اور باوجود اصرار کے کسی طرح رضامند نہ ہوتے تھے۔ لیکن میں نے اسقدر مجبور کیا کہ وہ انکار نہ کر سکے۔ اور میں نے اُسیوقت ۸۰ روپے انکو حوالہ کئے۔ عبد السلام آفندی اسوقت مکان پر نہ تھے۔ شام کو باہر سے آئے تو بات بات میں یہ تذکرہ آیا۔ اُنھوں نے یہ واقعہ سنکر سر پیٹ لیا اور نہایت پریشان ہوئے اور بار بار کہتے تھے کہ شو فعلت شو فعلت یعنی تم نے یہ کیا غضب کیا شاکر گو میرا بھائی ہے لیکن نہایت آوارہ ہے اور اُسی نے تم سے فریب دیکر روپے لئے۔ لطف یہ کہ روپے تو میرے معرض خطر میں تھے لیکن عبد السلام آفندی کو مجھ سے بڑھکر اضطراب تھا۔ شاکر آفندی گھر میں آئے تو عبد السلام آفندی نے انکو سخت ملامت کی اور اُن سے دستاویز لکھوا کر اُسپر اپنی اور ایک اور شخص کی گواہی لکھی۔ مجکو الگ لیجا کر کہا کہ قومی بدنامی کا معاملہ ہے اس لئے مجکو اپنے بھائی کی پردہ

دہی کرنی پڑتی ہے۔ یہ لڑکا (شاکر) آوارہ مزاج اور بد معاملہ ہے۔ اسکی کوئی ذاتی جائداد بھی نہیں اس کا چچا عبدالرزاق اس کا کفیل ہے یہ دستاویز انھیں کے حوالہ کرنا وہ تم کو روپے دے دیں گے۔

غرض دوسرے دن شاکر اور میں ساتھ جہاز پر سوار ہوئے سمرنا میں پہنچے تو شاکر کے انکے وکیل کا تار آیا کہ فوراً واپس آؤ۔ شاکر نے مجھسے کہا کہ میں تمکو چھوڑکر کیونکر جا سکتا ہوں۔ ہمیں نے انکا روکنا مناسب نہ سمجھا اور بخوشی بلکہ باصرار انکو واپس بھیجا۔ بیت المقدس پہنچکر سیدھا عبدالرزاق کے پاس گیا۔ اور مجکو اس موقع پر مجبوری اور افسوس کیساتھ کہنا پڑتا ہے کہ انہوں نے میرے ساتھ سخت بداخلاقی کی۔ اسکی شکایت نہیں کہ روپے نہیں دیئے۔ تعجب یہ ہے کہ کج اخلاقی سے پیش آئے دوسرے دن میں نے مفتی صاحب (جن کا ذکر اوپر گزر چکا ہے) کے پاس جاکر انسے سارا قصہ کہا اور دستاویز دکھلائی مفتی صاحب نے عبدالرزاق کے پاس آدمی بھیجا۔ انھوں نے کہلا بھیجا کہ ”اسوقت میرے پاس روپیہ نہیں دو چار دن کے بعد البتہ ادا کر سکتا ہوں“ مفتی صاحب کو چونکہ اطمینان تھا وہ یہ کہکر چپ ہو رہے کہ ضرور ملجائیں گے۔ لیکن اور لوگ جو وہاں موجود تھے اور عبدالرزاق کے خاندان کے ممبر تھے سخت برہم ہوتے تھے اور غصہ میں آکر کہتے تھے واللہ یبیع لحیتہ ویودی یعنی وہ اپنی ڈاڑھی بیچے اور روپے ادا کرے دوسرے دن میں مفتی صاحب کے پاس گیا تو انہوں نے پوری رقم یعنی ۱۱۰ روپے اپنے پاس سے دیئے میں نے کہا ”آپ اپنی جیب سے دیتے ہیں تو میں لینا نہیں چاہتا“ فرمایا کہ ”نہیں عبدالرزاق نے مجھپر حوالہ کردیا ہے۔ لیکن اگر وہ نہ بھی دیتے اور میرے پاس روپے نہ بھی ہوتے تو میں اپنا جبہ بیچکر دیتا“ باوجود اسکے مفتی صاحب اور دیگر حاضرین کو سخت ندامت تھی۔ وہ لوگ مجھ سے نہایت الحلح سے معذرت کرتے تھے اور بار بار کہتے تھے کہ ہماری آنکھ تم سے برابر نہیں ہوتی میں جب رخصت ہوکر چلا تو مفتی صاحب نے کچھ دور تک مشایعت کی اور کہا کہ المرجو منکم ان تستروا عیوبنا فانہ من شیم الکرام یعنی مجکو امید ہے کہ آپ ہمارے عیب پر پردہ ڈالیں گے۔ کیونکہ شرفا کا کام پردہ پوشی ہے“ مفتی صاحب اور انکے ہمنشینوں کو عبدالرزاق کے برتاؤ پر جو ندامت تھی اور جس طرح وہ بار بار مجھ سے معافی چاہتے تھے اُس کا اثر اب تک میں اپنے دل میں پاتا ہوں۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ اسکندریہ پہنچکر (جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں) ناواقفیت کی وجہ سے مجکو سخت پریشانی ہوئی چونکہ ریل میں دیر تھی ایک قہوہ خانہ میں جو اسٹیشن سے متصل تھا جا بیٹھا وہاں

ایک شامی عرب تشریف رکھتے تھے۔ مجکو غیر ملک کا آدمی سمجھکر یا معلوم نہیں کیوں؟ بڑے تپاک سے پیش آئے وہ قاہرہ کو جارہے تھے میں نے اُنسے کہا کہ میں ہمسفر ہوں اور چونکہ ناواقفیت کی وجہ سے مجکو ہر موقع پر نقصان اور تکلیف اُٹھانی پڑتی ہی۔ میں چاہتا ہوں کہ قاہرہ تک میرا آپ کا ساتھ رہے اُنھوں نے کہا کہ بالراس والعین۔ اُنکی وجہ سے مجکو تمام سفر میں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی قاہرہ پہنچے تو میں نے اُنسے کہا کہ آپ مجکو کسی ہوٹل کا نام بتائیں جو جامع اُدہر کے قریب ہو اور فیس بھی زیادہ نہ ہو۔ میں نے تو صرف پتہ بتانے کو کہا تھا۔ وہ دو روز تک میری ساتھ ہوٹل میں مقیم رہے۔ تیسرے دن کہا کہ "میں ایک ضرورت سے قاہرہ آیا ہوں اور دو تین دن میں مجکو واپس جانا ہی اگر آپ اجازت دیں تو رخصت ہوں" یہ کہکر ہوٹل کے خانساماں کو دو دن کا کرایہ اور کھانے کی فیس حوالہ کی۔ میں نے ہرچند اصرار کیا کہ میری فیس آپ کیوں دیتے ہیں نہ مانا اور کہا کہ آپ اسوقت تک ہماری مہمان تھے یہ کہکر رخصت ہوئے اور مجکو سخت افسوس رہا کہ دوبارہ اُنسے ملاقات نہوئی

حال کی عربی زبان

چونکہ سفرنامہ کے لوازم میں ایک یہ بھی ہے کہ جس ملک کے حالات لکھے جائیں وہاں کی زبان مروجہ سے بھی بحث کیجائے۔ اسی لئے حال کی عربی زبان کی نسبت جو تمام اضلاع شام اور مصر کی زبان ہی کچھ لکھنا ضرور ہی۔ اس سے ہماری ہموطنوں کو بھی فائدہ پہنچےگا جو مصر و شام کے اخبارات کے نہایت شائق ہیں۔ لیکن مروجہ عربی نہ جاننے کی وجہ سے اُن سے متمتع نہیں ہو سکتے۔

موجودہ عربی قدیم عربی سے اسقدر مختلف ہی کہ ہماری ملک کا کوئی بڑا عالم اگر مصر و شام کا سفر کری تو اسکو وہاں کی زبان کے سمجھنے میں قریبًا وہی وقت ہوگی جو ایک عامی کو ہو سکتی ہی زبان موجودہ کی وہ خصوصیتیں جنکی وجہ سے وہ قدیم زبان سے مختلف ہو گئی ہی مختصر طور پر ذیل میں درج ہیں

(۱) بہت سے الفاظ اسقدر مختصر کر دئے گئے ہیں کہ جب تک کوئی شخص نہ بتائے۔ اصلی الفاظ کی طرف ذہن منتقل نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کے چند الفاظ یہ ہیں۔

لفظ تبدیل شدہ	اصل	معنے
شو	اَیُّ شَیْءٍ	کلمۂ استفہام
موش	مَا هُوَ شَیْءٌ	حروف نفی کے معنے میں مستعمل ہوتا ہی۔

لفظ تبدیل شدہ	اصل	معنے
مَا عَلَیش	مَا عَلَیہ شَیءٌ	کچھ حرج نہیں۔ کچھ مضائقہ نہیں
بِلاَ شُ	بِلاَ شَیءٍ	مفت اور پہلے لفظ کے معنوں میں ہی مستعمل ہوتا ہی یعنی کچھ حرج نہیں۔
ھیک	ھٰکَذَا	اس طرح
ھَادُول	ھٰذِہٖ ھُوٗلآءِ	یہ لوگ
قَدَ یشُ	قَدْ دَایِّ شَیءٍ	کس قدر

(۲) الفاظ کے اول یا اخیر میں بعض حرف زیادہ کرلیے ہیں جس سے لفظ کی صورت بالکل بدل جاتی ہی شلاً شام میں تمام افعال مضارع کے اول بؔ زائد کردیتے ہیں۔ ان الفاظ کو ھا اقول ما اعرف یوں کہتے ہیں مَا بَاقُول۔ مَا بَاعِرف مصر میں الفاظ کے اخیر میں شی بڑھاتے ہیں مثلاً ما باخذ کے بجائے یاخذ شی۔

(۳) حروف کا تلفظ نہایت خراب ہوگیا ہی۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ عربی تلفظ کی تمام خصوصیتیں مٹ گیئں۔ قاف کے بجائے ہمزہ جیم کے بجائے گاف۔ ذال کے بجائے دال۔ عین کے بجائے ہمزہ بولتے ہیں۔ اور نہ صرف جاہل اور عامیوں کا یہ تلفظ ہے۔ بلکہ علما اور اشراف بھی ان حرفوں کو اسی طرح ادا کرتے ہیں۔ ایک دفعہ مصر میں میں نے ایک طالب علم سے پوچھا کہ آپ کہاں سے آرہے ہیں بولے (گائی من نگمۂ اجاء من جمعۃ) یعنی میں جمعہ مسجد سے آرہا ہوں۔

(۴) بہت سے قدیم الفاظ ہیں جنکا طرز استعمال بدل گیا ہی۔ مثلاً جب کسی شخص کی تعریف یا اسکا شکریہ ادا کیا جائے تو وہ جواب میں کہے گا استغفر اللہ یعنی میں کس قابل ہوں یا کوئی تعجب انگیز بات کسی کے سامنے بیان کی جائے تو وہ کہے گا اَمَانْ یا شلاً یہ کہنا ہو کہ تمکو اس سے کیا غرض؟ تو کہیں گے شُوبَدْ لَکْ۔ شو۔ای شیٔ کا مخفف ہے۔ اور بدّ وہی لفظ ہے جسکو ہم لابد کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔

(۵) یورپ کے الفاظ نہایت کثرت سے استعمال میں آگئے ہیں۔ اور چونکہ کسی قدر ان میں تغیر کرلیا گیا ہے۔ عربی داں اور انگریزی خواں دونوں کے سمجھنے میں دقت ہوتی ہی اس قسم کے

چند الفاظ مثلاً درج ہیں۔

الفاظ معربہ	الفاظ اصلی	الفاظ معربہ	الفاظ اصلی
تلغراف	ٹیلیگراف	فوتوغراف	فوٹوگراف
بروجرام	پروگرام	بوستہ	پوسٹ-ڈاک
قوماندان	کمانڈر	بادیز	پیرس (دارالسلطنۃ فرانس)
قوماسیون	کمیشن	سیغارہ	سگرٹ
أفواکانو	ایڈوکیٹ	انکلترا	انگلستان
شلین	شلنگ	امبراطور	امپرر
غاز	گیس	لوندرہ	لندن
بانابورت	پاسپورٹ	تورنال یا جونال	جرنل
اوروبا	یورپ	جمباز	جمناسٹک
میکانک	مشین (کل)		

اب ہم زبان حال کے الفاظ کی ایک مختصر سی فرہنگ درج کرتے ہیں۔ اسمیں اکثر ایسے الفاظ بھی ہیں جو آج سے پانچ چھ سو برس پہلے ایجاد ہو چکے تھے۔ لیکن چونکہ تصنیفات وغیرہ میں ان کو رواج عام حاصل نہیں ہوا تھا وہ بھی نئے الفاظ خیال کئے جاتے ہیں۔ خاص اس قسم کے الفاظ پر میں (ق) کی علامت لکھوں گا جس سے یہ مطلب ہے کہ وہ قدیم الفاظ ہیں۔

لفظ	معنے	لفظ	معنے
الف		اوضہ یا - اودہ	کمرہ (مکان کا)
امضاء	دستخط	أغا - اغوات	خواجہ سرا
المانہ	سلطنت جرمن	امتیاز	لائسنس
اجزاخانہ (ترکی لفظ ہے)	دواخانہ	اغراض	اسباب
(ق) اسطول	جنگی جہاز یا جہازوں کا بیڑا	ادب خانہ	پاخانہ
		انتیکہ خانہ	قدیم اشیار کا عجاب خانہ

لفظ	معنے
اشتراك الجرايد ة	اخبار کی خریداری اور اخبار کی قیمت کو بدل الاشتراک کہتے ہیں ۔
ب	
بتاته	آلو
(ق) بَرطله جمع براطیل	رشوت
بَلَدِیَّة	میونسپلٹی
باخره	دخانی جہاز
(ف) برنامج (فارسی ہے)	فہرست
براد	چائدان
بیت الماء	پاخانہ
(ق) بکادی	سویرا
بکیر	سویرا
باش کاتب (ترکی ہے)	ہیڈ منشی
ت	
تکة	ازار بند
ترعة	بڑا تالاب
تمرینات عسکریہ	قواعد (فوج کی)
تشخیص	تھیٹر میں ایکٹ کرنا
تذکره	پروانہ ٹکٹ ۔ سند
تطعیم الجدری	چیچک کا ٹیکا
تمرینات جسدیة	ورزش

لفظ	معنے
ث	
ثوره	بغاوت
(ق) ثریا	جھاڑ (روشنی کا)
ثوب	لمبا کرتہ
ج	
(ق) جبین	پنیر
(ق) جریدة[ل] جمع جرائد	اخبار
جوخ	بانات
جمعیة	انجمن
جمرك (مصر) یا گمرك (ترکی ہے)	چنگی
جنینة	باغ
ح	
حوائج	میلے کپڑے جو دھونے کو دئے جاتے ہیں
(ق) حراقة	تارپیڈو کی کشتی
(ق) حلیب	دودھ
حزب الاحرار	لبرل پارٹی
خ	
خریطہ	نقشہ (جغرافیہ کا)
(ق) خان	سرائے یا ہوٹل

ل پہلی فوج کے تنخواہ کے رجسٹر کو کہتے ہیں۔

لفظ	معنے
د	
دیجانس (عربی نہیں ہے)	شکرم
دایرہ	محکمہ صیغہ
دقیقہ	منٹ
ر	
(ق) رَبّان	کپتان جہاز
روایۃ	ناول ۔ قصہ
رومان (انگریزی لفظ ہے)	ناول ۔ قصہ
ریش	نب ۔ انگریزی قلم کی زبان
ربطۃ الرقبہ	نکٹائی
رصاص	بندوق کی گولی
رسم	تصویر ۔ نقشہ
ز	
زنار	پیٹی
س	
(ق) ساعۃ	گھڑی جس سے وقت معلوم ہوتا ہے
سکۃ الحدید	ریلوے
سکومرتہ	بیمہ کرنا
سجادہ	قالین ۔ دری
سیاسیۃ	پالٹیکس
سریر	چارپائی

لفظ	معنے
ش	
شرکۃ	کمپنی
شوکۃ	کانٹا جس سے انگریز کھانا کھاتے ہیں
شمسیۃ	چھتر
شمندفر (فرنچ زبان کا لفظ ہے)	ریل
شنطہ	پورٹ منٹو بڑا صندوق
(ق) شخطودہ	چھوٹی کشتی
ص	
(ق) صیدلیۃ	عطاری کی دکان
(ق) صہریج	تالاب
صوت	ووٹ
ض	
ضو	چراغ ۔ لمپ
(ق) ضریبۃ	ٹکس
ضبطیہ	پولیس
ضابط ۔ جمع ۔ ضباط	افسر فوج
ط	
طربوش	ٹرکی ٹوپی
طبسی	سینی
ظ	
ظرف	لفافہ

لفظ	معنی
ع	
(ق) علبہ	ڈبیہ
(ق) عیش	روٹی
عیش افرنجی	پاؤروٹی
عمارہ	بیڑہ جہازات
(ق) عربتہ	گاڑی
عجلہ	ایضاً
عمل	اخبار کا کالم
عضو۔ جمع اعضا۔	ممبر (کمیٹی)
غ	
غسیل	کپڑے کی دھلائی
ف	
فراطہ	ریزگاری۔ روپیہ کا خردہ۔
(ق) فلوکہ	ڈونگی۔ چھوٹی کشتی
فطرہ یا فطور	ناشتہ۔ صبح کا کھانا
فابریقہ (انگریزی لفظ ہے)	مِل وغیرہ کا کارخانہ
(ق) فرجتہ	سیر و تفریح
فراجہ	ٹرکش عورتوں کا برقع
(ق) فندق	ہوٹل
(ق) فنجان[1] جمع فناجین	پیالی

لفظ	معنی
ق	
قائمہ	فہرست کتب
قرار	رزولیوشن۔ حکم
قائم مقام	ایک عہدہ کا نام ہے جو ہمارے یہاں ڈپٹی کلکٹری کے قریب ہے
قرینہ	زوجہ۔ بیگم۔
ک	
کفیہ	ٹوپی
کندرہ ترکی ہے۔ غالباً	بوٹ
کرّوسہ	شکرم
(ق) کالہ یا کعک	بسکٹ
کبریت	دیا سلائی
ل	
لائحہ	فہرست
لفّہ	عمامہ جو ٹوپی کے اوپر باندھتے ہیں۔
لیرہ	پونڈ۔ اشرفی
لوکاندہ عربی نہیں ہے	ہوٹل

[1] شاعر کہتا ہے ؎

تم ھاتما قھوۃ کالمسک صافیۃ
تحی النفوس وشنف لے الفناجینا

لفظ	معنے
(ق) لجنة	کمیٹی
لحظہ	سکنڈ (منٹ کا ساٹھواں حصہ)
لیلی	بورڈر (اشبر طیکہ یہ لفظ طالب العلموں کے لئے استعمال کیا جائے)
لباس	پاجامہ
لبن	دہی
	م
مصاری	فلوس پیسے
مستشفی	اسپتال
مرفا	گھاٹ ۔ بندرگاہ
مومسات	رنڈیاں ۔ کسبیان
مِقَصّ	قینچی
(ق) مزین	حجام
مؤتمر	کانفرنس
مندوب	ڈیلیگیٹ سفیر وکیل
مُحجّر	قرنطینہ
ماموریۃ	نوکری
مدفع	توپ
مُضبطہ	محضر یا عرضداشت
معمل	کارخانہ

لفظ	معنے
معرض	نمائشگاہ
مُتصرّف	ایک عہدہ کا نام ہے
مُفتّش	انسپکٹر
محفظہ	نوٹ بک ۔ یادداشت کی کتاب ۔
متحف	عجائب خانہ
مُشمّع	موم جامہ
مسکوب	سلطنت روس
مرکن	گلدان
(ق) مِخَدّہ	تکیہ
مِقلمہ	قلم تراش ۔ چاقو
ملعقہ	چمچہ
(ق) مظلّہ	چھتری
محرمہ	رومال
(ق) مندیل	رومال
منشف	تولیہ
مرکوب	جوتہ
مداسہ	سلیپر ۔ گھر میں پہننے کے جوتے ۔
محطّہ	ریل کا اسٹیشن

لفظ	معنے
(ق) مجلّۃ[۱]	میگزین۔ علمی رسالہ
مدرعہ	آہن پوش جہاز
محکمہ	عدالت
محکمۃ الحقوق	عدالت دیوانی
محکمۃ الجزاء	عدالت فوجداری
محکمۃ الاستیناف	عدالت اپیل
محکمۃ التمئیز	ہائی کورٹ
محامی	وکیل
(ق) مینا	گھاٹ
(ق) مرکب	جہاز
ممثل	ایکٹر
مسوکرہ (انگریزی سے ماخوذ ہے۔)	رجسٹری شدہ خط یا پارسل وغیرہ
میزانیہ	بجٹ
مصلحۃ	محکمہ۔ صیغہ جیسے مصلحۃ البوسطہ۔ یعنی ڈاک خانہ
معاش	پنشن
مجاور	قدیم مدارس کے طالب العلم

۱ مجلّہ جاہلیت میں اس کتاب کو کہتے تھے جس میں حکمت وموعظت کے مضامین ہوں۔ نابغہ کا شعر ہے ؎

مجلتہم ذات الالہ ودینہم
قدیم فما یرجون غیر العواقب

لفظ	معنے
محل الادب	پاخانہ
مکارہ	چرخی
مادہ	دفعہ (قانون وغیرہ کی کتاب)
معارف	سررشتہ تعلیم
مجسمہ	اسٹیچو۔ پورے قد کی مورت
مزایدہ	نیلام

ن

لفظ	معنے
نہاری	غیر بورڈ طالب العلم = ان کو خارجیہ بھی کہتے ہیں
نیشان جمع نشانات	تمغہ
(ق) ناموسیۃ	پلنگ
نمسا	سلطنت آسٹریا
نادیۃ	آتشبازی
نظارہ	دوربین
(ق) نظارہ	سررشتہ۔ صیغہ
ناظر	سکرٹری
نادگیلۃ۔ فارسی	حُقّہ

و

لفظ	معنے
وسام	تمغہ
وابور یا فابور۔ عربی نہیں ہے	جہاز

لفظ	معنی	لفظ	معنی
دقتہ	ٹکٹ	دیرکو - عربی نہیں ہے	ٹکس
دقتہ الزیادت	ملاقات کا کارڈ	ددق	کاغذ
(ق) وصول	رسید.		

مخدرات مشاہیر عالم جلد دوم

جسمین حسب ذیل سوانح درج ہیں۔ ویدون ملکہ سورپتھلل ایڈلین۔ راخیل۔ ماریہ رولان فلپون۔ عاتکہ بنت معاویہ تذکار بائی خاتون۔ ارشدامیہ۔ فریدہ۔ عفرا۔ عائشہ بنت طلحہ۔ ہائی پے شیا۔ خرقا۔ ریا بنت الفریق السلمی ضنفیات طریفہ بنت صفوان۔ ام حکیم بنت حارظ۔ قیمت ۱۲ عہ

تذکرہ مشاہیر عالم جلد اول

مولفہ مولانا عبد الحلیم صاحب شرر جس میں حسب ذیل سوانح درج ہیں۔ خلیفہ ناصر الدین اللہ۔ زبیر ابن عوام عبد اللہ ابن زبیر۔ ابن بطوطہ۔ بقراط۔ مانی۔ جالینوس۔ سیف الدین اعز الدین حسین۔ حاتم طائی۔ والبصی جبلہ بن ایہم محمد بن تومرت المہدی المغربی۔ ابو عثمان سعید بن مسجح سباتانی سیبویہ۔ قیمت فی جلد ۱۲ عہ۔

ایضاً جلد دوم

جسمین حسب ذیل سوانح درج ہیں۔ ابو الاسود دولی احمد بن طولون۔ ابو الضحاک۔ عمرو بن معدی کرب زبیدی۔ نابغہ ذبیانی۔ اسکندر اعظم۔ سمسون۔ ابن قراقر تلمغانی۔ الحکم المستنصر۔ محمد عبد اللہ الزرقہ۔ منذر بن مغیرہ۔ حجاج۔ دمشق۔ مہوس۔ مسجد ایا صوفیہ۔ مسجد اقصیٰ صلیبی جہاد۔ دمشق کی جامع بنی امیہ سب کے جدا جدا حالات درج ہیں قیمت ۱۲ عہ

مثنوی نشتر غم

یعنی سید حسن شاہ اور خانم جان کا وہ دردانگیز اور سچا تاریخی واقعہ جو نشتر ناول سے لیکر گلزار نسیم کی بحر میں نہایت ہی معنی خیز اختصار کے پیرایہ میں طرز جدید نظم کیا گیا ہی قیمت فی جلد ۱۰/

الہارون

یعنی سوانح عمری خلیفہ ہارون رشید اعظم مع نقشہ سلطنت عباسیہ و دار الخلافہ بغداد قیمت ۱۲ عہ

الفاروق

یعنی سوانح عمری حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ مولفہ شمس العلما مولوی شبلی نعمانی مرحوم سے

مقالات شبلی

جسمین مولانا شبلی نعمانی مرحوم کے وہ علمی اور تاریخی مضامین لکھے جو ابتک طبع نہیں ہوئے ۱۲ عہ

الغزالی

یعنی امام محمد بن محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح عمری مولفہ مولانا شبلی مرحوم قیمت ۱۲ عہ

مجموعہ نظم شبلی

مع مختصر سوانح مولانا مرحوم اس مین مولانا کی تمام اردو نظمین ہیں مگر اس مجموعہ مین انکی سیاسی نظمین نہیں ہیں قیمت ۸/

المامون

مصنفہ مولانا شبلی اس کتاب کے دو حصے ہیں پہلے میں تمہید ترتیب خلافت مامون الرشید کی ولادت تعلیم و تربیت ولیعہدی تخت نشینی۔ خانہ جنگیاں فتوحات ملکی وفات کے حالات دوسرے حصے میں اُن مراتب کی تفصیل ہی جنسے اس عہد کے ملکی حالات اور مامون الرشید کے تمام اخلاق وعادات کا اندازہ ہو سکتا ہی نیز اُن کارناموں کی تفصیل ہی جنکی وجہ سے مامون رشید کا عہد عموماً شاہان اسلام کے عہد سے علمی حیثیت سے ممتاز تسلیم کیا گیا ہی مع رسالہ الجزیہ قیمت عہ

سیرۃ النعمان

یعنی امام اعظم ابو حنیفہ رح کوفی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح عمری حصہ اول و دوم اس کتاب کے پہلے حصہ میں امام صاحب کا نام ونسب ولادت وسن رشد وتعلیم وتربیت شیوخ حدیث ودرس افتا وبقیہ زندگی اور دربار کے تعلقات وعام حالات اخلاق وعادات مناظرہ وفتاوی ذہانت وطباعی اس قسم کے حالات نہایت تفصیل سے مذکور ہیں دوسرے حصے میں امام صاحب کے اصول اور مسائل سے جو علم کلام۔ اور فن حدیث سے متعلق ہی تفصیلی بحث ہی اور واقعات واسانید کے ساتھ ثابت کیا گیا ہی کہ فن حدیث میں آپکا کیا پایہ تھا۔ فن فقہ پر تفصیلی ریویو ہی جسمیں تدوین فقہ کے تاریخی حالات کے ساتھ وہ تمام خصوصیتیں تفصیلاً بیان کی گئی ہیں جنکی وجہ سے فقہ حنفی کو اور ائمہ کی فقہ پر ترجیح حاصل ہی۔ خاتمہ میں امام صاحب کے نامور اور ممتاز شاگردوں کے مختصر حالات ہیں مصنفہ مولانا شبلی مرحوم قیمت فی جلد عہ

اورنگ زیب عالمگیر

شمس العلما مولانا شبلی نعمانی کی یہ بالکل جدید تالیف ہی تاریخ اور واقعات کی تحقیق وتنقید میں مولانا کا پایہ اظہر من الشمس ہی شہنشاہ عالمگیر پر جو الزامات وارد ہوتے ہیں بھائیوں کا قتل باپ کی گرفتاری تعصب مذہبی ہندوؤں کے ساتھ مخاصمت بت شکنی وغیرہ کے متعلق جو الزامات کیے جاتے ہیں اس کتاب میں ثابت کیا گیا ہی کہ ان اعتراضات کو واقعات سے کوئی تعلق نہیں یہ باتیں پست نظر اور تنگ خیال افسانہ نویسوں کی پیدا کی ہوئی ہیں مولانا نے خود اُس عہد کی مستند تاریخوں سے تمام واقعات کی تحقیق کی ہی اور اہل یورپ کی غلط فہمیوں پر روایت کی نظر ڈالی ہی قیمت ۸ر

اعلان

جملہ خریداران وتاجران کتب کو مطلع کیا جاتا ہے کہ جس سفرنامہ پر ہمارے قلمی دستخط نہ ہونگے وہ ہماری مطبوعہ کتاب نہ تصور کریں۔

تمام درخواستیں بنام سید ظہور الحسن۔ قومی پریس۔ دہلی۔ چھپنہ لال میاں آنا چاہییں